نور الحبیب ۲۰۰۳

جلد 14

حقوق العباد

مقالات حکمت

ذکر الٰہی اور خدمت خلق

ابو انیس محمد برکت علی قدس سرہ

رب تعالیٰ اٹھارہ ہزار مخلوق میں سے کسی کو بھی بھوکا رہنے نہیں دیتا، اگرچہ پتھر کے اندر کیڑا یا موتی کھانے والا سیمرغ --- سنا ہے ایک مچھلی ایسی ہے جو ایک لقمہ میں ساری دنیا کو کھا سکتی ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے تین لقمے ہر روز دیتا ہے --- پرندوں کا کس حکمت وفیاضی سے جگہ بہ جگہ رزق بکھیرا ہوا ہے --- اللہ رب العالمین کل کائنات کا داتا ہے، جو منکر ہے اس کا بھی --- کسی کو بھی کسی نعمت سے محروم نہیں رکھتا --- ایسے نہ ہوتا تو رب العالمین کیوں کر کہلاتا؟ ---

بحر و بر میں بسنے والی مخلوق کی رزاقیت ہر کسی کے فہم وادراک سے بالا ہے --- ہر پرند، چرند، درند کو ہر روز اپنی اپنی پسند کی روزی ملتی ہے --- اپنی اپنی پناہ گاہوں سے بھوکے اٹھتے ہیں، سیر ہو کر لوٹتے ہیں --- رازق ہی ہر کسی کی روزی کا ذمہ دار ہے --- ربوبیت اگر صفات واعمال پہ موقوف ہوتی، رب العالمین اور قاضی الحاجات کیوں کر کہلاتا؟ ---

رزق کی تقسیم میں اگر ایمان و کفر کی تمیز ہوتی، رازق کیوں کر کہلاتا --- تقسیم میں اگر بخل ہوتا، کریم کیوں کر کہلاتا --- کفایت کی روزی ہر ذی روح کو روز ملتی ہے، وہ کسی کو بھی کبھی نہیں بھولتا، نہ کیڑی کو نہ مچھر کو --- اللہ ہنس کو سچے موتیوں کی چوگ کھلاتا ہے، ایسے موتی جو کسی بادشاہ کو دیکھنے تک نصیب نہیں ہوتے --- روزی روز ملتی ہے، ہر ذی روح کو ملتی ہے، ضرورت کے مطابق ملتی ہے اور روزی کا رازق مطلق اللہ ہے --- روزی کھانے سے کسی کی بھی کم نہیں ہوتی، جمع کرنے سے کم ہوتی ہے --- جمع کرنا میری فطرت ہے، باز نہیں رہتا، ورنہ اللہ نے تو ہر کسی کو کفایت کے درجہ کی روزی دی ہوتی ہے --- اگر تو اپنا مال اپنی ضرورت کے مطابق رکھے، ضرورت سے زیادہ

کوئی مال اپنے پاس جمع نہ کرے تو تیرا سارا وقت کام پہ صرف ہو گا--- جاگیرات، منبع فتنات--- فتنات کی اصل مال ہے--- مال ختم، فتنات ختم--- مال جہاں بھی وافر ہوا، خرافات ہی میں خرچ ہوا--- غیر ضروری امور میں لٹا، جمع کی زنیت بنا اور جمع کرنے والے کے کسی بھی کام نہ آیا--- کیا ہی خوب ہوتا اگر اللہ کے لیے اللہ کی راہ میں لٹتا--- اگر ایسے ہوتا، برکات حدود پھاند کر نازل ہوتیں---

اللہ کی راہ میں چل کر دیکھ، اللہ کے کام کر کے دیکھ، اللہ کے لیے جی کر دیکھ، اللہ کے لیے مر کر دیکھ، اللہ کی راہ میں خرچ کر کے دیکھ، اس سے افضل اور کوئی منزل نہیں اور اس سے آگے اور کوئی مقام نہیں---

جو کام اللہ کے لیے کیا، زندہ--- جو شئے اللہ کے لیے دی، زندہ--- جو دم اللہ کے ذکر میں گزرا، زندہ--- جو شئے کسی غریب کو دی، وہ بھی زندہ، باقی سب مردہ--- بہترین تسخیر یہ ہے کہ تو خلق کو نفع پہنچا لیکن خلق سے نفع کی امید مت رکھ--- تیرا مقام خاک اور تیرا کام خدمت ہو، اس سے بڑھ کر اور کوئی مقام نہیں اور اس سے افضل اور کوئی کام نہیں---

تو کچھ مت بن اور نہ ہی بننے کی آرزو رکھ--- تیرا کچھ بھی نہ بننا، تیرا سب کچھ بننا ہے--- مقامات کے گرد مت گھوم، مقامات تیرے گرد گھومیں---

کسی مقام کی طلب مت کر، پرواہ مت کر--- نیستی کا مقام ہر مقام پہ حاوی اور ہر مقام اس کی زد میں ہوتا ہے---

پہلے بننے والوں سے جا کر پوچھ، بن کر وہ کیا بنے اور پھر ان کا کیا بنا؟--- کیا ہی خوب ہوتا کوئی کچھ بھی نہ بنتا اور نہ ہی کچھ بننے کی تمنا کرتا--- اگر طلب و تمنا کو مٹا کر اس راہ میں آتا، رنگا رنگ کے مراتب پاتا--- کمالات کی نفی میں اثبات کا ظہور ہے، کسی اور طرح بالکل نہیں--- الٰہی نظام کے تحت زندگی، زندگی کی تمنا اور کوئی زندگی نہیں--- الٰہی نظام میں غفلت نہیں ہوتی--- غفلت، ارذل العمر--- زندگی بیزار تھی، زندگی کا راز پا کر زندگی کی تمنا بنی---

الٰہی پیغام کائنات کی بھلائی کا امین ہوتا ہے--- الٰہی پیغام، ذکر الٰہی، دین کی دعوت و تبلیغ اور مخلوق کی بے لوث خدمت کا سر چشمہ ہوتا ہے--- نہ رک سکتا ہے، نہ کوئی روک سکتا ہے، جاری ہو کر رہتا ہے--- ہر کسی سے ہر معاملہ میں احسان کر، احسان کا کوئی بدلہ نہیں مگر احسان جو تو کرتا ہے، اللہ دیکھتا ہے، کسی اور کو دکھانے کی ضرورت ہی نہیں، جس کے لیے تو کرتا ہے وہ دیکھ رہا ہے اور یہ کافی ہے---

مفلوک الحال انسانیت کو دلاسا دینا احسان بھی ہے، اکرام بھی اور یہی تیرے رب کو

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

پسند---مخلوق اللہ کا کنبہ ہے---رضا جب کسی سے راضی ہو جاتی ہے، نیکی کا باب کھل جاتا ہے---رب ذوالجلال کو راضی کرنے کا انسب معمول مخلوق کی بھلائی ہے---بیمار ولاچار و نادار مخلوق کے لیے مخصوص خیرات وصدقات وعطیات مقبول ترین ہوتے ہیں---

کما کر دیکھ لو!---حرام کی کمائی میں برکت نہیں ہوتی---کھا کر دیکھ لو!---مشکوک روزی میں عفت نہیں ہوتی، چستی ہوتی ہے نہ جوش، نہ توفیق، نہ استقلال---ستا کر دیکھ لو!---کبھی خوش نہ رہو گے---کر کے دیکھ لو!---ذکرِ الٰہی میں ہر شے ہے، اطمینان وقرب ونجات وولایت---

اللہ کی قسم! یہ بالکل سچ ہے، آزما کر دیکھ لو!---بلا صدقے کو نہیں پھاند سکتی---

مفلوک الحال کی تلاش میں رہ، پالے تو بن مانگے دے، یہ تیرا بہترین صدقہ ہے---جو بھی چیز اللہ کی راہ میں خرچ کی جاتی ہے اگرچہ ذرہ بھر ہو، اس کا اجر دیا جاتا ہے---اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کوئی مال بھی کم نہیں ہوتا، اللہ غنی الغنی، کریم العفو اور خیر النصیر ہے---ذرا سی چیز کو قبول فرما کر مال میں برکت بھر دیتا ہے---طلباء کی خدمت ہر خدمت پہ فوقیت رکھتی ہے---

پیشہ ور بھکاری کی خدمت بھکاریت کو فروغ دینا ہے اور بھکاریت اسلام کے منافی ہے---

انسانیت کا بلند ترین مقام، انسانیت کا احترام ہے اور احترام ایک وسیع المعانی خصلت ہے اور اللہ ہی اپنی بارگاہ رب ذوالجلال والاکرام سے جسے چاہتا ہے، یہ خصلت عنایت فرماتا ہے---

اللہ کا ذکر، دین کی دعوت وتبلیغ، خدمت خلق، شکر نعمت، حسن عبادت، راست بازی، قلب سلیم اور خلق مستقیم سے انسانیت کا مقام بلند ہوتا ہے، محض عبادات کی بدولت نہیں---

یہ اسباق سلف صالحین کی درس گاہوں کا بین الاقوامی، جامع اور مستند نصاب ہوا کرتا تھا---جب تک کوئی فاضل مذکورہ اسباق سے فیض یاب ہو کر فارغ التحصیل نہیں ہوتا، مقبول الاسلام دین دار نہیں ہوتا اور نہ ہی دین کو اس سے مطلوبہ تقویت پہنچ سکتی ہے---

گزرے ہوئے دور کا صوفی بے شک ان اسباق سے آراستہ و پیراستہ ہو کر دین کے میدان میں قدم رکھا کرتا تھا---جو بھی دین کے اکھاڑے میں اترتا، یہی خصلتیں اس کا زادراہ ہوتیں---

فقراء اپنی جان کے سوا کچھ بھی نہیں رکھتے---ذکر الٰہی کرتے ہیں، دین کی دعوت وتبلیغ اور مخلوق کی بے لوث خدمت کرتے ہیں اور یہی ان کا صدقہ ہے---ماشاءاللہ

یہ ذکر الٰہی ہے، محو رہ---یہ تبلیغ ہے، کیے جا---یہ مخلوق کی خدمت ہے، جاری رکھ---باقی سب سیاست----یا حی یا قیوم



عرض حال بہ حضور سرور کائنات ﷺ

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
اس دین میں خود تفرقہ اب آ کے پڑا ہے

جس دین نے تھے غیروں کے دل آ کے ملائے
اس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے

جو دین کہ ہمدرد بنی نوع بشر تھا
اب جنگ و جدل چار طرف اس میں بپا ہے

جس دین کا تھا فقر بھی اکسیر، غنا بھی
اس دین میں اب فقر ہے باقی نہ غنا ہے

جس دین کی حجت سے سب ادیان تھے مغلوب
اب معترض اس دین پہ ہر ہرزہ سرا ہے

ہے دین ترا اب بھی وہی چشمۂ صافی
دیں داروں میں پر آب ہے، باقی نہ صفا ہے

چھوٹوں میں اطاعت ہے نہ شفقت ہے بڑوں میں
پیاروں میں محبت ہے نہ یاروں میں وفا ہے

گو قوم میں تیری نہیں اب کوئی بڑائی
پر نام تری قوم کا یاں اب بھی بڑا ہے

ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر
مدت سے اسے دور زماں میٹ رہا ہے

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی
ہے اس سے یہ ظاہر کہ یہی حکم قضا ہے

جو کچھ ہیں وہ سب اپنے ہی ہاتھوں کے ہیں کرتوت
شکوہ ہے زمانے کا نہ قسمت کا گلا ہے

دیکھے ہیں یہ دن اپنی ہی غفلت کی بدولت
سچ ہے کہ بُرے کام کا انجام برا ہے

فریاد ہے اے کشتیٔ امت کے نگہ بان
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

اے چشمۂ رحمت بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ
دنیا پہ ترا لطف سدا عام رہا ہے

کر حق سے دعا امت مرحوم کے حق میں
خطروں میں بہت جس کا جہاز آ کے گھرا ہے

امت میں تری نیک بھی ہیں بد بھی ہیں لیکن
دلدادہ ترا ایک سے ایک ان میں سوا ہے

ہر چپقلشِ دہر مخالف میں ترا نام
ہتھیار جوانوں کا ہے پیروں کا عصا ہے

جو خاک ترے در پہ ہے جاروب سے اڑتی
وہ خاک ہمارے لیے داروئے شفا ہے

جو شہر ہوا تیری ولادت سے مشرف
اب تک وہی قبلہ تری امت کا رہا ہے

ہم نیک ہیں یا بد ہیں پھر آخر ہیں تمہارے
نسبت بہت اچھی ہے اگر حال برا ہے

گر بد ہیں تو حق اپنا ہے کچھ اور زیادہ
اخبار میں ''اَلطَّالِحُ لِیْ'' ہم نے سنا ہے

تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی
ہاں ایک دعا تیری کہ مقبول خدا ہے

الطاف حسین حالی

حقوق العباد میں کوتاہی کا نقصان

پروفیسر خلیل احمد نوری

آپ نے کبھی ریس یا دوڑ دیکھی ہے؟ انسانوں کی دوڑ، جانوروں کی دوڑ، سائیکلوں کی دوڑ، موٹر سائیکلوں اور گاڑیوں کی دوڑ---

آپ نے دیکھا ہوگا کہ اگر دوڑ میں شریک ہر فرد یا گاڑی اپنے اپنے طے شدہ راستے پر چلے، دوڑ کے اصولوں کی پابندی اور قوانین کا احترام کرے، تو آگے بڑھنے میں کسی کو کوئی مشکل پیش نہیں آتی اور بغیر کسی الجھن کے ہر کوئی دوڑ میں شریک رہ سکتا ہے۔ ہاں، اگر کوئی فرد یا گاڑی اپنے راستے پر چلنے کے بجائے دوسروں کے راستے میں رکاوٹ بننے لگے، تو قدم قدم پر ٹکراؤ ہوگا۔ اصول و قوانین کا لحاظ نہ رکھا جائے، تو الجھنیں اور مشکلات پیدا ہوں گی۔ اس سے دوڑ رک جائے گی، لڑائی جھگڑے پیدا ہوں گے اور ٹوٹ پھوٹ کا عمل شروع ہو جائے گا۔

بالکل اسی طرح کائنات میں زندگی گزارنے اور ترقی کرنے کے کچھ اصول و قوانین ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ معاملہ کرنے کے کچھ ضابطے ہیں، اگر ان قوانین کی روشنی میں ترقی کا عمل جاری رہے اور ہر انسان اپنا اپنا حصہ وصول کرنے کے لیے دوسروں کا احترام کرتے ہوئے آگے بڑھتا رہے تو کبھی انسانوں کا باہمی ٹکراؤ نہ ہو اور نہ ہی کسی کو الجھن اور مشکل درپیش ہو۔ اس سے ترقی کی رفتار تیز ہوتی رہے اور معاشرے میں امن، سلامتی اور سکون نشوونما پاتا رہے۔ زندگی کی اس شاہراہ میں جو قوانین ہمیں آگے بڑھنے میں مدد دیتے ہیں، ان کا نام حقوق العباد ہے۔

اسی بات کو ایک اور پہلو سے دیکھیے! معاشرے میں رہتے ہوئے ہمارا ایک تعلق اپنے والدین

سے ہے، اولاد کے ساتھ ایک دوسری قسم کا تعلق ہے، ہمارا بیویوں سے تعلق بھی ہے اور قریبی یا دور کے رشتے داروں کے ساتھ بھی۔ پھر جس گلی، محلہ یا شہر اور ملک میں ہم رہتے ہیں، محنت مزدوری یا کاروبار کرتے ہیں، وہاں کے لوگ بھی ہمارے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں، حتیٰ کہ سفر کرتے، گاڑی چلاتے، پیدل چلتے، پڑھتے یا پڑھاتے اور مجلس میں بیٹھتے، جن لوگوں سے کسی بھی حیثیت سے ہمارا واسطہ پڑتا ہے، ان سب سے کم یا زیادہ تعلق قائم ہوتا ہے۔ اس تعلق کی بنیاد پر ایک فرد کو دوسرے فرد کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے جن باتوں کا لحاظ کرنا لازم وضروری ہے، ان کو حقوق العباد کہا جاتا ہے۔

درج بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ حقوق العباد کا دائرہ بہت وسیع ہے، مثلاً ایک انسان کو جن حقوق کا خیال رکھنا ضروری ہے، ان میں اہم یہ ہیں:

والدین کے حقوق، اولاد کے حقوق، خاوند اور بیوی کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، یتیموں کے حقوق، مسکینوں اور ملازموں کے حقوق، علماء اور عوام کے حقوق، اساتذہ اور شاگردوں کے حقوق، عوام اور حکام کے باہمی حقوق، تاجروں اور خریداروں کے حقوق، مزدوروں اور مالکوں کے حقوق، حکومت اور عوام کے حقوق، حتیٰ کہ جانوروں اور حیوانات کے حقوق۔

حقوق اللہ پر حقوق العباد مقدم ہیں

اہمیت کے اعتبار سے تو انسان پر اللہ تعالیٰ کا حق فائق ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید اور حضور ﷺ کا حق مقدم ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ خالق و مالک ہے، قرآن مجید کلام اللہ اور باعث ہدایت ونجات ہے اور حضور ﷺ باعث تخلیق کائنات ہیں اور ایمان و اسلام کی دولت سے مالا مال کرنے والے ہیں۔

لیکن، اللہ تعالیٰ ہماری عبادت و اطاعت کا محتاج نہیں ہے۔ ہم اس کی ربوبیت کا اعتراف کریں یا نہ کریں، اس کا کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿مَنْ کَفَرَ فَعَلَیْہِ کُفْرُہٗ﴾---

"جس نے کفر کیا، اس کے کفر کا نقصان خود اسے ہوگا"---

اگر ہم نماز روزہ نہ کریں تو نقصان خود ہمارا ہوگا، اس سے اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑتا۔ ہم اس کی نافرمانی بھی کرتے ہیں مگر وہ اپنی رحمت و بخشش کی وجہ سے ہماری ان خطاؤں سے درگزر فرماتا ہے۔ اس لیے وہ چاہے تو اپنے حقوق معاف فرما دے، اسے کوئی رکاوٹ نہیں۔ رہے قرآن مجید اور حضور ﷺ کے حقوق؟ تو دراصل یہ حقوق اللہ ہی ہیں۔ البتہ، بندوں کے حقوق کا معاملہ مختلف ہے، اگر ہم بندوں کے حقوق ضائع کریں تو خود انسانوں کا نقصان ہوگا، ان پر ظلم ہوگا، ان کو اذیت اور تکلیف پہنچے گی اور اس ظلم وستم کی وجہ سے انسانوں کو زندگی گزارنا دشوار ہو جائے گا۔ اس ظلم کی

روک تھام کے لیے ہی تو اسلام میں سزاؤں کا تصور رکھا گیا ہے، تا کہ کوئی کسی کا حق نہ مارے اور دوسروں کو نقصان پہنچانے سے باز رہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ بندوں کے حقوق خود معاف نہیں فرماتا، جب تک کہ وہ بندوں کو ادا نہ کر دیے جائیں یا ان لوگوں سے معافی نہ مانگ لی جائے جن کا حق ضائع ہوا ہے۔ اس کی وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل مثالیں دیکھیے۔

جنتی عورت اور دوزخی عورت

حدیث پاک میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک عورت کا ذکر ہوا کہ وہ بہت نمازیں پڑھتی ہے، روزے بھی کثرت سے رکھتی ہے، (یعنی فرض نمازوں یا روزوں کے ساتھ ساتھ نفل نمازوں اور روزوں کی کثرت کرتی ہے) اور تلاوت قرآن پاک بھی بہت کرتی ہے، لیکن اپنی زبان درازی کی وجہ سے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ دوزخی ہے۔

کسی اور عورت کا ذکر ہوا کہ ایک عورت ہے، جو بہت نماز روزہ نہیں کرتی، یعنی فرض نمازوں کے علاوہ نفلی نمازیں زیادہ نہیں پڑھتی اور رمضان المبارک کے فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزے زیادہ نہیں رکھتی، لیکن پڑوسیوں کو نہیں ستاتی۔ حضور ﷺ نے فرمایا، وہ عورت جنتی ہے۔

اس حدیث پاک نے ہمارے سامنے یہ حقیقت واضح کر دی کہ جو انسان اللہ تعالیٰ کے حقوق تو ادا کرے لیکن بندوں کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں معافی نہیں ہے۔ اس کے برعکس اگر انسانوں کے حقوق کا پاس ولحاظ کیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی اور غلطی ہو جائے تو یہ بات قابل معافی ہو سکتی ہے۔ نفلی نمازوں اور روزوں کا اہتمام اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے ہے، جب کہ پڑوسیوں کی آسائش کا خیال رکھنا اور ان کو ستانے سے باز رہنا انسانوں کے حقوق میں سے ہے، اسے لیے پڑوسیوں کو ستانے والی عورت کو دوزخی قرار دیا گیا اور انہیں آرام مہیا کرنے والی خاتون کو ہادیِ ومرشدِ اعظم ﷺ نے جنتی قرار دیا ہے۔

ظلم کا بدلہ دینا پڑے گا

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اعمال تین قسم کے ہیں، ایک دفتر وہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرماتا، یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''بے شک اللہ اس کی بخشش نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے''---

دوسرا دفتر وہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ چھوڑے گا نہیں، اس میں لوگوں کے مظالم درج

ہوں گے، یہاں تک کہ وہ مظلوموں کو ظالموں سے بدلہ دلوا دے۔

تیسرا دفتر وہ ہے، جس کی اللہ تعالیٰ کو پروا نہیں ہے، یعنی وہ گناہ اور خطائیں جن کا معاملہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے، خواہ ان کی وجہ سے عذاب دے یا معاف فرمادے''---[بیہقی]

اس حدیث پاک میں بالکل واضح انداز میں فرمادیا گیا ہے کہ حقوق اللہ کی اللہ تعالیٰ پروا نہیں فرماتا لیکن حقوق العباد کا ہر صورت میں بدلہ دینا ہوگا۔

شہید کو بھی امانت ادا کرنا پڑے گی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''شہادت کی وجہ سے انسان کے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں، مگر امانت کا گناہ قائم رہتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوا، اسے بھی قیامت کے دن لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اپنی امانت ادا کرو، وہ جواب دے گا کہ دنیا تو اب نہیں ہے، میں کیسے ادا کروں؟ پھر وہ چیز اسے جہنم کی تہہ میں نظر آئے گی، اسے کہا جائے گا کہ جاؤ لاؤ اور ادا کرو، وہ اسے کندھے پر لاد کر چلے گا، لیکن وہ اس سے گر پڑے گی، وہ پھر اسے لینے جائے گا، لے کر چلے گا تو پھر گر پڑے گی۔ چنانچہ اسی عذاب میں مبتلا رہے گا''---[ابن کثیر]

شہید کے ذمے قرض باقی رہتا ہے

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرض کے متعلق فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر کوئی شخص جہاد میں شہید کیا جائے، پھر زندہ ہو کر دوبارہ شہید ہو جائے، پھر زندہ ہو کر تیسری بار شہید ہو جائے، تو بھی وہ جنت میں نہ جائے گا جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ کیا جائے''---

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کی، یارسول اللہ! فرمائیے کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں صبر کرتا ہوا، اجر کی طلب میں آگے بڑھتا ہوا، نہ کہ پیچھے ہٹتا ہوا شہید ہو جاؤں تو کیا اللہ تعالیٰ میری خطائیں معاف فرمادے گا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، ہاں۔ جب وہ شخص چل دیا تو آپ ﷺ نے اسے پکارا اور فرمایا:

''ہاں، اللہ تعالیٰ خطائیں معاف فرمادے گا، سوائے قرض کے، کیوں کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام نے اسی طرح بتایا ہے''---[مسلم]

ان دونوں حدیثوں سے یہ معلوم ہوا کہ شہید جو کہ جہاد کی سختیوں پر صبر کرتا ہے، اپنی جان

قربان کر کے دین اسلام کے حق ہونے کی گواہی دیتا ہے، اس کے صغیرہ اور کبیرہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، لیکن قرض معاف نہیں ہوتا کیوں کہ اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے، جو کہ ادا کرنے سے معاف ہوں گے۔ اسی بات کی تائید یہ حدیث پاک بھی کر رہی ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''شہید کے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، سوائے قرض کے'' ---[مسلم]

علم حدیث کے ماہر علماء کرام نے بیان فرمایا کہ اس قرض سے مراد ناجائز قرض لینا ہے، مثلاً رسوم میں خرچ کرنے کے لیے یا بلا عذر ٹال مٹول کرنا، وقت پر ادا نہ کرنا، جھوٹے وعدے کرنا، سب اسی میں شامل ہے۔ بلکہ ان علماء نے فرمایا کہ یہاں قرض سے مراد تمام حقوق العباد ہیں، مثلاً قتل ناحق اور دوسروں کی بے عزتی اور آبروریزی بھی اس میں شامل ہے۔

پہلے قرض ادا کرو، پھر زکوٰۃ دو

فقہاء نے زکوٰۃ واجب و لازم ہونے کی جو شرطیں بیان کی ہیں، ان میں ایک قرض کا نہ ہونا ہے، یعنی اگر کسی شخص کے پاس پانچ ہزار روپے ہیں اور اس کے ذمہ اتنا ہی قرض بھی ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ اس کی وجہ پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور قرض بندوں کا حق ہے۔ بندوں کا حق ادا کرنا اللہ تعالیٰ کے حق کو ادا کرنے پر مقدم ہے۔ لہٰذا ایسے آدمی پر زکوٰۃ واجب نہیں، جو مقروض ہو۔

نماز باجماعت میں حقوق العباد کی رعایت

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''میں نماز شروع کرتا ہوں تو ارادہ ہوتا ہے کہ اسے دراز کروں گا، مگر کسی بچے کے رونے کی آواز سن لیتا ہوں تو نماز میں اختصار کر دیتا ہوں کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ بچے کے رونے سے ماں کو (جو جماعت میں موجود ہوتی ہے) سخت پریشانی ہوگی'' ---[مشکوٰۃ]

اسی طرح بندوں کے حق کی رعایت کرتے ہوئے حضور ﷺ فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی نماز پڑھائے، کیوں کہ ان میں بیمار، کمزور اور بوڑھے ہوتے ہیں اور جب اکیلا نماز پڑھے تو جس قدر چاہے دراز کرے'' ---[مشکوٰۃ]

اس سلسلے کی ایک اور حدیث پاک دیکھیے۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ کی خدمت میں شکایت کی کہ یارسول اللہ! میں فجر کی نماز باجماعت

اس لیے نہیں پڑھ سکتا کہ ہمارے امام صاحب بہت لمبی نماز پڑھاتے ہیں۔ حضرت ابومسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو وعظ میں اس روز سے زیادہ ناراض نہیں دیکھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم میں بعض لوگ نماز سے نفرت دلانے والے ہیں، جو کوئی بھی لوگوں کو نماز پڑھائے، اسے چاہیے کہ مختصر کرے، کیوں کہ ان میں کمزور، بوڑھے اور کام کاج کرنے والے لوگ ہوتے ہیں'' --- [بخاری و مسلم]

ان تمام احادیث میں غور کریں تو واضح ہو گا کہ نماز جو کہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اس میں بھی بندوں کے حق کی رعایت کا اہتمام کیا گیا ہے۔

حقوق العباد کے باعث نماز توڑنا واجب ہے

فقہاء نے جن باتوں کی وجہ سے نماز توڑنا لازم اور ضروری قرار دیا ہے، ان میں تین باتیں یہ ہیں:

۱ کسی مظلوم کی فریاد رسی کے لیے، یعنی اگر کسی شخص پر کوئی ظلم کر رہا ہو اور وہ مظلوم، نمازی سے فریاد کرے تو نمازی پر واجب ہے کہ نماز توڑ کر مظلوم کی فریاد رسی کرے۔

۲ جلتے ہوئے یا ڈوبتے ہوئے کو بچانے کے لیے۔

۳ اندھے کو کنوئیں میں گرنے سے بچانے کے لیے۔

بندہ جب نماز میں ہوتا ہے تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ سے سرگوشی کر رہا ہوتا ہے۔ اس لیے اسے مومن کی معراج بتایا گیا ہے۔ لیکن اس حالت میں نمازی پر لازم ہے کہ کسی پر ظلم ہو تو اس کی فریاد رسی کرنے کے لیے نماز توڑ دے اور کسی کی جان بچانے کے لیے بھی اسے توڑ ڈالے اور بندوں کی مدد میں لگ جائے۔

بنی اسرائیل کے ایک عابد حضرت جریج کا واقعہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ وہ نفلی عبادت میں مصروف تھے کہ ان کی والدہ صاحبہ نے انہیں پکارا، انہوں نے یہ سوچ کر کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوں، جواب نہ دیا۔ والدہ صاحبہ نے ناراض ہو کر ان کو بددعا دی۔ حدیث پاک میں یہ واقعہ طویل آتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ والدہ کی دعا کا اثر ہوا اور والدہ کے منہ سے نکلی ہوئی بددعا کے مطابق انہیں مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جریج فقیہ نہ تھے، ورنہ وہ اپنی ماں کی پکار کا جواب دیتے اور نماز کو ترک کر دیتے۔ یعنی اس وقت والدہ کے حق کی وجہ سے نماز توڑ دینے کو حضور ﷺ نے افضل قرار دیا ہے۔

غرض اس طرح کی بہت مثالیں موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حقوق العباد کو ادا کرنے کا اہتمام زیادہ ضروری ہے، بہ نسبت حقوق اللہ کے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

اھمیت حقوق العباد کی عمومی مثالیں

اعلیٰ درجے کی نیکی حقوق ادا کرنا ھے

سورۃ البقرۃ میں ہے:

''سارا کمال اس میں نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کو کرلو یا مغرب کو، بلکہ اصل کمال یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر، قیامت کے دن، کتابوں اور نبیوں پر یقین رکھے اور وہ مال دیتا ہو، اللہ تعالیٰ کی محبت کی خاطر رشتہ داروں کو، یتیموں کو، مسکینوں کو، مسافروں کو، سوال کرنے والوں کو اور غلاموں کی آزادی میں''---

اس آیت میں ایمان اور عقیدہ کے درست ہونے کے بعد افراد معاشرہ کے مالی حقوق ادا کرنے کو اعلیٰ درجے کی نیکی قرار دیا گیا ہے۔

ابھی حق معاف کرا لیجیے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس مسلمان کے ذمہ کسی مسلمان بھائی کا کوئی حق ہو، اس کی عزت و آبرو کے متعلق یا اور کسی قسم کا، وہ اس سے آج ہی معاف کرا لے، اس وقت سے پہلے کہ نہ اس کے پاس دینار ہوگا، نہ درہم۔ اگر اس کے پاس کوئی عمل صالح ہوگا تو اس ظلم یا کسی اور حق کے برابر اس سے لے کر حق والے کو دے دیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو حق والے کے گناہ لے کر اس پر لاد دیے جائیں گے''---[مشکوٰۃ]

مذکورہ حدیث پاک کی مزید تفصیل درج ذیل حدیث میں ملاحظہ فرمائیں:

قیامت کے دن کا مفلس

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا، ہم میں سے مفلس وہ شخص ہے، جس کے پاس نہ درہم ہو نہ دینار۔ یعنی مال و اسباب نہ ہو، ارشاد فرمایا:

''میری امت میں درحقیقت مفلس وہ شخص ہے، جو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ مقبول نمازیں، روزے، زکوٰۃ اور دیگر عبادتیں اس کے پاس ہوں گی، لیکن صورت حال یہ ہوگی کہ اس نے کس کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کو ناحق قتل کیا ہوگا اور کسی کو بلاوجہ مارا پیٹا ہوگا۔ لہٰذا مظلوم صاحب حق

کو اس کی نیکیوں کا ثواب دے دیا جائے گا اور اس کی تمام نیکیاں ختم ہو جائیں گی، جب کہ ابھی اہل حقوق کے حقوق اس کے ذمہ ہوں گے۔ پھر ان اہل حقوق کے گناہ اس پر لاد دیے جائیں گے اور اس شخص کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا''---[مسلم]

کس قدر گھناؤنا، بھیانک اور عبرت ناک انجام ہے اس شخص کا، جو نیکیوں اور اعمال صالحہ کی بھاری متاع کے باوجود محشر میں اپنی نیکیاں اور زندگی بھر کی کمائی لوگوں میں بٹتی ہوئی دیکھے گا اور پھر دوسروں کا بوجھ بھی اسے اٹھانا ہوگا، انجام کار اسے دوزخ میں جانا پڑے گا۔ یہ ہے وبال حقوق العباد ضائع کرنے کا۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین)

جانوروں سے بھی بدلے دلائے جائیں گے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے دن ہر حق والے کا حق دلوایا جائے گا، یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کو سینگ والی بکری سے بدلہ دلایا جائے گا''---[مسلم]

بعض کتابوں میں یہ ہے کہ جب جانوروں کے حقوق اور ظلم کے بدلے اتارے جا چکے ہوں گے تو ان کو حکم ہوگا کہ سب مٹی ہو جاؤ، لہٰذا تمام جانور مٹی کا ڈھیر بن جائیں گے۔ اس وقت کافر یہ دیکھ کر کہیں گے کہ کاش ہمیں بھی مٹی بنا دیا جاتا تو عذاب جہنم سے بچ جاتے۔

چاند سا چہرہ

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے:

''جو شخص جائز اور حلال دنیا اس لیے کمائے کہ سوال کرنے سے بچا رہے اور اپنے اہل و عیال کے حقوق ادا کر سکے اور اس لیے بھی کہ اپنے پڑوسی کی مدد کر سکے، وہ اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن اس حال میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا''---[بیہقی]

حقوق العباد--- ایک نظر میں

قارئین کی سہولت کے لیے معاشرے کے اہم افراد کے حقوق کا خلاصہ دیا جا رہا ہے تا کہ ہر فرد اس کی روشنی میں اپنا جائزہ لے سکے کہ وہ کس حد تک اپنے متعلقین کے حقوق ادا کر رہا ہے۔

والدین کے حقوق

۱ والدین کو تکلیف نہ پہنچائیں، اگرچہ ان کی طرف سے زیادتی ہو۔

۲ جائز کاموں میں، جہاں تک ممکن ہو، ان کا حکم مانیں۔

۳ اپنے قول وعمل سے ان کی تعظیم کریں۔

۴ اگر ان کو مالی ضرورت ہو تو ان کی خدمت کریں، حتیٰ کہ کافر والدین کی خدمت کرنا بھی ضروری ہے۔

۵ والدین یا ان میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہا کریں اور مالی وبدنی عبادتوں کا ثواب ان کو پہنچائیں۔

۶ والدین کی وجہ سے جو رشتے قائم ہوتے ہیں، جیسے دادا، دادی، نانا، نانی، چچا، تایا، پھوپھی، خالہ اور ماموں وغیرہ، ان کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ یونہی والد کے دوستوں اور ماں کی سہیلیوں کی خدمت اور حسن سلوک پر عمل پیرا ہوں۔

۷ والدین کی قبروں کی زیارت اور ان کے لیے ایصال ثواب کرتے رہیں۔

اولاد کے حقوق

۱ نکاح کے لیے نیک اور دین دار بیوی کا انتخاب کریں تاکہ اولاد کی پرورش و تربیت پاکیزہ اور اسلامی ماحول میں ہو۔

۲ اولاد کی پیدائش پر اظہار مسرت کریں، خصوصاً بچیوں کو عطیۂ الٰہی سمجھیں، اسلامی نام رکھیں اور ممکن ہو تو عقیقہ کریں۔

۳ اولاد کی پرورش اسلامی حکم اور عبادت سمجھ کر کریں اور استطاعت کے مطابق فراخ دلی سے ان پر خرچ کریں۔

۴ اسلامی طریقے کے مطابق اچھی تعلیم دلوائیں، خاص طور پر دینی تعلیم کا اہتمام کریں اور دینی آداب زندگی سے روشناس کرائیں۔

۵ اولاد کے درمیان عدل کریں، اولاد نرینہ اور غیر نرینہ میں امتیاز نہ کریں۔ پرورش، پیار ومحبت اور تقسیم جائداد میں کسی کے ساتھ ترجیحی سلوک نہ کریں۔

۶ کسی فن سے روشناس کرائیں، جو ان کے لیے حلال روزی کا ذریعہ بن سکے۔

۷ نکاح کے قابل ہو جائیں تو ان کے نکاح کا جلد اہتمام کریں۔

رشتہ داروں کے حقوق

۱ قریبی رشتے دار اگر محتاج ہوں تو ان کو بنیادی ضروریات زندگی فراہم کرنا اسلامی ذمہ داری ہے۔ اگر کچھ دور کے رشتے دار ہوں تو اس طرح واجب تو نہیں، لیکن کچھ نہ کچھ خدمت کرنا ضروری ہے۔ غیر رشتہ داروں کی نسبت رشتہ

دار پر خرچ کرنا افضل ہے۔

۲ رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔

۳ رشتہ داروں کے ساتھ تعلق نہ توڑیں، اگر ان سے تکلیف پہنچے تو بھی صبر کرنا افضل ہے۔

۴ مالی خدمت کے علاوہ بھی رشتہ داروں کو کوئی مشکل درپیش ہو تو ان کی حاجت روائی کریں، مگر جائز امور میں نہ کہ خلاف شرع کاموں میں۔

شوہر کے حقوق

۱ اپنے خاوند کی جائز کاموں میں اطاعت کریں، اس کی خدمت میں کمی نہ آنے دیں۔ غیر شرعی کاموں میں اس کا حکم نہ مانیں بلکہ سلیقے کے ساتھ عذر کرلیں۔

۲ بلا اجازت شوہر کا مال خرچ نہ کریں، اگر بنیادی ضروریات زندگی کے لیے خرچ نہ دے تو بقدر ضرورت لے سکتی ہیں۔

۳ شوہر کی گنجائش اور وسعت سے زیادہ کا مطالبہ نہ کریں، خصوصاً حرام کمائی پر آمادہ کرنا یا اخراجات کا اتنا بوجھ ڈال دینا کہ وہ مجبور ہو کر حرام کمائی میں لگ جائے، اس کو ناجائز کاموں پر اکسانا ہے۔

۴ شوہر کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں، خاص طور پر اس کے والدین کے ساتھ ادب و تعظیم سے پیش آئیں تاکہ خاوند کو اس سے راحت حاصل ہو۔

۵ شوہر کے گھر، مال و اسباب کی نگہداشت رکھیں، قیامت کے روز اس کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔

۶ اولاد کی پرورش اور تربیت دینی فریضہ سمجھ کر خوش دلی اور خوش اسلوبی سے کریں، اگر خاوند کی دوسری بیوی سے کوئی اولاد ہو تو ان کا بھی کچھ نہ کچھ حق ہوتا ہے، لہٰذا خوش اخلاقی اور حسن سلوک کا رویہ اپنائیں۔

۷ جن افراد کا گھر میں آنا شوہر کو ناگوار ہو، انہیں مت آنے دیں اور بغیر اجازت، خود بھی گھر سے باہر نہ جائیں۔

بیوی کے حقوق

۱ بیوی کا حق مہر خوش دلی سے ادا کریں۔ یہ قرض کی طرح ہے، جو واجب الادا ہے، سوائے اس کے کہ عورت خود اپنی مرضی سے دست بردار ہو جائے۔ شریعت میں

زیادہ حق مہر کی کوئی حد نہیں۔

۲ بیوی کو اپنی وسعت کے مطابق روٹی، کپڑا، رہائش اور ضروریات زندگی فراہم کریں، اگر بیوی خاوند کے بہن، بھائیوں اور والدین سے الگ رہنا چاہے اور اس کی استطاعت بھی ہو تو یہ اس کا حق ہے۔ خاوند خرچ نہ دے تو عورت عدالت سے رجوع کر سکتی ہے۔

۳ بیوی کی دل جوئی کریں اور حسن سلوک کا مظاہرہ کریں، ظلم وستم، مار پیٹ اور گالی گلوچ سے باز رہیں۔ جائز مطالبات، جہاں تک ممکن ہو، پورے کریں، مگر غیر شرعی امور میں کوئی رعایت نہ دیں۔

۴ بیوی کی ملکیت میں جو جائے داد اور مال و دولت ہو، اس کا مالک شوہر نہیں ہوتا، تاوقتیکہ بیوی خود اس کو مالک بنا دے۔ لہٰذا اس کی ملکیتی اشیاء کو بلا اجازت خرچ نہ کریں۔

۵ بیوی کی دینی اصلاح وتربیت کرتے رہیں اور نیک کاموں میں اس کی مدد کریں، عورتوں کے ضروری دینی مسائل میں اس کی راہنمائی کریں، نماز روزہ کا حکم دیں اور گھر کے دیگر امور کی نسبت ان شرعی تقاضوں کو مقدم سمجھ کر ان کو ادا کرنے کے لیے بیوی کو فرصت مہیا کریں۔

۶ بیوی کے محرم رشتے داروں سے اسے ملنے دیں، بلا عذر شرعی، رکاوٹ نہ ڈالیں۔

۷ خدانخواستہ بیوی بد خلق اور بد مزاج ہو یا اس میں سلیقہ مندی کی کمی ہو اور امور خانہ داری میں نقص ہو تو اسے تحمل اور حوصلہ سے سمجھائیں اور اس کے رویے پر صبر کریں۔

۸ ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان میں عدل کریں۔

پڑوسیوں کے حقوق

۱ پڑوسیوں کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کریں، احسان کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

۲ پڑوسیوں کے اہل وعیال اور مال کو تحفظ فراہم کریں اور ان کی عزت وآبرو کے سلسلے میں انہیں امن وسلامتی مہیا کریں۔

۳ موقع بہ موقع پڑوسی کے گھر میں تحفہ بھیجتے رہا کریں۔ خاص طور پر جب وہ فاقہ زدہ ہوں تو انہیں کچھ نہ کچھ کھانا فراہم کرنا ضروری ہے۔ عام حالات میں نہ بھجوا سکیں تو پھل یا دیگر عمدہ اشیاء پوشیدہ رکھیں تا کہ وہ اور اس کے بچے رنجیدہ نہ ہوں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی لَہٗ

ان کے علاوہ پڑوسیوں کو وہ حقوق بھی حاصل ہیں جو درج ذیل عنوانات کے تحت عام مسلمانوں کو حاصل ہیں۔

عام مسلمانوں کے حقوق

۱ مسلمان بھائی سے غلطی ہو تو اسے معاف کر دیا کریں۔
۲ اس کی عیب پوشی کریں۔
۳ غلطی پر معذرت کرے، تو اس کی معذرت کو قبول کریں۔
۴ مشکل میں ہو تو حتی المقدور اس کی مدد کریں۔
۵ ہمیشہ خیر خواہی کا رویہ اپنائیں۔
۶ بیمار ہو تو اس کی عیادت کریں۔
۷ وفات پا جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کریں۔
۸ اس کی دعوت کو قبول کریں۔
۹ تحفہ دے تو اسے خوش دلی کے ساتھ قبول کریں اور اس کا شکریہ ادا کریں۔ نیز اس کے احسانات کا بدلہ احسان سے دیں۔
۱۰ چھینک لے تو الحمد للہ کے جواب میں یرحمک اللہ کہیں۔
۱۱ اس کی گم شدہ چیز ملے تو اس کو پہنچا دیں۔
۱۲ ملاقات کے وقت اسے سلام کہیں اور اس کے سلام کا جواب دیں۔
۱۳ گفتگو میں اس کے ساتھ نرمی و خوش خلقی اختیار کریں۔
۱۴ اس پر کوئی ظلم کرے تو اسے بچائیں، وہ دوسروں پر ظلم کرے تو اسے ظلم سے باز رکھیں۔
۱۵ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر اس سے محبت و الفت رکھیں۔
۱۶ جو اپنے لیے پسند کریں، وہی کچھ اپنے بھائی کے لیے پسند کریں۔
۱۷ ناراضی ہو جائے تو تین دن سے زیادہ ترک تعلق نہ رکھیں۔
۱۸ مسلمان بھائی کے متعلق بدگمانی نہ کریں۔
۱۹ اس کے ذاتی معاملات کی جاسوسی نہ کریں، سوائے شرعی ضرورت کے۔
۲۰ اس کے ساتھ حسد اور بغض نہ رکھیں۔
۲۱ اس کے سودے پر سودا نہ کریں، سوائے اس کے کہ وہ خود دست بردار ہو جائے۔
۲۲ اسے کسی طرح کا نقصان نہ پہنچائیں، نہ مال و جان کا، نہ عزت و آبرو کا۔

۲۳ مسلمانوں میں باہم جھگڑا ہو جائے تو صلح کرا دیں۔

حقوق معاف کر دینے کی فضیلت

چونکہ ہم سب پر ایک دوسرے کے حقوق عائد ہوتے ہیں اور ہم سے کوتاہی بھی ممکن ہے، اس لیے کوشش یہی ہونی چاہیے کہ دوسروں کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر درگزر سے کام لیں، اگر ہم سخت رویہ اپنالیں تو دوسروں کو بھی یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ بھی ہمارا خیال نہ رکھیں، پھر معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ خوش ہو کر اپنے حقوق معاف فرما دیتا ہے اور اس کے فضل و کرم سے یہ توقع رکھی جا سکتی ہے کہ وہ بندوں کے حقوق کے معاملہ میں بھی ہم سے درگزر فرما کر ہم پر مہربانی فرمائے۔ یوں کہ جن کے حقوق ہمارے ذمہ ہوں، ان کو اپنی طرف سے اجر و ثواب عطا فرما کر ہمارے حقوق معاف کر دینے پر آمادہ فرمالے تو اس کی صفت رحیم و غفور سے کیا بعید ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

وَ لْیَعْفُوْا وَ لْیَصْفَحُوْا اَلا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ---

''اور چاہیے کہ لوگ معاف کر دیا کریں اور درگزر سے کام لیں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرما دے''---

نیز یہ حدیث پاک پڑھیے:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ یکا یک ہنس پڑے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دانت مبارک نظر آنے لگے۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کی، اے اللہ کے رسول، آپ پر میرے ماں باپ قربان، آپ کس بات پر ہنس رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

میں نے دیکھا ہے کہ میری امت کے دو آدمی رب العزت کے سامنے دو زانو بیٹھے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا، میرے رب! میرے بھائی سے میرا حق دلوایئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تم اپنے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہو؟ اس کے پاس تو اب کوئی نیکی باقی نہیں بچی۔ وہ شخص بولا، اے میرے پروردگار! اگر اس کے پاس کوئی نیکی نہیں رہی، تو وہ میرے گناہوں کا بوجھ اٹھائے۔ (یہ کہتے ہوئے) آپ ﷺ رونے لگے اور آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے اور فرمایا، وہ دن بہت ہی سخت ہوگا، لوگ اس کے بھی محتاج ہوں گے کہ کسی طرح ان کے گناہ ہی ہٹا لیے جائیں۔ پھر فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مانگنے والے سے کہا، ذرا اپنی نگاہ اوپر اٹھاؤ اور دیکھو، اس نے اوپر دیکھا، تو بولا، سونے کے شہر اور سونے کے محل ہیں، جو موتیوں سے مرصع ہیں، یہ کس نبی کے لیے ہیں؟ کس صدیق کے لیے ہیں؟ کس شہید کے لیے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو اس کی قیمت

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی لَہٗ

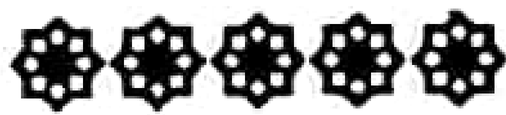
ادا کرے گا (اس کے لیے)۔ وہ بولا، میرے رب! اس کی قیمت بھلا کون ادا کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تو دے سکتا ہے۔ اس نے پوچھا، وہ کیسے؟ فرمایا، اپنے بھائی کو معاف کر کے۔ وہ بولا، میرے رب! میں نے اس کو معاف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ لے اور اسے جنت میں لے جا۔ پھر اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اپنے درمیان صلح صفائی رکھو کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے درمیان صلح صفائی کراتا ہے---[بیہقی]

گزشتہ صفحات میں آپ نے حقوق العباد کی اہمیت اور ان سے غفلت کے انجام کا اندازہ کیا ہو گا، اگر آپ کو اس معاملے کی شدت کا احساس پیدا ہو جائے تو ان کی انجام دہی کے لیے کمربستہ ہو جائیں۔ ہماری اس سوچ میں کوئی وزن نہیں کہ موجودہ دور کی خود غرض اور مادی زندگی میں حقوق العباد ادا کرنا مشکل کام ہے، بھلائی کے لیے صرف عزم مصمم کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ابھی سے اور آج ہی پختہ ارادہ کر لیں تو سب رکاوٹیں پاش پاش ہو جائیں گی۔ یہ خیال کہ بھلائی کے بدلے میں تو بھلائی کریں، لیکن برائی کا بدلہ برائی سے دیں، محض تاجرانہ سوچ ہے۔ برائی کو برائی سے ختم نہیں کیا جا سکتا، برائی کو ختم کرنے کی قوت صرف خیر میں پوشیدہ ہے۔

بندوں کے حقوق ادا کرنے کے لیے اپنے اندر احساس پیدا کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ خود کو دوسروں کی جگہ پر تصور کریں اور دوسروں کو اپنی جگہ پر، مثلاً اولاد کو چاہیے کہ دیکھ لے، جیسا سلوک وہ اپنے ماں باپ سے کر رہی ہے، اگر وہ ماں باپ کی جگہ پر ہو تو کیا وہ اس سلوک سے مطمئن ہو گی۔ اسی طرح تاجر دیکھ لے کہ اگر وہ گاہک کی جگہ پر ہو اور اسے کم تول کر دیا جائے یا اس کے ساتھ فریب اور دھوکہ ہو تو اسے کس قدر تکلیف ہو گی؟ حکمران عوام کے ساتھ وہی سلوک کریں، جو وہ خود بطور عام آدمی کے اپنے لیے پسند کریں۔ رسول اقدس ﷺ کی یہ حدیث پاک ہمیشہ پیشِ نظر رہنی چاہیے، آپ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ نہ پسند کرے، جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنے حقوق کو پہچانیں اور ان کو ادا کرنے کا پکا ارادہ کر لیں۔ اللہ تعالیٰ اس تحریر کے وسیلہ سے ہماری غلطیوں کو معاف فرمائے اور عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین



پہلی قسط

شوہر پر بیوی کے حقوق

مفتی محمد رفیق حسنی

جیسا کہ گزشتہ ماہ کے مضمون ''بیوی پر شوہر کے حقوق'' سے معلوم ہو چکا کہ شریعت میں بیوی پر شوہر کے لیے صرف ایک چیز واجب ہے کہ جب بیوی حیض ونفاس سے پاک اور احرام کی حالت میں نہ ہو اور ظہار کے کفارہ ادا کرنے سے پہلے کی حالت میں نہ ہو تو مرد کو اپنے جسم سے نفع اٹھانے سے نہ روکے، کیوں کہ قضاء شہوت میں بیوی پر شوہر کی اطاعت شرعی واجب ہے۔ جنسی افعال کی اطاعت مخصوصہ کے علاوہ دیگر امور میں شوہر کی اطاعت شرعی واجب نہیں بلکہ اخلاقاً واجب ہے، اس لیے شرعی عدالت بیوی کے خلاف شوہر کے دوسرے کاموں سے انکار کی صورت میں حکم نہیں کرسکتی۔ مثلاً شوہر بیوی کے گھر سے باہر کے کام کرے اور بیوی شوہر کے گھر کے اندر کے کام کرے۔ جس طرح حضور ﷺ نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لیے کام تقسیم کر دیے تھے۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سے باہر کے اعمال حضرت علی رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے اور حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھر کے اندر کے اعمال حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذمہ مقرر فرمائے تھے۔

● نکاح ہو جانے کے بعد رخصتی اور شوہر کے گھر منتقل ہونے سے پہلے اگر منکوحہ

شوہر سے اپنے جسم کے منافع نہ روکے اور رخصتی سے انکار نہ کرے تو بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہو جاتا ہے اور رخصتی اور شوہر کے گھر منتقل ہونے کے بعد بیوی (صغیرہ ہو یا کبیرہ، مسلمہ ہو یا کتابیہ) کے لیے شوہر پر تین چیزیں شرعاً واجب ہو جاتی ہیں:

۱......طعام ۲......کپڑے ۳......سکنیٰ (رہائش دینا)

کیوں کہ بیوی پر شوہر کے لیے شوہر کے گھر میں رہنا واجب ہے اور یہ ضابطہ ہے کہ جو شخص کسی غیر کے لیے محبوس ہو تو اس کا نفقہ اور سکنیٰ اس پر واجب ہوتا ہے۔ جیسے مفتی، قاضی اور مجاہدین کا نفقہ اور جملہ ضروری اخراجات مسلمانوں کے بیت المال سے ادا کرنا واجب ہوتا ہے، کیوں کہ یہ حضرات عوام کے لیے محبوس ہوتے ہیں، خود کاروبار نہیں کر سکتے۔ یہی حکم مدارس دینیہ اور دینی تنظیمات کے ناظمین کے لیے ہے۔ مدرسوں کے ناظمین کے جملہ اخراجات مدرسہ کے بیت المال سے ادا کیے جائیں گے۔

● چوں کہ شوہر کے حق احتباس کی وجہ سے بیوی کے لیے ممنوع ہے کہ شوہر کے گھر سے بلا اذنِ شوہر خارج ہو، خواہ مزدوری کرے یا کاروبار کرے، اس لیے شوہر پر مذکورہ تینوں چیزیں واجب ہیں۔ سورۃ الطلاق میں ہے:

﴿اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ﴾---[الطلاق:۶]

''بیویوں کو اس جگہ رہائش دو، جس جگہ تمہاری رہائش ہو، اپنی حیثیت کے مطابق''---

دوسری آیت میں ہے:

﴿وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ﴾---[الطلاق:۶]

''بیویوں کو ضرر نہ پہنچاؤ، تا کہ تم ان پر تنگی کرو''---

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾---[الطلاق:۶]

''اور اگر (تمہاری) بیویاں حمل والی ہیں، پس ان پر خرچ کرو، حتیٰ کہ وہ اپنے حمل کو وضع کریں اور اتاریں''---

اور فرمایا:

﴿وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾---[البقرہ:۲۳۳]

''اور مولود لہٗ یعنی جس شخص کے لیے بچے کی ولادت ہوئی (یعنی شوہروں پر) بیویوں کا رزق اور لباس عرف کے مطابق واجب ہے''---

پھر فرمایا:

﴿لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُهٗ فَلْیُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ﴾---[الطلاق:۷]

''ضرور خرچ کریں اپنی وسعت سے وسعت والے (مال دار) اور وہ شخص جس کا رزق تنگ کیا گیا ہے پس وہ ضرور خرچ کرے اس مال سے جو اس کو اللہ تعالیٰ نے دیا''---

- حدیث شریف میں ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا:

''عورت کا شوہر پر کیا حق ہے؟''---

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب شوہر کھانا کھائے، بیوی کو بھی کھانا کھلائے اور جب کپڑے پہنے تو اس کو بھی کپڑے پہنائے''---

شوہر پر شرعاً بیوی کے تین حق واجب ہیں:

۱...... ماکولات و مشروبات، یعنی بیوی کے کھانے اور پینے کی اشیاء شوہر کو فراہم کرنا واجب ہے۔

۲...... ملبوسات، سردیوں اور گرمیوں کے لباس

۳...... رہائش کے لیے مکان

حقوق کے معاملہ میں خلاصہ یہ ہے کہ بیوی پر صرف ایک فرض ہے کہ شوہر کے گھر منتقل ہو کر اپنے جسم کے منافع شوہر کو تسلیم کر دے یا بیوی اپنے گھر میں شوہر کو اپنے جسم سے نفع اٹھانے کی قدرت دے دے، لیکن شوہر پر بیوی کے غناء یا فقر کی حالت کی مناسبت سے ہر وہ چیز واجب ہے جو بیوی کو کفایت کرے۔ ماکولات اور مشروبات یعنی عرف کے مطابق کھانے پینے کی تیار اشیاء اور ملبوسات اور مفروشات، پہننے اور سونے کے لیے ضرورت کے مطابق کپڑے اور بستر ے اور برتن اور ایسا گھر اور کمرہ جس میں شوہر کے عزیز اور رشتہ دار قیام پذیر نہ ہوں، یہ سب چیزیں شوہر کو فراہم کرنا واجب ہے۔

- اور ہر وہ چیز جو بیوی کی ذاتی ملکیت ہے اور والدین یا دوستوں اور رشتہ داروں

سے بیوی کو وصول ہوئی، بیوی پر واجب نہیں کہ وہ شوہر کے گھر استعمال کرے، مثلاً بیوی کے ذاتی کپڑے ہوں یا برتن یا فرنیچر، فرج، ٹی وی، جوسر مشین اور دیگر ذاتی اشیاء۔ بیوی اپنی اشیاء کو شوہر کے گھر میں استعمال کرنے میں مختار ہے، اس پر جبر نہیں ہوسکتا۔ چاہے تو وہ اسٹور میں رکھے یا فروخت کردے اور چاہے تو شوہر کے گھر میں استعمال کی اجازت دے دے۔ شامی باب النفقۃ میں بحرالرائق سے منقول ہے:

''اور خلاصہ یہ ہے کہ بیوی پر کوئی چیز واجب نہیں سوائے اس کے کہ وہ اپنا نفس شوہر کے گھر میں شوہر کو تسلیم کردے اور شوہر پر واجب ہے کہ بیوی کی حیثیت کے مطابق ہر وہ چیز فراہم کرے جو بیوی کی ضرورتوں کے لیے کافی ہو، کھانے اور پینے اور لباس اور بچھونے سے اور بیوی پر لازم نہیں کہ وہ اپنا ذاتی مال اور سامان شوہر کے گھر استعمال کرے اور بیوی کو لازم نہیں کہ وہ اپنے ذاتی بستر ے اور پلنگ استعمال کرے۔ اگر بیوی کے اپنے ذاتی بستر ے اور سامان وغیرہ موجود ہیں تو بھی شوہر سے ان اشیاء کا فراہم کرنا ساقط نہیں ہے بلکہ اس پر واجب باقی ہے اور ہم نے دیکھا اس شخص کو جو اپنی بیوی پر حکم چلاتا ہے کہ اپنا ذاتی سامان شوہر کو اس کے لیے اور اس کے مہمانوں کے لیے استعمال کرنے دے اور وہ بیوی کو مجبور کرتا ہے حالاں کہ یہ اس شوہر کے لیے حرام ہے جس طرح بیوی کے کپڑے اس کو استعمال کرنے ممنوع ہیں''---

یعنی بیوی کے ذاتی اشیاء سے شوہر کو اس کی اجازت کے بغیر نفع اٹھانا اور استعمال کرنا حرام ہے، اسی طرح بیوی کو مجبور کرنا کہ شوہر کو اپنا مال استعمال کرنے دے، حرام ہے۔ نیز بیوی کی اپنی ذاتی ملکیت کی اشیاء کے باوجود شوہر پر بیوی کے لیے ماکولات اور مشروبات اور ملبوسات فراہم کرنا واجب ہے بلکہ اگر مقرر شدہ مقدار اور تعیین شدہ نفقہ سے بیوی بچت کرتی رہے تو بچت سے جمع ہونے والے مال سمیت شوہر کو حسب تقدیر اور تعیین نفقہ دیتے رہنا واجب ہے۔ بچت بیوی کی ذاتی ملکیت ہوتی ہے۔

- البتہ اگر رخصتی سے پہلے لڑکی والوں کو شوہر کچھ رقم دے دے کہ اس رقم سے میرے گھر کے لیے یا میرے لیے سامان خرید کرلو (اس ایڈوانس رقم، فارسی عرف میں دست پیان کہتے ہیں) تاکہ لوگوں میں لڑکی والوں کی عظمت اور وقار قائم رہے، اس رقم سے جو سامان خریدا جائے، وہ سامان شوہر کا ہوگا، اس لیے شوہر کو اس سامان سے بیوی کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا جائز ہے۔
- اور اگر لڑکی والے شوہر سے رقم لے کر سامان نہ خریدیں تو شوہر اس رقم کی واپسی

کا مطالبہ بھی کرسکتا ہے۔

● مجھے یہ جان کر تعجب ہوا کہ بعض بڑے بڑے مشائخ اور علماء اور سرمایہ دار اپنی لڑکی کی رخصتی سے پہلے شوہر سے بھاری رقم پیشگی لے لیتے ہیں اور لڑکی کے جہیز کے نام پر قیمتی زیورات اور دیگر اشیاء خرید لیتے ہیں اور متعدد ٹرک سامان لڑکی کے جہیز میں دے دیتے ہیں اور ظاہر یہ کرتے ہیں کہ لڑکی والوں نے اپنی بیٹی کو بھاری جہیز دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی ریا کاری، منافقت اور خسیس اور رذیل اعمال سے پناہ عطا فرمائے۔ مگر ایسی صورت میں اگر شوہر نے پیشگی رقم اس شرط کے ساتھ دی تھی کہ اس اس کا سامان خرید کر واپس میرے گھر بھیج دیا جائے تو وہ سامان شوہر کا ہوگا اور اگر شوہر نے بطور تعاون رقم فراہم کی تھی، جس طرح فقیر لوگ اپنی لڑکی کی رخصتی پر کچھ رقم شوہر سے پیشگی لے لیتے ہیں تا کہ اپنی بیٹی کی رخصتی کرسکیں تو اس رقم سے جو سامان خریدا گیا اور جہیز میں دیا گیا وہ لڑکی کا ہے اس سے شوہر کا کوئی تعلق نہیں، کیوں کہ بطور ہدیہ دی گئی رقم قبضہ کے بعد بیوی کی ملکیت ہوتی ہے۔

● چوں کہ عورت کا بیوی ہونا نکاح ہوجانے پر ثابت ہوجاتا ہے اس لیے نکاح ہوجانے کے بعد اگر چہ رخصتی نہ ہو، شوہر پر طعام اور کسوہ (کپڑے) اور سکنیٰ (مکان) واجب ہو جاتے ہیں۔ بشرطیکہ بیوی کی طرف سے جسم سے نفع اٹھانے کی کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ شوہر پر اپنی اور بیوی کی مالی حیثیت اور پوزیشن کے مطابق بیوی کا طعام اور کپڑے اور مکان فراہم کرنا واجب ہوتا ہے۔ اگر میاں بیوی دونوں مال دار ہیں تو بیوی کے ذاتی اخراجات کے علاوہ بیوی کی ضرورت کے مطابق ایک یا متعدد نوکر فراہم کرنا بھی شوہر پر واجب ہوں گے، جو کہ بیوی کے داخلی اور خارجی کام کریں گے۔ مثلاً بیوی ہونے والی لڑکی اگر کسی حاکم یا اعلیٰ افسر یا کسی مل مالک یا سرمایہ دار کی بیٹی ہے اور والدین کے گھر میں کھانا بنانے اور گھر کی صفائی کرنے کی اس کی عادت نہیں تھی تو ایسی بیوی کے لیے اس کی حیثیت کے مطابق متعدد نوکر اور نوکرانیاں، باورچی، ڈرائیور، گھر کی صفائی کرنے والا، کپڑے صاف کرنے والا دھوبی اور استری کرنے والا فراہم کرنا واجب ہوگا اور اگر زوجین متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں تو ان کی مالی حیثیت کے مطابق شوہر پر طعام اور کپڑوں کا انتظام کرنا واجب ہے اور اگر زوجین نہایت فقیر لوگ ہیں تو شوہر پر فقیروں کی حیثیت کے مطابق خوراک اور کپڑوں کا بندوبست کرنا ضروری ہے۔

متوسط اور غریب زوجین کے گھروں میں اگر بیوی مریضہ نہیں ہے تو بیوی کو اپنا کھانا خود پکانا

اور تیار کرنا ہوگا اور گھر کے کام اخلاقاً خود کرنا واجب ہوں گے اور اگر شوہر مال دار ہو اور بیوی فقیر ہو یا بیوی مال دار ہو اور شوہر فقیر ہو تو درمیانے قسم کا طعام اور کپڑے شوہر پر واجب ہوں گے یعنی یسار سے کم اور اعسار سے زائد ہونے چاہیں۔ طعام اور کپڑوں میں اپنی قوم کے عرف اور رواج کو دخل ہوتا ہے۔ علامہ شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''نفقۂ زوجہ میں خوش حالی اور تنگ دستی کی کوئی جامع تعریف نہیں کی گئی، شاید اس کی وجہ عرف اور رواج پر اعتماد کرنا ہے''---

بحرالرائق میں ہے:

''اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر زوجین دونوں غنی ہوں تو شوہر پر غنیوں والا نفقہ واجب ہوگا اور اگر دونوں فقیر ہوں تو فقیروں والا نفقہ واجب ہوگا اور اگر شوہر غنی ہو اور بیوی فقیر ہو یا بیوی غنی ہو اور شوہر فقیر ہو تو ظاہر الروایت کے مطابق شوہر کے حال کا اعتبار ہوگا لیکن مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ ان دو مسئلوں میں نفقہ الوسط واجب ہوگا یعنی یسار اور غنی سے کم اور فقر اور تنگ دستی سے زیادہ''---

شامی میں ہے:

ذَالِکَ یَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْاَمَاکِنِ حَرًّا وَ بَرْدًا وَ الْعَادَاتِ---

''نفقہ گرمی اور سردی میں مختلف جگہوں اور عادات کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے''---

فائدہ

ذکر کی گئی بحث اور اخراجات کی تفصیل، وجوب اور عدم وجوب کے حوالہ سے ہے، ورنہ احسان اور تبرع کے حوالہ سے حدیث شریف میں ہے کہ شوہر جو لقمہ بیوی کے منہ میں دیتا ہے وہ بھی صدقہ ہے، لہٰذا بیوی کے جملہ اخراجات اور مطالبات کا پورا کرنا، بیوی کے ساتھ احسان اور صلہ رحمی ہے اور اس کے دو اجر ملیں گے، ایک صدقہ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔ اگر یہی احسانات کسی اجنبی کے ساتھ کیے جائیں تو صرف ایک اجر ملے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:

''اگر بیوی اپنے حقوق ساقط کر دے تو اس کو بھی دوگنا اجر ملے گا''---

لہٰذا درج بالا تفصیل اس وقت ہے جب میاں بیوی ایک دوسرے پر احسان نہ کرنا چاہیں ورنہ توسع اور احسان کا باب بہت وسیع ہے اور اسی میں محبت کا قائم ہونا مضمر ہے۔

● بیوی کے لیے صاف اور ستھرا رہنا اور جسم کو معطر رکھنا ضروری ہے تاکہ شوہر کے لیے کشش کا باعث ہو اور شوہر بیوی میں رغبت کرے، نفرت نہ کرے۔ اس لیے بیوی کے صاف ستھرا اور معطر رہنے کے لیے صابن اور شیمپو اور معطر کریمیں اور پرفیوم اور زیور کا شوہر کے لیے انتظام کرنا ضروری ہے، اسی طرح کنگھا، ٹوتھ برش، ٹوتھ کریم یا پاؤڈر وغیرہ کا انتظام کرنا شوہر پر واجب ہے۔

● بیوی کے علاج کا حکم ہر قوم کے عرف پر ہوگا، قدیم زمانہ میں عرف یہ تھا کہ بیوی کا علاج شوہر کی ذمہ داری نہیں تھی لیکن موجودہ دور میں شوہر کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے، اس لیے بیوی کا علاج بھی شوہر پر واجب ہوگا [عامہ کتب] فروٹ اگرچہ نفقہ میں داخل نہیں ہیں لیکن کبھی کبھی انتظام کرنا چاہیے، مگر سگریٹ یا قہوہ وغیرہ شوہر پر واجب نہیں ہے۔ [شامی]

● اگر بیوی اشراف سے ہے، والدین کے گھر میں سالن اور کھانا نہیں بناتی تھی یا بیماری کی وجہ سے روٹی اور سالن نہیں پکا سکتی تو شوہر پر واجب ہے کہ بیوی کو روٹی اور سالن بنانے والا خادم فراہم کرے یا پھر تیار سالن اور روٹی فراہم کرے اور اگر بیوی اپنا سالن اور روٹی پکا سکتی ہے، مریضہ نہیں اور بنات اشراف سے نہیں ہے تو شوہر پر تیار سالن اور روٹی فراہم کرنا واجب نہیں ہے بلکہ صرف خورد و نوش کی اشیاء فراہم کرنا واجب ہے اور بیوی اپنے کھانے کا خود اہتمام کرے گی۔ لیکن بیوی کا اپنے کھانے اور پینے کے اعمال خود کرنا بھی بیوی پر اخلاقاً واجب ہے، شرعاً واجب نہیں۔ لہٰذا غیر اشراف کی بیٹی اخلاقی واجب امور اور اعمال کی اجرت نہیں لے سکتی اور شرعاً واجب نہ ہونے کی وجہ سے قاضی بیوی پر مذکورہ اعمال کے واجب ہونے کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ البتہ بیوی کے لیے شوہر پر طعام تیار کرنے کے آلات فراہم کرنا شرعاً واجب ہیں تاکہ اپنا کھانا بنا سکے۔

فائدہ

یاد رہے کہ شرعی وجوب وہ ہوتا ہے جس کے مطالبہ پر قاضی فیصلہ کر سکتا ہے اور اخلاقی وجوب کے فیصلہ پر قاضی کو اختیار نہیں۔ لہٰذا بیوی پر شرعاً اور قضاءً اپنے اور شوہر کے کھانے اور پینے کی اشیاء کا تیار کرنا حتیٰ کہ اپنے کپڑے دھونا بھی واجب نہیں بلکہ اخلاقاً اور دیانۃً واجب ہیں۔ بلکہ قضاءً و شرعاً تو شوہر پر واجب ہے کہ بیوی کو تیار کھانا اور صاف کپڑے فراہم کرے اور شوہر اور بچوں کے رشتہ دار دیگر افراد مثلاً شوہر کے والدین اور عزیزوں کا کھانا تیار کرنا اور ان کے کپڑے دھونا اور استری کرنا اور گھر کا جھاڑو دینا، باتھ روم صاف کرنا اور شوہر کے مہمانوں کا کھانا تیار کرنا، بچوں کے نجاست آلود کپڑے دھونا بیوی پر نہ دیانۃً واجب اور نہ شرعاً واجب ہیں۔ اگر بیوی شوہر اور اس کے

بچوں اور رشتہ داروں اور مہمانوں کے لیے کھانا تیار کرے یا کپڑے دھوئے تو بیوی کا شوہر پر عظیم احسان ہے۔ شوہر ان کاموں کے لیے بیوی کو مجبور نہیں کر سکتا لیکن افسوس یہ ہے کہ موجودہ جہالت کے دور میں بیوی پر شوہر کے کپڑے صاف کرنے اور استری کرنے اور کھانا اور چائے تیار کرنے، بوٹ پالش کرنے اور شوہر کے والد اور والدہ کی جملہ خدمت کے افعال بلکہ دیوروں کے کام اور گھر کی صفائی حتیٰ کہ باتھ روموں کی صفائی اور مہمانوں کے جملہ کام بیوی کے فرائض سے سمجھے جاتے ہیں اور اگر بیوی یہ کام نہ کرے تو معاملہ زدوکوب تک جا پہنچتا ہے اور بعض دفعہ طلاق تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ بیوی بے چاری جو اجنبی گھر میں صرف شوہر کی جنسی خواہش پوری کرنے اور اس کی خوشیوں میں اپنی خوشیاں حاصل کرنے کے لیے آئی تھی، اس کی زندگی عذاب بنا دی جاتی ہے، خصوصاً ساس اور سسر بہو کے لیے عذاب بنے رہتے ہیں۔ جاہل سسر اور ساس کو اتنا علم بھی نہیں ہوتا کہ بیوی کے کھانے، پینے اور کپڑوں کے حوالہ سے سارے کام شوہر پر واجب ہیں، خود بیوی پر اپنی ذات سے متعلق کام بھی واجب نہیں تو شوہر اور اس کے والدین کے کام بیوی پر کیوں واجب ہوں گے۔ قاضی خان میں ہے:

وَ لَیْسَ عَلَیْهَا اَنْ تَعْمَلَ بِیَدِهَا شَیْئًا لِزَوْجِهَا مِنَ الْخُبْزِ وَ الطَّبْخِ وَ کَنْسِ الْبَیْتِ وَ غَیْرِ ذَالِکَ---

''بیوی پر قضاءً واجب نہیں کہ شوہر کا کوئی کام کرے، روٹی اور سالن پکائے اور گھر کی صفائی وغیرہ کرے''---

اس لیے کتب فقہ میں مذکور ہے کہ اگر بیوی اپنا کھانا تیار کرنے اور کپڑے دھونے سے انکار کر دے تو اس کو یہ حق حاصل ہے اور شوہر بیوی پر جبر نہیں کر سکتا بلکہ شوہر پر بیوی کے لیے تیار کھانا اور صاف کپڑے فراہم کرنا واجب ہے، لہٰذا ان اعمال کی وجہ سے بیوی پر جبر اور ملامت ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ جہالت سے پناہ عطا فرمائے۔ اگر بیوی شوہر کے ساتھ سفر پر ہے اور شوہر کی وجہ سے سفر کر رہی ہے تو سفر کے اخراجات بھی شوہر پر واجب ہیں اور اگر بیوی اپنے کام سے سفر کر رہی ہے تو سفر کے اخراجات بھی شوہر پر واجب نہیں ہیں۔

- شوہر پر جس طرح بیوی کے کھانے اور پینے کا انتظام کرنا اور لباس دینا واجب ہے، اسی طرح بیوی کے لیے مکان یا کمرہ میں رہائش فراہم کرنا واجب ہے، جس میں باتھ روم اور کچن کی سہولت موجود ہو اور وہ مکان شوہر کے والدین اور دیگر رشتہ داروں سے خالی ہو اور خود بیوی کے

رشتہ داروں سے بھی خالی ہو۔ اگر بیوی اپنی سوکن کے ساتھ یا شوہر کی ماں اور بہنوں کے ساتھ ایک کمرہ میں رہنے سے انکار کرتی ہے تو اس کو یہ حق حاصل ہے، لہٰذا شوہر پر واجب ہے کہ ایسا کمرہ بیوی کی رہائش کے لیے فراہم کرے جس کا گیٹ الگ ہو اور بیوی اس کو تالا لگا سکے کیوں کہ بیوی کے سامان اور بیوی کے ساتھ شوہر کا بے تکلفی سے انتفاع کے لیے علیحدہ کمرے میں ہونا ضروری ہے اور مکان میں سونے کے لیے حسب عادت اور حسب حیثیت بستر اور چارپائی یا پلنگ اور تکیے وغیرہ بھی شوہر پر فراہم کرنا واجب ہے۔

لیکن اگر بیوی ناشزہ ہے، یعنی شوہر کو اپنے جسم سے ازدواجی منافع نہیں اٹھانے دیتی تو اس کا نفقہ اور اخراجات شوہر پر واجب نہیں ہیں۔ ناشزہ اس بیوی کو کہا جاتا ہے جو شوہر کے گھر سے بغیر حق چلی جائے اور کسی دوسری جگہ قیام پذیر رہے اور شوہر کو اپنے جسم سے نفع حاصل کرنے کی قدرت نہ دے۔ ایسی بیوی کے اخراجات شوہر پر واجب نہیں ہوتے اور اس کو ناشزہ کہتے ہیں اور اگر بیوی شوہر کے مکان میں رہائش پذیر ہے لیکن شوہر کو اپنے جسم سے نفع حاصل کرنے کی قدرت نہیں دیتی تو وہ بیوی ناشزہ نہیں ہے، اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے کیوں کہ جبراً وطی کرنا شوہر کے لیے ممکن ہے اور اگر شوہر کا مکان ناجائز اور غصب شدہ ہے، بیوی شوہر کے مکان میں رہائش حرام سے بچنے کے لیے ترک کرتی ہے اور چلی جاتی ہے تو بھی وہ نفقہ کی مستحق ہوگی اور اگر مکان میں حرام کا شبہہ ہے جیسے حکومت کی جانب سے مکان ہوتا ہے تو بیوی ایسے مکان سے چلے جانے پر نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی کیوں کہ ہمارے زمانہ میں شبہات سے احتراز مشکل ہے اور اگر شوہر کا مکان بے دین لوگوں کے شہر یا محلّہ میں ہے اور بیوی کو وہاں رہنے سے دین کے فساد کا خطرہ ہے تو بیوی دوسری جگہ رہنے کے باوجود نفقہ کی مستحق ہوگی کیوں کہ بیوی کا خروج حق کی وجہ سے ہے۔ مثلاً اہل محلّہ کی اکثریت شیعہ ہے یا مرزائی، اگر بیوی وہاں نہ رہے، اہل سنت کے محلّہ میں رہے تو دوسری جگہ رہنے کے باوجود نفقہ کی مستحق ہوگی۔ علامہ شامی نے دروز ملحدین کی آبادی کو دارالحرب کی شبیہ قرار دیا ہے، جس سے ہجرت واجب ہے۔ [باب النفقہ]

● اگر بیوی شوہر کے ساتھ ایسے سفر پر جانے سے انکار کرتی ہے جس میں اس کی عفت کو خطرہ ہے یا شوہر کے کہنے پر اجنبی آدمی کے ساتھ سفر کرنے سے انکار کر دیتی ہے تو بھی نفقہ کی مستحق ہوگی۔ اگر بیوی مرتد ہو جائے یا شوہر کے بیٹے کا شہوت سے بوسہ لے لے یا مباشرت کر لے یا بیوی نکاح فاسد کے ساتھ منکوحہ ہو یا بیوی موت کی عدت میں ہو یا نکاح فاسد کی عدت

میں ہو، نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی۔

- اگر بیوی صرف رات کے لیے شوہر کو اپنا جسم تسلیم کرتی ہے اور شوہر کی اجازت کے بغیر دن کو ملازمت کرتی ہے، دفتروں میں کام کی وجہ سے یا ٹیچر ہونے یا ائرہوسٹس ہونے یا نرس ہونے یا ڈاکٹر ہونے کی وجہ سے دن بھر گھر سے باہر رہتی ہے تو وہ نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی۔ کیوں کہ تسلیم ناقص ہونے کی وجہ سے مذکورہ بیویاں ناشزہ کے حکم میں ہیں۔[شامی، بات النفقہ]
- بیوی اگر کسی ذاتی جرم کی وجہ سے جیل میں محبوس ہے یا اغوا کر لی گئی ہے یا رخصتی سے پہلے ایسی مریضہ ہے کہ رخصتی سے انکار کرتی ہے اور اس کے ساتھ وطی ممکن نہیں تو وہ نفقہ کی مستحق نہیں ہے اور اگر مریضہ ہے لیکن رخصتی کے لیے تیار ہے اگر چہ اس کے ساتھ وطی نہیں ہوسکتی تو وہ نفقہ کی مستحق ہے، چاہے وہ والدین کے گھر پر رہے۔ اسی طرح حج فرض پر جانے والی بیوی اگر شوہر کے ساتھ نہیں ہے تو نفقہ کی مستحق نہیں ہے، یہی حکم عمرہ اور نفلی حجوں کا ہے۔

عزیزوں اور رشتہ داروں سے ملاقات کے احکام

- شوہر کو یہ حق حاصل نہیں کہ بیوی کے والدین کو بیٹی کی ملاقات کے لیے بیوی کے کمرہ میں داخل ہونے سے روکے۔ ہفتہ میں ایک دفعہ بیوی کے والدین کو اور ہر ماہ دیگر محرم رشتہ داروں کو بیوی کے کمرہ میں ملاقات کرنے اور آنے سے روکنا منع ہے۔ البتہ شوہر بیوی کے کمرہ میں بیوی کے رشتہ داروں کی رہائش اور قیام پر پابندی لگا سکتا ہے۔
- اسی طرح اگر بیوی ہفتہ میں ایک مرتبہ والدین کی زیارت کے لیے اور ہر ماہ دیگر محرم رشتہ داروں کی ملاقات کے لیے والدین اور رشتہ داروں کے گھر جانا چاہتی ہے تو شوہر کو منع نہیں کرنا چاہیے۔[درمختار مع الشامی]
- نیز شوہر بیوی کو اپنے والدین اور بیوی کے سابق شوہر سے ہونے والے بچوں اور دیگر محرم عزیزوں سے کلام کرنے اور ایک دوسرے کو دیکھنے سے منع نہیں کر سکتا۔ یہ لوگ جب چاہیں آپس میں فون پر اور دیگر ذرائع سے گفتگو کر سکتے ہیں۔
- اگر بیوی ملازمت کرتی ہے یا تجارت کرتی ہے، قابلہ (بچوں کی ولادت کا پیشہ کرتی) ہے یا اموات کو غسل دیتی ہے یا ڈاکٹر ہے یا ٹیچر ہے یا نرس ہے تو شوہر کے لیے ایسی بیوی کو گھر سے خروج پر منع کرنے کا حق حاصل نہیں بشرطیکہ ہمیشہ رات دن باہر نہ رہے ورنہ نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی، جیسے آپ پڑھ چکے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ان اعمال کے لیے بیوی شوہر سے اجازت

حاصل کرے، ورنہ بغیر اجازت جانا بھی جائز ہے۔

اور حج فرض کے لیے بھی جب محرم کے ساتھ جانا میسر ہو بغیر اذن جا سکتی ہے، لیکن اجنبی مردوں کی ملاقات یا دعوتوں میں جہاں اجنبی مرد ہوں بیوی کو جانے سے شوہر منع کر سکتا ہے۔ قاضی خان میں ہے کہ شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ بیوی کو ایسے عمل سے منع کرے جس کی وجہ سے شوہر کے لیے عار ہو، جیسے جولاہے کا کام، جھاڑو، پوچا وغیرہ وغیرہ۔

بیوی کو مارنے کا حکم

- چار چیزوں پر شوہر کا بیوی کو مارنا جائز ہے:

۱ ترکِ زینت پر، جب شوہر بیوی کی زینت چاہتا ہو۔

۲ ترکِ اجابت پر، جب شوہر بیوی کو مباشرت کے لیے بلائے، کیوں کہ بیوی پر واجب ہے کہ شوہر کی اطاعت کرے۔

۳ ترکِ صلوٰۃ پر

۴ بغیر اجازت کے شوہر کے گھر سے خروج پر، لیکن جب بیوی کا خروج شرعاً ممنوع ہو اور بیوی مہر لے چکی ہو۔

فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر بیوی نماز نہیں پڑھتی، اس کو طلاق دینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت ابو حفص فرمایا کرتے تھے:

''میں اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کروں کہ بیوی کا مہر میری گردن پر دَین ہو، مجھے ایسی حالت سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں ایسی بیوی سے جماع کروں جو نماز نہیں پڑھتی''---

یعنی مہر کے ادا کرنے کی طاقت بھی ہو اور ادا نہ کرے پھر بھی تارک صلوٰۃ بیوی کو طلاق دے دینی چاہیے۔

خروج کے جواز کی صورتیں

- اگر مکان کے گرنے کا اندیشہ ہے تو بیوی کا شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر جانا جائز ہے اور اگر بیوی کو شرعی مسئلہ درپیش ہے اور شوہر نہیں بتا سکتا تو مجلس علم میں بیوی کو جانا جائز ہے، حج فرض کے لیے محرم کے ساتھ بغیر اذن زوج بیوی گھر سے نکل سکتی ہے۔ والدین کی زیارت اور ان کی عیادت اور ان کی تعزیت اور محرم رشتہ داروں کی زیارت کے لیے بھی بغیر اجازت کے

بیوی گھر سے باہر جانے میں گنہگار نہیں ہوگی۔ اگر بیوی پر کسی کا حق ہے یا بیوی کا کسی پر حق ہے تو شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی گھر سے باہر جاسکتی ہے۔ لہٰذا مذکورہ صورتوں میں شوہر بیوی کو نہ مار سکتا ہے اور نہ ملامت کرسکتا ہے۔

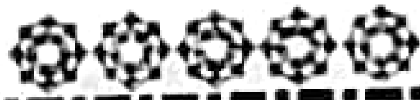
● شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کا قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور نفلی نماز اور روزے رکھنا جائز نہیں اور بیوی کا عمرہ اور نفلی حج اور تبلیغ اور تعلیم کے لیے سفر کرنا شوہر کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے، کیوں کہ شوہر کی اطاعت واجب ہے اور واجب نفلی سے مقدم ہوتا ہے اور شوہر کا ایسی مجالس میں بیوی کو شریک ہونے کی اجازت دینا جن مجالس میں امور شرعیہ کی خلاف ورزی ہو، معصیت اور گناہ ہے۔ دونوں میاں بیوی گنہگار ہوں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

''معصیت اور ظلم پر کسی کا تعاون نہ کرو''---

● اگر شوہر تارکِ صلوٰۃ ہو تو بیوی کو یہ حق نہیں کہ اس کی زوجیت سے انکار کرے، جیسے دائن (قرض دینے والا) پر حقوق اللہ زکوٰۃ، حج اور عشر واجب ہوں اور وہ ان کو ادا نہ کرتا ہو تو اس دائن کے مدیون (مقروض) کو یہ حق نہیں کہ وہ کہے کہ تم حقوق اللہ ادا نہیں کرتے، اس لیے میں تمہارا دَین (قرضہ) ادا نہیں کرتا۔ اسی طرح زوجہ یہ نہیں کہہ سکتی کہ تم نماز نہیں پڑھتے اس لیے میں تمہارے ازدواجی حقوق ادا نہیں کرتی۔

● ہاں شوہر کے فاسق مہمانوں کی سالن اور روٹی پکانے سے بیوی انکار کرسکتی ہے، اگر پکائے تو اس نیت سے کہ جب تک یہاں کھاتے رہیں گے فسق کے عمل سے محفوظ رہیں گے۔ [قاضی خان]

[جاری ہے]



دعائے صحت کی اپیل

● فیض ملت حضرت مولانا مفتی ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی، بہاول پور
● حضرت مولانا الحاج ابوداؤد محمد صادق، مدیر رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالا
● استاذ العلماء شیخ الحدیث مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری، لاہور
● خطیب پاکستان حضرت مولانا الحاج محمد عارف نوری، لاہور

گزشتہ کچھ عرصہ سے علیل ہیں، قارئین سے دعائے صحت کی درخواست ہے۔

[ادارہ]

بیوی پر شوہر کے حقوق

مفتی محمد رفیق حسنی

بیوی کے حق میں نکاح ایک عظیم نعمت ہے، لیکن منکوحہ ہونے میں ایک قسم کی رقیت اور غلامی ہوتی ہے، اس لیے بیوی پر ہر اس امر میں شوہر کی اطاعت کرنا فرض ہے جو معصیت نہ ہو اور وہ امر ازدواجی عمل کے لوازمات سے ہو۔

● حدیث شریف میں ہے کہ وہ بیوی جس کو شوہر نے اپنی حاجت کے لیے بلایا اور اس نے بغیر عذر شرعی کے انکار کر دیا تو اس پر ساری رات آسمان کے فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں۔

● حدیث شریف میں ہے کہ ہر وہ عورت جس پر موت کے وقت شوہر راضی ہو، وہ جنت میں داخل ہوگی۔

● حدیث شریف میں ہے جب عورت پانچ وقت کی نماز پڑھتی رہے اور رمضان المبارک کے روزے رکھتی رہے اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرتی رہے اور شوہر کی اطاعت کرتی رہے، وہ اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جائے۔

• چوں کہ بیوی کے گھریلو اخراجات شوہر کے ذمہ واجب ہوتے ہیں، عام رواج کے مطابق اکثر عورتیں کاروبار نہیں کرتیں، اس لیے اکثر مال دار اور غنیہ نہیں ہوتیں، ان پر زکوٰۃ اور حج فرض نہیں ہوتا۔ اس لیے مذکور حدیث شریف میں حج اور زکوٰۃ کا ذکر نہیں ہے، صرف نماز اور روزے اور عزت کی حفاظت اور زوج کی اطاعت کا ذکر ہے، لیکن اگر بیوی مال دار اور غنیہ ہو تو اس پر زکوٰۃ اور حج بھی فرض ہے۔

نیز ذکر کردہ حدیث شریف میں جنت میں داخل ہونے کا ذکر ہے، مگر دخول سے مراد بلاحساب وعقاب دخول ہو تو ضروری نہیں ہے۔

(11) • حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ ذکر فرمایا ہے کہ ایک مرد سفر پر چلا گیا اور بیوی سے عہد لیا کہ میرے واپس آنے تک تو گھر کے بالا خانہ سے نیچے نہیں اترے گی۔ تحتانی منزل میں اس خاتون کا والد رہتا تھا، اس کا والد بیمار ہو گیا، اس عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آدمی بھیجا اور شوہر کے ساتھ عہد کا ذکر کرنے کے بعد دریافت کیا کہ مجھے والد کی عیادت کے لیے نیچے اترنے کی اجازت ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، شوہر کی اطاعت کر۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیچے اترنے کی اجازت نہ دی۔ اتفاق سے اس عورت کا والد اسی مرض میں فوت ہو گیا، پھر اس عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نیچے اترنے اور والد کے جنازہ میں شرکت کے لیے اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا، اپنے شوہر کی اطاعت کر۔ چنانچہ اس عورت کے والد کو دفن کر دیا گیا اور شوہر کی اطاعت کی وجہ سے وہ عورت نیچے نہ اتری۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کی طرف آدمی بھیجا اور خبر دی کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے تیرے والد کی مغفرت اس لیے فرما دی ہے کہ تو نے شوہر کی پوری اطاعت کی تھی۔

چوں کہ اس عورت پر شوہر کے عہد پر عمل کرنا واجب تھا اور والد کی عیادت اور موت پر حاضری مستحب تھی، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون کو نیچے اترنے کی اجازت نہ دی۔ جب اس صالحہ خاتون نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور شوہر کے عہد پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ عزوجل نے اس کی برکت سے اس خاتون کے والد کی مغفرت فرما دی۔ خواتین کو اس واقعہ سے شوہر کی اطاعت کی اہمیت معلوم ہونی چاہیے۔

(6) • ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار اور مہاجرین کی جماعت میں تشریف فرما تھے، ایک اونٹ نے حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی، یارسول اللہ! آپ کو جانور اور درخت سجدہ کرتے ہیں، ہم آپ کو سجدہ کرنے کے زیادہ حق دار ہیں (یعنی سجدے کی اجازت مرحمت فرمائیں) آپ نے فرمایا، اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کا اکرام کرو، اگر میں کسی آدمی کو

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی لَهٗ

کسی غیر اللہ کے لیے سجدہ کرنے کا حکم کرتا تو عورت کو اپنے شوہر کے لیے سجدہ کرنے کا حکم کرتا اور اگر شوہر بیوی کو حکم کرے کہ زرد پہاڑ سے پتھر اٹھا کر سیاہ پہاڑ کی طرف نقل کرے اور سیاہ پہاڑ سے پتھر سفید پہاڑ کی طرف نقل کرے تو مناسب ہے کہ بیوی اس کی اطاعت کرے۔[مشکوٰۃ شریف]

مذکورہ حدیث میں شوہر کی اطاعت کی اہمیت بیان کی جا رہی ہے کہ جب شوہر کی اطاعت میں بیوی کو بے مقصد اور با مشقت کام ایک پہاڑ سے پتھر دوسرے پہاڑ کی طرف نقل کرنا مناسب ہے اور اگر با مقصد اور بے مشقت کام کے لیے شوہر بیوی کو حکم کرے تو بیوی کو شوہر کی بطریق اولیٰ اطاعت کرنی چاہیے۔

● حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تین آدمیوں کی نماز قبول نہیں ہوتی اور ان کی کوئی نیکی آسمانوں کی طرف صعود نہیں کرتی:

۱ مولیٰ کی اجازت کے بغیر بھاگ جانے والا عبد جب تک اپنے مولیٰ کی طرف نہ لوٹے اور ان کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دے۔

۲ وہ عورت، جس پر شوہر ناراض ہو۔

۳ نشہ والا شخص، جب تک ہوش میں نہ آئے"---

● حضرت سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"چار چیزیں ایسی ہیں جس شخص کو اللہ تعالیٰ عزوجل نے عطا فرمائیں، اس کو دین اور دنیا کی خیر عطا فرما دی:

۱......قلب شاکر ۲......زبان ذاکر ۳......بدن صابر

۴......ایسی بیوی جو شوہر کے لیے اپنی عزت اور اس کے مال میں خیانت نہیں کرتی"---[مشکوٰۃ شریف]

● حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی، جب کہ آپ ﷺ کے پاس بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے تھے۔ اس عورت نے کہا:

"یا رسول اللہ! میرا شوہر صفوان بن معطل جس وقت میں نماز پڑھتی ہوں، مجھے مارتا ہے اور جب روزہ رکھتی ہوں تو روزہ افطار کرا دیتا ہے اور فجر کی نماز نہیں پڑھتا،

حتیٰ کہ سورج طلوع ہوجاتا ہے"---

راوی کہتا ہے کہ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔حضور ﷺ نے اس سے وہ چیزیں پوچھیں جو اس کی بیوی نے بطور شکایت ذکر کیں تھیں، حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! میری بیوی کا یہ کہنا کہ جب میں نماز پڑھتی ہوں، مجھے صفوان مارتا ہے، وہ اس لیے ہے کہ یہ نماز میں دو (طویل) سورتیں پڑھتی ہے اور میں نے اس سے اس کو منع کیا"---

راوی کہتا ہے کہ اس کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اگر ایک سورہ ہو تو لوگوں کو کافی ہے"---

(پھر) صفوان نے عرض کیا:

"میری بیوی کا یہ قول کہ جب میں روزے رکھتی ہوں تو یہ افطار کرادیتا ہے، وہ اس لیے کہ یہ روزے رکھنا شروع ہوجاتی ہے اور میں جوان آدمی ہوں، پس صبر نہیں کرسکتا"---

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"عورت (نفلی) روزے نہ رکھے، مگر اپنے شوہر کی اجازت سے"---

پھر صفوان نے عرض کی:

"اس کا قول یہ کہ میں نماز نہیں پڑھتا حتیٰ کہ سورج طلوع ہوجاتا ہے، پس بے شک ہم (محنت اور مشقت کے) گھر والے ہیں، یہ ہمارے لیے معروف اور عادت ہوگئی ہے، ہم نہیں جاگ پاتے حتیٰ کہ سورج طلوع ہوجاتا ہے"---

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اے صفوان! جب بھی جاگ جائے تو نماز پڑھ لیا کر"---[مشکوٰۃ شریف]

درج بالا حدیث شریف میں بیوی کی شکایت پر الٹا حضور ﷺ نے بیوی کو سمجھایا کہ ان باتوں میں تمہارا شوہر حق پر ہے۔نماز میں چھوٹی اور ایک سورۃ پڑھ لیا کر اور نفلی روزے نہ رکھ تاکہ تمہارا شوہر دن کو بھی اپنی خواہش پوری کرسکے اور نماز کے متعلق آپ ﷺ نے اپنے خاص اختیارات سے حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کو سورج طلوع ہونے کے بعد بھی نماز پڑھ لینے کی اجازت دے دی لیکن صفوان کے علاوہ کسی کو یہ اجازت نہ تھی۔و اللّٰہ و رسولہ اعلم

● رسول اللہ ﷺ نے ایک دن درج ذیل الفاظ کے ساتھ عورتوں کا ذکر فرمایا:

حَامِلَاتٌ وَالِدَاتٌ مُرْضِعَاتٌ رَحِيْمَاتٌ بِأَوْلَادِهِنَّ لَوْ لَا مَا يَاْتِيْنَ اِلٰى

أَزْوَاجِهِنَّ دَخَلَ مُصَلِّيَاتُهُنَّ الْجَنَّةَ---

''حمل والیاں، بچے جننے والیاں، دودھ پلانے والیاں، اپنی اولاد کے لیے رحم کرنے والیاں اگر ان میں اپنے خاوند کو ایذاء پہنچانے والی باتیں نہ ہوتیں تو ان میں سے صرف نماز پڑھنے والیاں بھی جنت میں داخل ہوتیں''---

یعنی نو ماہ تک حمل کی مشقت اور ولادت کے وقت وضع حمل کی شدت کی تکلیف اور دو یا اڑھائی سال بچوں کو مسلسل دودھ پلانے کا عمل اور اپنی اولادوں پر شفقت کرنے والیاں، اگر ان کی طرف سے اپنے شوہروں کے لیے ایذاء رسانی اور ناشکری اور بدکلامی اور نافرمانی نہ ہو اور نماز پڑھتی رہیں تو ایسی عورتوں کو اللہ تعالیٰ ﷻ جنت عطا فرمائے گا۔

(۸) ● حضور ﷺ نے فرمایا:

''میں نے جہنم میں دیکھا، اہل نار لوگوں میں سے اکثر عورتیں تھیں''---

عورتوں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ ﷺ! کیوں؟''---

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''عورتیں لعنت کی کثرت کرتی ہیں اور شوہر کی ناشکری کرتی ہیں''---

(۹) ● ایک دوسری خبر میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں نے جنت میں دیکھا تو اہل جنت میں عورتیں بہت کم ہیں تو میں نے پوچھا، عورتیں کہاں ہیں؟ جواب ملا ان کو ''احمران'' نے مشغول کر رکھا ہے۔ یعنی دو سرخ چیزوں سونے اور زعفرانی خوشبو نے ان کو جنت سے محروم کر دیا ہے''---

حقیقت یہی ہے کہ سونا، زیورات اور خوشبودار اشیاء، پرفیومز، پوڈر اور کریمیں عورت کی کمزوری ہے اور اس میں منہمک ہونے کی وجہ سے نہ انہیں نماز کا خیال ہوتا ہے، نہ روزے کا، نہ زکوٰۃ کا اور نہ کسی دوسری عبادت کا، (الا ماشاء اللہ) اس لیے ان اشیاء کی وجہ سے جنت سے دور کر دی گئیں۔

● ایک جگہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''عورت عورت ہے، یعنی عورت سراپا ننگ اور مخفی چیز ہے، جب گھر سے نکلتی ہے تو اس عورت کا استقبال شیطان کرتا ہے''---

یعنی شیطان اس کے خروج سے خوش ہوتا ہے اور عورتوں کو شکار کرنے والی جال کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ اس لیے حضور ﷺ نے عورتوں کے لیے ''حبائل الشیطان'' فرمایا، یعنی عورتیں

شیطان کی رسیاں ہیں۔ لہٰذا عورت کو بلاوجہ شرعی گھر سے نہیں نکلنا چاہیے اور اگر نکلنے کی ضرورت ہو تو حجاب کے ساتھ نکلے اور دورانِ سفر نگاہیں نیچی رکھے، کسی اجنبی مرد سے آنکھیں دوچار نہ کرے اور اگر کسی اجنبی مرد سے کلام کرنے کی ضرورت پیش آئے تو مسکراہٹ اور نرم لہجہ میں بات نہ کرے۔

- امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شوہر کے بیوی پر حقوق کثیرہ سے دو اہم حق ہیں:

۱......اپنی عزت کی حفاظت اور ستر یعنی غیر محرم لوگوں سے مستور رہنا۔

۲......شوہر سے ضرورت سے زیادہ اخراجات کا مطالبہ نہ کرنا۔

موجودہ دور کی خواتین میں نہ حفاظت ہے اور نہ ستر ہے اور نہ ہی اخراجات کے مطالبہ میں قناعت ہے بلکہ عریانی ہے، بے حیائی ہے، فحاشی ہے اور اخراجات کی حالت یہ ہے کہ ہمارے ایک دوست فرمایا کرتے ہیں، آج کل بیوی کو پالنا ہاتھی کو پالنا ہے۔ میں نے عرض کیا، حضرت ایک ہاتھی نہیں دس ہاتھی فرمائیں۔ کیوں کہ روزانہ دستر خوان پر دو دو تین ڈشیں صبح ناشتہ، دوپہر اور شام کھانا اور سارے دن منہ کو حرکت میں رکھنے کے لیے کم از کم پچاس پان اور متعدد دفعہ مشروبات اور چائے۔ روزانہ میک اپ اور بازار آنے جانے کے اخراجات اور چالیس چالیس مہنگے مہنگے لباس کے جوڑے اور سوٹ لیکن بدن کے لیے غیر ساتر اور ساڑھیاں، مہندی کا جوڑا الگ، پارٹیوں پر الگ الگ جوڑا، بارات پر الگ، ولیمہ پر الگ، رات کا لباس الگ اور دن کا الگ، ہر تقریب کے لیے نیا جوڑا۔ طہارت اور روحانی پاکیزگی کی خوشبو سے عاری بالوں اور جسم کو معطر اور خوشبودار رکھنے لیے سیکڑوں قسم کے پرفیومز اور پوڈر اور کریمیں اور جسم اور بالوں کے لیے بیسیوں قسم کی الیکٹرانک مشینیں اور دوسرے تیسرے دن بیوٹی پارلر کے اخراجات، الحفیظ و الامان۔ کسی متوسط حلال آمدنی والے شخص کی طاقت سے خارج ہیں۔ البتہ منشیات فروش، جاگیردار اور سرمایہ دار اخراجات برداشت کر سکتے ہیں، جن کی بے حد آمدنی نے پورے معاشرہ کو بگاڑ دیا ہے۔

- لڑکیوں کے والدین پر واجب ہے کہ اپنی بچیوں کی تربیت کریں اور لوگوں کے ساتھ معاملات خصوصاً شوہر کے ساتھ حسن معاشرہ کے آداب کی تربیت دیں، جیسا کہ درج ذیل روایت میں ایک ماں نے اپنی بیٹی کو نصیحت فرمائی تھی۔ حضرت اسماء بنت خارجہ فزاری نے اپنی بیٹی کو شادی کے وقت رخصت ہونے پر نصیحت فرمائی:

"اے بیٹی! تو اپنے گھونسلے سے نکل رہی ہے، جس میں تو بڑی ہوئی اور ایسا فراش اور بچھونا بننے جارہی ہے جسے تو نہیں جانتی اور ایسے رفیق کے پاس جارہی ہے جس سے تو مالوف اور مانوس نہ تھی۔ تو اس رفیق حیات کے لیے زمین بن جانا کہ وہ

تیرے لیے آسمان بن جائے، تو اس کے لیے بچھونا بن جانا تا کہ وہ تیرے لیے آسرا بن جائے، تو اس کی لونڈی بن جانا تا کہ وہ تیرے لیے عبد بن جائے، بالکل چپک نہ جانا کہ وہ تجھے ناپسند کرے اور بالکل دور نہ ہونا وہ تجھے بھول جائے، جب وہ قریب ہونے لگے تو اس کے قریب ہو جا، جب وہ دور ہونے لگے تو دور ہو جا۔ اس کے ناک اور کان اور آنکھ کی حفاظت کرنا، تمہارا رفیق تجھ سے خوشبو ہی سونگھے اور حسین اور نرم کلام سنے اور جمال اور حسن کو دیکھے''---

یعنی بیوی کو اپنے شوہر کے لیے معطر اور صاف ستھرا رہنا چاہیے۔

''شوہر کے غصہ کے وقت خاموش رہنا، مرد کی عیب جوئی نہ کرنا، شوہر کی غیبت نہ کرنا، اس کے وقار کا خیال کرنا، گالی کا جواب نہ دینا، تہمت کی جگہ نہ جانا، شوہر جس جگہ جانے سے روکے اگر چہ تیرے والدین اور رشتے دار ہوں، نہ جانا، بلاوجہ پڑوس میں نہ جانا، اجنبی لوگوں سے اختلاط اور میل جول نہ رکھنا، اگر شوہر کا دوست گھر آئے اور شوہر گھر نہ ہو تو شوہر کے دوست کو گھر نہ بلانا بلکہ تلخ لہجہ میں بات کرنا اور کلام کو طویل نہ کرنا اور شوہر کی آمدنی پر قناعت کرنا اور شوہر کے عزیزوں اور رشتہ داروں خصوصاً اس کے والدین کا احترام کرنا، شوہر کے لیے ہر وقت پاک صاف ہو کر تیار رہنا تا کہ جب چاہے اپنی حاجت پوری کر لے، اپنی اولاد پر شفقت کرنا، اولاد کی سب وشتم سے اجتناب کرنا، شوہر کی جائز اور ناجائز بات کا جواب نہ دینا، شوہر کے سامنے نجاست، حیض ونفاس کا خون اور خون آلود کپڑے نہ رکھنا، شوہر کے سامنے خلال نہ کرنا اور نہ تھوکنا، جوئیں نہ نکالنا، شوہر کے جنسی عمل کو راز میں رکھنا اور اس کی کیفیت یا کمزوری بیان نہ کرنا، ایسے امور میں جو عورت پر بحیثیت بیوی لازم ہیں اور محبت کے دوام کے لیے ضروری ہیں، خصوصاً شوہر پر زنا اور ناجائز دوستی کا الزام لگانا نہایت مضر ہے۔ اگر بیوی خوب صورت ہو اور شوہر بدصورت تو بیوی کو تعلی اور بڑائی نہ کرنا، شوہر کو بدصورت نہ کہنا''---

مذکورہ تمام امور بیوی کے آداب سے ہیں۔

● روایت ہے معروف صرف ونحو کے عالم حضرت اصمعی کہتے ہیں کہ میں ایک گاؤں گیا تو دیکھا ایک چاندصورت حسینہ اور جمیلہ عورت نہایت بدصورت اور قبیح المنظر شوہر کے ساتھ خوش وخرم زندگی گزار رہی ہے۔ میں نے اس خاتون سے کہا:

''کیا تو اپنے لیے راضی ہے کہ ایسے شوہر کے پاس رہے''---

اس خاتون نے جواب دیا:

''اے فلاں! چپ ہو جا، تو نے یہ بات کر کے اچھا نہیں کیا، ہوسکتا ہے کہ میرے شوہر نے کوئی ایسی نیکی کی ہو جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو اور اس نیکی کی جزا میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی بیوی بنایا ہو اور ہوسکتا ہے کہ میں نے کوئی ایسا گناہ کیا ہو جس کی سزا اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مجھے اس بدصورت شوہر کی صورت دی ہو، پس میں کیوں راضی نہ ہوں اس شوہر پر جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے پسند فرمایا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہے''---

پھر اصمعی کہتے ہیں کہ میں نے گاؤں میں دیکھا، ایک خاتون نے سرخ عروسی لباس پہنا ہوا ہے اور مہندی سے ہاتھ سرخ ہیں لیکن تسبیح پڑھ رہی ہے تو میں نے تعجب کرتے ہوئے پوچھا کہ یہ کیا ہے (یعنی اس لباس اور زینت میں تسبیح پڑھنا کیسا ہے؟) تو اس نے جواب دیا:

''اللہ تعالیٰ کی جانب سے میرے اوپر جو حق ہے وہ میں تسبیح کی صورت میں ادا کر رہی ہوں اور دوسرا حق شوہر کے لیے زینت کا ہے، وہ بھی ادا کر رہی ہوں''---

اصمعی کہتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ یہ نیک عورت ہے اور اس نے زینت اپنے شوہر کے لیے کی ہوئی ہے اور تسبیح اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے پڑھ رہی ہے۔ ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ پاک، صاف اور عفیفہ صالحہ بیوی عطا فرمائے۔

- ایسی بیوی جو نماز اور روزہ ادا نہ کرے، جس کے لباس سے بدبو آتی ہو اور کپڑوں اور جسم کے مستور اجزا پر نجاست کے داغ ہوں، ہاتھوں اور پیروں میں جانوروں کے گوبر خشک ہو جائیں اور انہیں ہاتھوں سے گھر کا کام کاج کرے، حتیٰ کہ آٹا گوندھے، نہ بات کرنے کی تمیز ہو اور نہ بیٹھنے اٹھنے کا سلیقہ، صرف عورت کی شکل ہو لیکن اس کے اخلاق اور عادتیں جانوروں جیسی ہوں، حیا نام کی کوئی چیز نہ ہو، جب بھی گفتگو کرے فحش کرے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایسی رفیقہ حیات سے نجات عطا فرمائے۔

- (۱۵) حضور ﷺ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ رحم کرے ایسے شوہر پر جو رات کے آخری حصہ میں اٹھ جائے اور تہجد کے نوافل پڑھے اور بیوی کو اٹھائے اگر بیوی نہ اٹھے تو اس کے منہ پر پانی چھڑکے، بیوی اٹھ جائے اور نماز تہجد ادا کرے اور اللہ تعالیٰ رحم کرے، ایسی بیوی پر کہ تہجد کے نوافل پڑھ کر شوہر کو جگائے، اگر نہ جاگے تو شوہر کے چہرہ پر پانی چھڑک کر اس کو جگائے، شوہر اٹھ جائے اور تہجد پڑھے''---

نماز پنج گانہ تو فرض ہیں اور تہجد کی نماز مستحب ہے۔ صالحات خواتین نماز پنج گانہ کے علاوہ

تلاوت، وظائف اور تہجد اور اشراق بھی ادا کرتی ہیں اور بعض خواتین اس گئے گزرے دور میں بھی پنج گانہ نمازوں کے علاوہ دس دس پارے روزانہ قرآنِ مجید کی تلاوت کرتی ہیں اور روزانہ تہجد اور اشراق اور چاشت اور اوّابین کے نوافل کے علاوہ صلوٰۃ التسبیح بھی ادا کرتی ہیں۔

- بیوی کے آداب سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ شوہر کو کسی حال میں اپنے قول اور عمل سے ایذاء نہ پہنچائے اور جب شوہر گھر آئے، مسکراہٹ سے اس کا استقبال کرے اور مشروبات وماکولات سے اس کی تواضع کرے اور خوشی کا اظہار کرے۔

حضرت معاذ بن جبل ﷜ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”کوئی بیوی دنیا میں اپنے مسلمان شوہر کو ایذا نہیں پہنچاتی مگر جنت میں موجود سفید بڑی آنکھوں والی (حوریں) اس شوہر کی اخروی بیوی کہتی ہے، اے دنیا کی بیوی! اللہ تعالیٰ تجھے قتل کرے، شوہر کو تکلیف نہ دو، وہ تیرے پاس مہمان ہے، عنقریب میرے پاس پہنچنے والا ہے“---

- بیوی کے آداب سے ایک ادب یہ بھی ہے بیوی حسب طاقت شوہر کے گھر کی نگرانی اور دیکھ بھال کرے۔ گھر کی صفائی اور کھانا اور شوہر کے کپڑے وغیرہ صاف کرنے کا کام کرتی رہے اور شوہر کے لیے مناسب ہے کہ بیوی کے گھر سے باہر کے کام کرتا رہے۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور ﷺ نے فرمایا:

”علی تمہارے باہر کے کام کرے گا اور تم علی کے گھر کے کام کروگی“---

- حضرت اسماء بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے ساتھ (حضرت) زبیر بن عوام (﷜) نے نکاح کیا تو ان کے پاس سوائے ایک اونٹنی اور گھوڑے کے کچھ نہ تھا، میں ان کے گھوڑے کی خدمت کرتی تھی، اس کو گھاس ڈالتی تھی، زبیر کی طرف سے گھوڑے کی مشقت میں کفایت کرتی تھی اور کھجور کی گٹھلیاں باریک کر کے ان کی اونٹنی کو کھلاتی تھی اور اس پر پانی بھر کے لاتی اور تقریباً دو میل سے گٹھلیاں جمع کر کے اور سر پر اٹھا کے لے آتی، یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق ﷜ نے ایک لونڈی عطا فرمائی تو گھوڑے کی خدمت سے میں آزاد ہوگئی۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ شوہر کے گھر کے کام اگر بیوی سنبھال لے تو یہ اچھی چیز ہے، اگر بیوی کے لیے شوہر کے گھر کے کام ظلم ہوتا تو حضور ﷺ اس سے منع فرمادیتے۔

﴿شوہر پر بیوی کے حقوق آئندہ شمارے میں﴾



قرآنِ کریم اور احادیث میں
والدین کے فضائل، حقوق اور آداب

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی

﴿وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا ؕ وَ اِنْ جَاهَدٰکَ لِتُشْرِکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝﴾---[سورہ عنکبوت:۸]

''اور ہم نے آدمی کو تاکید کی اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کی، اور اگر وہ تجھ سے کوشش کریں کہ تو میرا شریک ٹھہرائے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہا نہ مان، میری ہی طرف تمہارا پھرنا ہے تو میں بتادوں گا تمہیں جو تم کرتے تھے''---

﴿وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْکَ ؕ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ۝﴾---[سورہ لقمان:۱۴]

''اور ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید فرمائی، اس کی ماں نے اُسے پیٹ میں رکھا کمزوری پر کمزوری جھیلتی ہوئی اور اس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے، یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا، آخر مجھی تک آنا ہے''---

﴿وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ کُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ کُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۝﴾---[سورہ الاحقاف:۱۵]

"اور ہم نے آدمی کو حکم کیا کہ اپنے ماں باپ سے بھلائی کرے اس کی ماں نے اُسے پیٹ میں رکھا تکلیف سے اور جنا اس کو تکلیف سے اور اُسے اُٹھائے پھرنا اور اُس کا دودھ چھڑانا تیس مہینا میں ہے، یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہوا، عرض کی اے ہمارے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمت کا شکر کرتا رہوں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی اور میں وہ کام کرتا رہوں، جو تجھے پسند آئے اور میرے لیے میری اولاد میں نیکی رکھ دے، میں تیری طرف رجوع لایا اور میں تیرے فرماں برداروں میں سے ہوں"---

﴿وَ الَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّکُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَ قَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ وَ هُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَکَ اٰمِنْ ۖۗ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚۖ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ۝﴾---[سورہ الاحقاف:۱۷]

"اور وہ جس نے اپنے ماں باپ سے کہا اُف تم سے (دل بیزار ہو گیا) کیا مجھے وعدہ دیتے ہو کہ پھر زندہ کیا جاؤں گا حالاں کہ مجھ سے پہلے سنگتیں گزر چکیں اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کرتے ہیں، تیرے لیے تباہی ہو، ایمان لا، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، تو وہ کہتا ہے یہ تو نہیں مگر اگلوں کی کہانیاں"---

﴿رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَ اَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ۝﴾---[سورہ نمل:۱۹]

"اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں شکر کروں تیرے احسان کا جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیے اور یہ کہ میں وہ بھلا کام کروں جو تجھے پسند آئے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے ان بندوں میں شامل کر جو تیرے قرب خاص کے سزاوار ہیں"---

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ

الْحِسَابُ o﴾---[سورہ ابراہیم:۴۱]

''اے ہمارے رب! مجھے بخش دے اور میرے حقیقی ماں باپ کو اور سب مسلمانوں کو، جس دن حساب قائم ہوگا''---

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِناً وَّ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ط وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا o﴾---[سورہ نوح:۲۸]

''اے میرے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور اسے جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں ہے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کو اور کافروں کو نہ بڑھا، مگر تباہی''---

﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْکُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْکَ وَ عَلٰی وَالِدَتِکَ م اِذْ اَیَّدْتُّکَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ قف﴾---[سورہ المائدہ:۱۱۰]

''جب اللہ فرمائے گا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! یاد کر میرا احسان اپنے اوپر اور اپنی ماں پر جب میں نے پاک روح سے تیری مدد کی''---

﴿وَّ بَرًّا بِوَالِدَتِیْ ز وَ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا o﴾---[سورہ مریم:۳۲]

''اور اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا اور مجھے متکبر نافرمان نہ کیا''---

﴿وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوةَ ط ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ o﴾---[سورہ البقرہ:۸۳]

''اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں سے اور لوگوں سے اچھی بات کہو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو، اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں سے اور لوگوں سے اچھی بات کہو............''---

﴿وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا﴾ معاملات میں سے یہ پہلا عہد ہے۔ یہاں ایک فعل ''اَحْسِنُوْا'' یا ''تُحْسِنُوْنَ'' پوشیدہ ہے، یعنی ماں باپ کے ساتھ احسان کرو یا کرو گے۔

رب تعالیٰ نے اپنی عبادات کے ساتھ والدین کی اطاعت کا ذکر فرمایا، اس کی چند وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ ماں باپ اولاد کی پیدائش اور اس کی پرورش کا سبب ہیں اور حق تعالیٰ کے فیض کا

پہلا واسطہ جو نعمت بھی کسی کو ملے گی پیدائش کے بعد ہی ملے گی۔ لہٰذا خدا کے بعد ماں باپ کا ہی احسان ہے۔ دوسرے یہ کہ ماں باپ کا انعام خدا کے انعام سے مشابہت رکھتا ہے۔ جیسے حق تعالیٰ بلا طمع بندوں کو پالتا ہے، ایسے ہی ماں باپ بغیر لالچ بچے کو پالتے ہیں اور دوسرے محسن بدلے کی امید پر احسان کرتے ہیں۔ کفار ماں باپ جو قیامت، جنت و دوزخ کے منکر ہیں، انہیں ثواب کی بھی امید نہیں، مگر بچہ پالتے ہیں۔ لڑکیوں اور بے دست و پا لڑکوں کے پالنے میں دنیوی لالچ بھی نہیں ہوتا، تیسرے یہ کہ حق تعالیٰ انسان کی پیدائش میں حقیقی مؤثر ہے اور ماں باپ ظاہری مؤثر، چوتھے یہ کہ حق تعالیٰ اپنے نافرمان بندے پر انعام کرنے سے ملول نہیں ہوتا، ایسے ہی ماں باپ ناخلف اولاد کی خیر خواہی اور شفقت سے ملول نہیں ہوتے۔ پانچویں یہ کہ جس طرح مخلوق کے دو خالق نہیں ہو سکتے، اسی طرح بچے کے (حقیقی) دو ماں یا دو باپ نہیں ہو سکتے، کیوں کہ سوتیلے ماں باپ حقیقت میں ماں باپ ہی نہیں۔ چھٹے یہ کہ ماں باپ کبھی بھی اولاد کی ترقی میں کمی نہیں کرتے اور کبھی ان پر حسد نہیں کرتے، یہ انھیں کی خصوصیت ہے۔ ساتویں یہ کہ ماں باپ کی اطاعت سارے دینوں میں ضروری ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، بلکہ ان سے محبت انسانوں کے علاوہ بے عقل حیوانوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ آٹھویں یہ کہ ہمیشہ ماں باپ اولاد کے مال کو بڑھاتے ہیں اور نقصان سے بچاتے ہیں، جیسے رب تعالیٰ اپنے بندے کے نیک اعمال کو بڑھاتا ہے۔ [تفسیر کبیر و عزیزی]

خیال رہے کہ رب تعالیٰ کی عبادت شاہ و گدا، نبی و امتی سب پر فرض ہے، یوں ہی ماں باپ کی خدمت سب پر فرض، عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿وَّ بَرًّا بِوَالِدَتِیْ﴾ --- [مریم: ۳۲]

نیز رب کی عبادت ہر وقت لازم۔ یونہی ماں باپ کی خدمت ہر وقت فرض، ان کی زندگی تندرستی میں بھی، بیماری بڑھاپے میں بھی، بعد موت بھی۔ رب کی عبادت ہر طرح کی ضروری، جانی، بدنی، مالی۔ یوں ہی ماں باپ کی خدمت ہر طرح لازم، جان و جسم، مال، غرض کہ ہر شے ان پر صرف کرے۔ صرف نوکروں پر انھیں نہ چھوڑ دے، بادشاہ بھی ہو تو اپنے ہاتھ پاؤں سے ان کی خدمت کرے۔ جس طرح کوئی شخص دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں نے حق عبادت ادا کر دیا۔ غرض یہ کہ والدین کی خدمت کو رب کی عبادت سے بہت طرح مناسبت ہے۔

ماں باپ کی اطاعت میں چند ہدایتوں کا خیال رکھو:

پہلی ہدایت

اگرچہ ماں اور باپ دونوں کی اطاعت لازم ہے لیکن چوں کہ ماں نے بچے کو اپنا خون پلا کر پالا

ہے اور باپ نے زر پلا کر، اس لیے ماں کا حق الخدمت باپ سے کئی گنا زیادہ ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

دوسری ہدایت

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر ماں باپ کی بھی اطاعت اور تعظیم کرے، اس لیے کہ یہاں والدین میں ایمان کی قید نہیں لگائی گئی۔ نیز ان کی اطاعت حقِ پرورش کی وجہ سے ہے اور یہ حق تو کافر ماں باپ میں بھی ہے۔

تیسری ہدایت

ماں باپ کے ساتھ احسان تین قسم کا ہے، ایک یہ کہ اپنے قول و فعل سے ان کو ایذا نہ پہنچائے، دوسرے یہ کہ اپنے بدن و مال سے ان کی خدمت کرے، تیسرے یہ کہ جب وہ بلائیں تو فوراً حاضر ہو جائے۔ پہلی اطاعت بہر حال واجب ہے کہ ماں باپ کو ایذا دینے والا عاق اور نافرمان کہلاتا ہے، دوسری اطاعت جب واجب ہے کہ ماں باپ حاجت مند ہوں اور اولاد میں خدمت کی قدرت ہو، اگر انہیں حاجت نہیں یا اولاد میں طاقت نہیں تو اس قسم کی اطاعت واجب بھی نہیں۔ تیسری قسم کی یہ شرط ہے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہونے سے کوئی شرعی خرابی پیدا نہ ہو، اگر نماز کا وقت جا رہا ہے، ادھر ماں باپ بلا رہے ہیں تو ان کے پاس نہ جائے، پہلے فرض نماز پڑھے۔

چوتھی ہدایت

ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا جو حدیث میں بیان آیا ہے، وہ یہ ہے:

۱)......ان سے دلی محبت رکھے۔

۲)......بات چیت اور اُٹھنے بیٹھنے میں ان کا ادب کرے کہ راستے میں ان کے آگے نہ چلے اور ان کو نام لے کر نہ پکارے بلکہ ادب سے بلائے۔

۳......جہاں تک ہو سکے اپنا مال و جان ان پر خرچ کرے۔

۴......ہر کام اور ہر بات میں ان کی رضامندی کا خیال رکھے۔

۵......ان کے مرنے کے بعد ان کی وصیت پوری کرے۔

۶......اور ان کی لیے دعائے مغفرت کرے۔

۷......ان کے لیے کبھی کبھی صدقہ و خیرات کرتا رہے۔

۸......ہر ہفتہ میں ان کی قبر کی زیارت کرے اور اگر ہو سکے تو سورۃ یٰسین پڑھ کر ان کو بخشے۔

۹......ان کے دوستوں اور قرابت داروں سے محبت رکھے ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ سعادت مند بچے اپنے ماں باپ کے دوستوں کو ان کے بعد ماں باپ کی جگہ سمجھتے رہیں۔[تفسیر عزیزی]

پانچویں ہدایت

اگر ماں باپ گناہ کرنے کے عادی ہوں یا کسی بدمذہبی میں گرفتار ہوں تو ان کو نرمی کے ساتھ راہِ راست پر لانے کی کوشش کرے۔

چھٹی ہدایت

اگر ماں باپ کافر یا منافق بھی ہوں تب بھی ان کا حق مادری، پدری ادا کرے اور ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر کی (جو سخت کافر تھا) سختی کو برداشت کیا اور اس سے نرم کلام بھی فرمایا۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا باپ ابو عامر سخت کافر تھا، آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے قتل کی اجازت چاہی تو حضور علیہ السلام نے نہ دی۔[تفسیر کبیر و عزیزی]

ساتویں ہدایت

جب ماں باپ کا اللہ اور رسول سے مقابلہ ہو جائے تو اس وقت نہ ماں باپ کا لحاظ ہوگا نہ اور قرابت دار کا۔

خلاصہ یہ ہے کہ کافر ماں باپ کی بھی اطاعت ضروری ہے، مگر جب کہ ان کا حق اللہ و رسول کے حق کے مقابل ہو جائے تو اللہ و رسول کا حق مقدم ہوگا۔ ذِی الْقُرْبٰی، اس کا والدین پر عطف ہے اور قربیٰ بمعنی قرابت ہے، جیسے حسنیٰ یعنی اپنے اہلِ قرابت کے ساتھ احسان کرو، چونکہ اہلِ قرابت کا رشتہ ماں باپ کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور ان کا احسان بھی ماں باپ کے مقابلہ میں کم ہے اس لیے ان کا حق بھی ماں باپ کے بعد ہے۔[تفسیر نعیمی، صفحہ 511 تا 513، جلد اوّل]

﴿وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْھَرْھُمَا وَ قُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا ○ وَ اخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ○﴾---[القرآن، سورہ بنی اسرائیل: ۲۳ تا ۲۴]

"اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر تیرے سامنے ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہونچ جائیں تو ان سے ہوں نہ کہنا اور انھیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا اور ان کے

لیے عاجزی کا بازو بچھا نرم دلی سے اور عرض کر کہ اے میرے رب! تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے چھٹ پن میں پالا"---

آیت میں اشارہ ہے کہ سبب حقیقی اللہ تعالیٰ ہے تو تعظیم حقیقی کے لائق بھی صرف وہی ہے اور والدین چوں کہ سبب ظاہری ہیں اسی لیے تعظیم ظاہری کے وہی مستحق ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے ساتھ احسان الوالدین کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ انسان کے حقیقی وجود کا سبب اللہ تعالیٰ ہے لیکن انسانی تربیت والدین کے ذمہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی صغرسنی اور ضعف کے وقت اللہ تعالیٰ کی حقیقی تربیت کے مظہر والدین ہیں کہ اس میں ایجاد و ربوبیّت و رحمت و رأفت کے آثار و صفات پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کی خدمت کا محتاج نہیں اور انسان اپنے ضعف اور کم زوری کی وجہ سے خدمت کا محتاج ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ والدین کو ان کی خدمت کا صلہ دو، یعنی ان کی خدمت گزاری کا حق ادا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ توحید کے بعد اہم الواجبات، والدین کے ساتھ احسان کرنا ہے۔

آیت کا مقصد یہ ہے کہ والدین، ہر دونوں یا ان میں سے کسی کو جھڑکنا تو در کنار اُف تک نہ کیا جائے۔

سوال: والدین کی خدمت گزاری اور ان کی عزت و احترام کو بڑھاپے سے کیوں مقید کیا گیا ہے، حالاں کہ ان کی خدمت گزاری وغیرہ ہر وقت فرض ہے، خواہ جوان ہوں یا بوڑھے؟

جواب: جب انھیں خدمت گزاری کی شدید ضرورت ہو تو ان کی خدمت بجالانا فرض ہے اور چوں کہ بڑھاپے میں عموماً خدمت کی شدید ضرورت لاحق ہوتی ہے، بنابریں اسے بڑھاپے سے مقید کیا گیا ہے، اگر انہیں خدمت گزاری کی شدید ضرورت نہ ہو تو پھر ان کی خدمت بجالانا مندوب ہے۔ (کذافی الاسئلہ المقحمہ)

قاعدہ: اُف میں والدین کی ہر طرح کی ایذا سے روکا گیا ہے۔

مسئلہ: والدین کو نام سے نہ بلائے اس لیے کہ یہ بھی مروّت کے خلاف بلکہ کھلی گستاخی ہے، ہاں اگر عام گفتگو میں ان کے اسماء بتانے کی ضرورت پڑے تو نام بتا سکتا ہے۔

مسئلہ: ان کی آواز پر اپنی آواز کو اونچا نہ کرے، نہ ہی ان کے سامنے اونچا بولے بلکہ نہایت نرمی اور منکسرانہ لہجہ میں بات کرے، ہاں اگر وہ بہرے ہوں یا افہام و تفہیم صرف اونچی آواز میں ہو سکتی ہے تو بوجہ ضرورت جائز ہے۔

مسئلہ: کسی کے ماں باپ کو گالی نہ دے کیوں کہ وہ جوابی حملہ کر کے اس کے ماں باپ کو گالی دے گا۔

مسئلہ: ماں باپ کو غیظ و غضب سے نہ دیکھے۔

ف: قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ماں باپ کے ساتھ عجز و نیاز کا حکم فرمایا: یہ استعارہ ترشیحیہ ہے۔

ف: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ والدین کے ساتھ ایسے زندگی بسر کرے جیسے ایک ذلیل خطا کار غلام اپنے ترش رُو اور سخت گیر آقا کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے یعنی جیسے غلام مذکور اپنے آقا مذکور کے سامنے چاپلوسی اور خوشامد کر کے وقت بسر کرتا ہے، ایسے ہی اولاد کو ماں باپ کے سامنے زندگی بسر کرنی چاہیے۔

مسئلہ: ماں باپ کی طرف محبت و شفقت اور نہایت ہی مہربانی سے دیکھے۔

مسئلہ: بارادۂ تواضع اپنی ماں کے قدم چومنا جائز ہے۔

حکایت

حضرت الاستاذ ابو اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کی داڑھی مبارک میں جوہر و یاقوت ہیں۔ آپ نے فرمایا، تیرا خواب سچا ہے، اس لیے کہ مَیں نے کل اپنی داڑھی والدہ ماجدہ کے قدموں کے تلووں کو لگائی تھی۔

مسئلہ: اپنے ماں باپ کی خدمت خود کرے، کسی دوسرے کے سپرد نہ کرے۔

مسئلہ: انسان کو اپنے ماں، باپ اور استاد (اور پیر و مرشد) کی خدمت سے عار نہ کرنی چاہیے۔

مسئلہ: باپ کے لیے نماز کا امام بھی نہ بنے، اگرچہ اس سے وہ فقیہ تر ہے (اگر وہ حکم دیں یا ان کو مسائل سے چنداں واقفیت نہیں تو جائز ہے۔)

مسئلہ: ماں باپ کے آگے بھی نہ چلے، ہاں اگر راستہ صاف کرنے کی ضرورت در پیش ہو تو جائز ہے۔

مسئلہ: کسی ایسی جگہ پر نہ بیٹھے جہاں اس کے ماں باپ نیچے بیٹھے ہوں جب کہ اس سے ماں باپ کی اہانت ہوتی ہو۔

مسئلہ: کسی معاملہ میں ماں باپ سے سبقت نہ کرے، مثلاً کھانے، پینے اور بیٹھنے اور گفتگو میں وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ: اگر باپ بدمذہب ہے، وہ اسے اپنی عبادت گاہ میں لے جانا چاہتا ہے تو نہ جائے۔ ہاں اگر باپ اسے کسی مذہبی چیز کو اپنے ہاں اٹھالانے کا حکم دے تو اسے بجالائے۔

مسئلہ: باپ شراب لانے کا حکم دے تو نہ لائے اگر شراب پی کر برتن (گلاس، بوتل وغیرہ) اٹھانے کا حکم دے تو یہ حکم ماننا جائز ہے۔

مسئلہ: ماں باپ سے عار کر کے اپنے آپ کو کسی دوسرے مشہور و معروف شخصیت کی طرف منسوب نہ کرے، اس لیے کہ یہ لعنت کا موجب ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اپنے آپ کو دوسری ذات میں منسوب کرنے والے پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، اس کی نہ کوئی عبادت قبول ہوگی، نہ نیکی۔ (عبادت سے مراد فرائض اور نیکی سے مراد نوافل ہیں)۔ (کذا فی الاسرار المحمدیه)

مسئلہ: اگر ماں باپ ہر دونوں یا ان میں سے ایک کافر ہو تو ان کے لیے اسلام قبول کرنے کی دعا کیجیے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اولاد کو اپنے ماں باپ کے لیے دعا مانگنے کے مختلف طریقے ہیں، اگر وہ مسلمان ہیں تو ان کے لیے بہشت کی، اگر کافر ہیں تو ان کے لیے ایمان و اسلام کی دعا مانگے۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے جب کوئی شخص اپنے ماں باپ کے لیے دعا و استغفار کرنا چھوڑ دیتا ہے تو دنیا میں اس کے رزق میں اللہ تعالیٰ تنگی پیدا فرماتا ہے۔

مسئلہ: حضرت ابن عیینہ سے سوال ہوا کہ مرنے کے بعد میت کو صدقہ پہنچتا ہے یا نہ، انھوں نے فرمایا کہ ہر صدقہ پہنچتا ہے لیکن اس کے لیے بہترین صدقہ استغفار ہے، اگر اس سے کوئی اور شے نافع ترین ہوتی تو میں ماں باپ کے لیے اس کا حکم فرماتا۔

شیخ سعدی قدس سرہ العزیز نے فرمایا:

سال ہا بر تو بگورد کہ گزار　　نکنی سوئے تربت پدرت
تو بجائے پدر چہ کردی خیر　　تاہماں چشم داری از پسرت

"بہت برس گزرنے پر بھی تو کبھی اپنے ماں باپ کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لیے نہیں گیا۔ بتا جب تو نے اپنے باپ سے بھلا نہیں کیا تو پھر اپنی اولاد سے کس منہ سے بھلائی کی امید کرتا ہے"---

مسئلہ: فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ نفقہ میں والدہ کو ترجیح دے، جب والد کے پاس ما بہ الکفایۃ موجود ہو۔ اس لیے کہ بچپن میں پرورش کے لیے والدہ نے بہت زیادہ دکھ اٹھایا اور بہ نسبت والد کے والدہ کو اولاد سے زیادہ شفقت ہوتی ہے اور اولاد کے لیے دکھ درد اٹھانے میں بہ نسبت والد کے والدہ سبقت رکھتی ہے۔ علاوہ ازیں پیٹ میں بوجھ اٹھایا، پھر اسے دودھ پلایا، جب تک سمجھ دار

نہ ہوا، بچے کی تربیت و خدمت اور علاج و معالجہ اور اسے نہلانا دھلانا، صاف ستھرا رکھنا اور اس کے کپڑے وغیرہ دھونا، حفاظت کرنا وغیرہ (کذافی فتح القریب):

جنت سرائے مادران ست زیر پائے مادران ست
روزی بکن اے خدائے ما را چیزے کہ رضائے مادران ست

"مائیں بہشت کی سرائیں ہیں، بہشت ماں کے قدموں تلے ہے۔ اے اللہ! ہمیں وہ موقع عطا فرما جس سے ہم والدہ کو راضی کر سکیں"---

باپ کُل جائیداد کا مالک ھے

مروی ہے کہ ایک شخص حضور سرورِ عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی کہ اس کا باپ اس کا مال و اسباب چھین لیتا ہے، حضور سرورِ عالم ﷺ نے اس کے باپ کو بلایا تو وہ لاٹھی کے سہارے چلتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے ماجرا پوچھا تو اس نے عرض کی کہ جب یہ کمزور اور میں قوی تھا اور میں دولت مند اور یہ فقیر تھا تو مَیں اسے اپنے مال و اسباب سے نہیں روکتا تھا، اب مَیں ضعیف اور یہ قوی اور یہ دولت مند اور مَیں فقیر ہوں، لیکن یہ مجھ سے اپنے مال کے متعلق بخیلی کرتا ہے۔ حضور سرورِ عالم ﷺ بوڑھے کی بات سن کر رو پڑے اور فرمایا کہ تیری بات جس پتھر اور ڈھیلے نے سنی، سب رو دیے ہیں۔ اس کے بعد اس شکایت کرنے والے نوجوان کو فرمایا:

اَنْتَ وَ مَالُکَ لِاَبِیْکَ---

"تو اور تیرا تمام مال تیرے باپ کا ہے"---

حدیث شریف

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، میں نے سنا ہے کہ فخر الانبیاء ﷺ نے فرمایا کہ اگر مَیں اپنے بعد اپنی امت کے حالات کے تغیر کا خوف نہ کرتا تو میں تمہیں حکم فرماتا کہ چار شخصوں کے لیے گواہی دو کہ وہ بہشتی ہیں:

۱ وہ عورت جس نے اپنے شوہر کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر مہر بخش دیا اور اس کا شوہر بھی اس پر راضی ہوا۔

۲ کثیر العیال جو حلال کمائی سے اپنے کنبے کا پیٹ پالتا ہے۔

۳ وہ تائب جو اپنے گناہوں کی طرف ایسے نہیں لوٹتا جیسے دودھ پستان میں واپس نہیں لوٹ سکتا۔

۴ والدین کے ساتھ احسان و مروت سے پیش آنے والا۔

والدین کو نصیحت

ماں باپ پر لازم ہے کہ اپنی اولاد کے ساتھ ایسا غلط برتاؤ نہ کریں کہ جس سے اولاد نافرمانی پر مجبور ہو جائے بلکہ ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں جو فرماں برداری میں مدد دے سکے۔

حکایت: ایک بزرگ عارف کامل نے فرمایا کہ مَیں نے اپنے بیٹے کو تیس (۳۰) سال سے کوئی کام نہیں کہا، اس خطرہ سے کہ شاید وہ میری نافرمانی کرے اور اس نحوست سے اس پر عذابِ الٰہی نازل ہو جائے۔ [فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ روح البیان، صفحہ ۱۱۹ تا ۱۲۵]

﴿اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ ط اِلَیَّ الْمَصِیْرُ o﴾--- [سورہ لقمان: ۱۴]

''یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا آخر مجھی تک آنا ہے''---

ہم نے لوگوں کو ان کے ماں باپ کے حقوق کی پاس داری کا حکم فرمایا، اس کے بعد ماں کے حقوق کو ترجیح دی، اس لیے کہ ماں کا بیٹے پر بہت بڑا احسان ہے۔

اے انسان! میرا شکر کر، اس لیے کہ مَیں نے تجھے عدم سے موجود فرمایا اور اسلام کی ہدایت بخشی اور اپنے والدین کا شکریہ ادا کر کہ اُنھوں نے تیری تربیت کی جب کہ تو چھوٹا تھا۔ والدین کے شکر کا معنی یہ ہے کہ ان کی تعظیم و توقیر کے ساتھ ان پر شفقت و رحمت کی جائے۔

ف: شرح الحکم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو اس لیے ملایا کہ اللہ تعالیٰ نے حقیقی وجود بخشا تو والدین نے تربیت کر کے وجود مجازی بخشا۔ اس معنی پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم حقیقی ہوگا اور والدین و دیگر لوگوں کا احسان و کرم مجازی ہوگا۔

مسئلہ: استاد کا شکریہ والدین کے شکریہ پر فوقیت رکھتا ہے۔

ف: حضرت سفیان بن عُیینہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو پانچ نمازیں پابندی سے پڑھتا ہے تو یقین کرلو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا کر چکا اور پانچوں نمازوں کے بعد والدین کے لیے جو دعائے مغفرت کرتا ہے، اس نے اپنے والدین کے احسان کا شکریہ ادا کرلیا۔

مسئلہ:

جو چاہتا ہے کہ میں اپنے والدین کی وفات کے بعد ان کے ساتھ احسان کروں تو اسے چاہیے کہ ان کے دوستوں، عزیزوں، رشتہ داروں اور متعلقین پر احسان و کرم کرے۔

مسئلہ

۱) زندگی میں جس سے ماں باپ ناراض رہے اور اسی حالت میں وہ فوت ہوگئے پھر وہ چاہتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ احسان کنندگان اور شکر گزاروں میں شمار ہو تو اسے چاہیے کہ وہ ان کے لیے

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ

بہت زیادہ استغفار کرے اور ان کے لیے زیادہ صدقہ وخیرات بطورِ ایصال ثواب کرے تو اسے والدین کے فرماں برداروں میں لکھا جائے گا۔

۲) جو شخص ہر جمعہ اپنے والدین کے مزارات کی زیارت کرتا ہے، وہ بھی فرماں برداروں میں شمار ہوگا۔

حدیث شریف

مَنْ صَلّٰى لَيْلَةَ الْخَمِيْسِ مَا بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَ الْعِشَاءِ رَكْعَتَيْنِ يَقْرَأُ فِيْ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ مَرَّةً وَ اٰيَةَ الْكُرْسِيِّ خَمْسَ مَرَّاتٍ وَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ خَمْسَ مَرَّاتٍ وَ الْمُعَوَّذَتَيْنِ خَمْسًا خَمْسًا فَاِذَا فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهٖ اِسْتَغْفَرَ اللّٰهَ خَمْسَ عَشَرَةَ مَرَّةً وَ جَعَلَ ثَوَابَهٗ لِوَالِدَيْهِ فَقَدْ اَدّٰى حَقَّ وَالِدَيْهِ عَلَيْهِ وَ اِنْ كَانَ عَاقًّا لَّهُمَا وَ اَعْطَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَا يُعْطِى الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَاءَ---[كذافي الاحياء وقوت القلوب]

''جو شخص جمعرات کی شب کو مغرب وعشاء کے درمیان دو رکعتیں پڑھے اور فاتحہ کے بعد پانچ بار آیۃ الکرسی، پانچ بار سورۂ اخلاص اور پانچ پانچ بار معوذتین (سورۂ فلق وسورۂ ناس) پڑھے اور ان کا ثواب ماں باپ کی رُوح کو بخشے تو اس نے اپنے ماں باپ کا حق ادا کر لیا، اگرچہ وہ دنیا میں ان کا نافرمان رہا۔ اللہ تعالیٰ اسے (اس دوگانہ کے صدقے) صدیقین وشہداء کا ثواب عطا فرمائے گا'' ---

وَ اِنْ جَاهَدٰكَ، المجاهد: بمعنی اللہ کے دشمن سے بچنے کے لیے اپنی تمام طاقت صرف کرنا، اب معنٰی یہ ہوا کہ ہم نے انسان سے فرمایا کہ اگر تیرے ماں باپ تیرے لیے جدوجہد کر کے تجھے اکسائیں۔ ﴿عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ ''کہ تم عبادت میں میرے ساتھ انہیں شریک ٹھہراؤ جن کا تمہیں علم نہیں'' ﴿فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ ''تو تم شرک کرنے میں ان کی اطاعت مت کرنا'' یعنی اگرچہ والدین کی خدمت ایک عظیم امر ہے، لیکن اولاد کو جائز نہیں کہ شرک کرے یا کسی اور گناہ میں ان کی اطاعت کرے:

چوں نبود خویش را دیانت و تقویٰ
قطع رحم بہتر از مودّت قربیٰ

''جب رشتہ دار میں دیانت وتقویٰ نہ ہو تو ایسے رشتہ سے محبت کرنے کے بعد قطع رحمی ضروری ہے'' ---

مسئلہ: انسان پر والدین کا نان، نفقہ اور لباس واجب ہے، اگر چہ وہ کافر ہوں۔ اسی طرح ان کے ساتھ احسان و مروّت، ان کی خدمت اور ان کی زیارت ضروری ہے بشرطیکہ وہ کفر و معصیت پر مجبور نہ کریں۔ اگر کسی کو والدین، کفر کے ارتکاب پر مجبور کریں تو ایسے والدین کی زیارت اور ملاقات ضروری نہیں۔

اگر کسی کے والدین کافر ہوں اور وہ اسے کفر کی عبادت گاہ میں جانے کا حکم دیں تو ان کا ایسا حکم ہر گز نہ ماننا چاہیے، اس لیے کہ کفر کی اعانت میں خدمت کرنا بھی گناہ ہے، ہاں عبادت گاہِ کفر سے گھر کی طرف لانا جائز ہے۔

مسئلہ: توحید کے بعد اہم الواجبات سے والدین کی خدمت گزاری ہے۔

حکایت و روایت

مروی ہے کہ حضور ﷺ سے ایک شخص نے عرض کی، یارسول اللہ! میری والدہ بوڑھی ہوگئی، یہاں تک کہ مَیں اسے کھلاتا پلاتا ہوں اور وہ چل پھر بھی نہیں سکتی، اس لیے اسے اٹھاتا بٹھاتا ہوں، کیا اس طرح سے مَیں نے اپنی والدہ حق ادا کر دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر گز نہیں بلکہ صرف ایک سو میں سے ایک حق بھی ادا ہو تو تیری سعادت، عرض کی: اس کی کیا وجہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری والدہ نے تیری خدمت اس لیے کی کہ تیری عمر دراز ہو اور تو اس کی اس لیے خدمت کرتا ہے کہ وہ کب مرے گی؟ لیکن چوں کہ تو نے اس کی خدمت کی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا ثواب عطا فرمائے گا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ العزیز نے بوستاں میں فرمایا:

جوانے سر از رائے مادر بتافت — دل دردمندش بآذر بتافت
چو بے چارہ شد پیشش آورد مہد — کہ اے سست مہر و فراموش عہد
نہ گریان و در ماندہ بودے و خرد — کہ شب ہا ز دست تو خوابم نبرد
نہ در مہد نیروے حالت نبود — مگس راندن از خود مجالت نبود
تو آنی کہ از یک مگس رنجہ ای — کہ امروز سالار سر پنجہ ای
بحالی شوی باز در قعر گور — کہ نتوانی از خویشتن دفع مور
دگر دیدہ چوں بر فروزد چراغ — چو کرم لحد خورد پیہ دماغ
چو پوشیدہ چشمے نہ بینی کہ راہ — نداند ہمی وقت رفتن ز چاہ
تو گر شکر کردی کہ بادیدہ ای — وگرنہ تو ھم چشم پوشیدہ ای

۱) ایک نوجوان نے ماں سے منہ موڑا تو ماں کا دردمند دل آگ سے جل گیا۔

۲) بے چارگی سے اور تو کچھ نہ ہوسکا، گہوارہ لائی اور کہا کہ بے رحم اور عہد فراموش

۳) تو روتا رہتا، عاجز اور چھوٹا تھا، تیری وجہ سے میں نے کئی راتوں کی نیند حرام کردی تھی۔

۴) گہوارے میں تجھے اپنے حال درست کرنے کی طاقت نہ تھی بلکہ تو اپنے سے مکھیاں بھی نہ ہٹا سکتا تھا۔

۵) تو وہی تو ہے کہ ایک مکھی سے چیخ پڑتا تھا لیکن اب تو بڑی طاقت کا مالک ہے۔

۶) ابھی وقت آنے والا ہے کہ تو قبر کے گڑھے میں جائے گا، اس وقت بھی تجھے چیونٹی ہٹانے کی طاقت نہ ہوگی۔

۷) پھر تیری آنکھیں کہاں سے چمکیں گی، جب تیرے دماغ کی چربی کیڑے کھا جائیں گے۔

۸) تو اندھے کی طرح راستہ نہیں دیکھ رہا جب کہ وہ کنویں میں گر پڑے تو اسے کہیں سے راستہ نہیں دکھائی دیتا۔

۹) اگر تو شکر بجا لائے گا تو سمجھ کہ تو آنکھ والا ہے ورنہ تو بھی اندھا ہی ہے۔

احادیث مبارکہ

1 عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: رَغِمَ اَنْفُهُ، رَغِمَ اَنْفُهُ، رَغِمَ اَنْفُهُ. قِیْلَ: مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: مَنْ اَدْرَکَ وَالِدَیْهِ عِنْدَ الْکِبَرِ اَحَدَهُمَا اَوْ کِلَاهُمَا، ثُمَّ لَمْ یَدْخُلِ الْجَنَّةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ---[مسلم، ۶۵۱۰/ بیھقی، ۷۸۸۴/ مشکاۃ المصابیح، ۴۹۱۲/ کنز العمال، ۴۵۴۷۰]

''حضرت ابوھریرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا، اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو، عرض کیا گیا، یارسول اللہ! کس کی، فرمایا:

''جو اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے میں پائے پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہو''---

2 عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مِنَ الْکَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَیْهِ. قَالُوْا: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَ هَلْ یَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَیْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، یَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ، فَیَسُبُّ اَبَاهُ وَ یَسُبُّ اُمَّهُ فَیَسُبُّ اُمَّهُ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ---

[بخاری، ۵۹۷۳/ ترمذی، ۱۹۰۲/ مشکاۃ المصابیح، ۴۹۱۶/ کنز العمال، ۴۵۵۱۵]

''حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے روایت ہے کہا، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مرد کا

اپنے والدین کو گالی دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی یارسول اللہ! کیا مرد اپنے والدین کو بھی گالی دے سکتا ہے، فرمایا: ہاں کہ وہ کسی کے باپ کو گالی دے تو وہ اس کے باپ کو گالی اور یہ کسی ماں کو گالی دے تو وہ اس کی ماں کو گالی ہوئی"---

3 عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ مِنْ اَبَرِّ الْبِرِّ صِلَۃَ الرَّجُلِ اَھْلَ وُدِّ اَبِیْہِ بَعْدَ اَنْ یُوَلِّی ---[مسلم،۶۵۱۳/ترمذی،۱۹۰۳/ابوداود، ۵۱۴۳/مشکاۃ المصابیح،۴۹۱۷/کنز العمال،۴۵۴۵۴]

"ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک نیکیوں میں بہترین نیکی یہ ہے کہ مرد اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کے دوستوں سے نیک سلوک کرے"---

4 عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: رِضَی الرَّبِّ فِی رِضَی الْوَالِدِ وَ سَخَطُ الرَّبِّ فِیْ سَخَطِ الْوَالِدِ---

[رواہ الترمذی،۱۸۹۹/مشکاۃ المصابیح،۴۹۲۷]

"حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رب کی رضا والد کی رضا میں ہے اور رب کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے"---

5 عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ اَنَّ رَجُلًا اَتَاہُ فَقَالَ: اِنَّ لِیْ اِمْرَأَۃً وَ اِنَّ اُمِّیْ تَاْمُرُنِیْ بِطَلَاقِھَا فَقَالَ لَہٗ اَبُو الدَّرْدَاءِ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: اَلْوَالِدُ اَوْسَطُ اَبْوَابِ الْجَنَّۃِ فَاِنْ شِئْتَ فَحَافِظْ عَلَی الْبَابِ اَوْ ضَیِّعْ (وَ رُبَّمَا قَالَ سُفْیَانُ: اِنَّ اُمِّیْ وَ رُبَّمَا قَالَ: اَبِیْ وَ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ---[الترمذی،۱۹۰۰/ابن ماجہ،۳۶۶۳/بیہقی،۷/۸۴۷/مشکاۃ المصابیح،۴۹۲۸]

"حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا، بولا: میری بیوی ہے جب کہ میری ماں اسے طلاق دینے کا حکم دیتی ہے تو اس شخص سے ابوالدرداء نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ والدین جنت کے دروازوں میں بیچ کا دروازہ ہیں تو اگر تم چاہو تو دروازہ سنبھال لو یا اسے گرادو"---

6 عَنْ بَھْزِ بْنِ حَکِیْمٍ، عَنْ اَبِیْہِ، عَنْ جَدِّہٖ قَالَ قُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! مَنْ اَبَرُّ؟ قَالَ: اُمُّکَ. قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: اُمُّکَ. قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: اُمُّکَ. قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: اَبُوْکَ، ثُمَّ الْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ ---[بخاری،۵۹۷۱/ ابن ماجہ،۳۶۵۸/الترمذی،۱۸۹۷/ابوداود،۵۱۳۹/مشکاۃ المصابیح،۴۹۲۹]

''حضرت بہز بن حکیم رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں میں نے پوچھا ''یارسول اللہ! بھلائی کا زیادہ حق دار کون ہے۔فرمایا: تیری ماں، میں نے پھر پوچھا، پھر کون؟ فرمایا تیری ماں، میں نے کہا، پھر کون؟ فرمایا: تیری ماں، میں نے کہا پھر کون؟ فرمایا: تیرا باپ پھر جو قریبی ہو اور پھر جو اس سے قریب ہو''---

7 عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنَّانٌ، وَ لَا عَاقٌّ، وَ لَا مُدْمِنُ خَمْرٍ---

[النسائی، ۵۶۷۵/ الدارمی، ۲۰۹۴/ بیہقی، ۷۸۷۳/ مشکاۃ المصابیح، ۴۹۳۳]

''عبداللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، احسان جتانے والا، والدین کا نافرمان اور ہمیشہ شراب پینے والا جنت میں داخل نہ ہوں گے''---

8 عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا اَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اِنِّیْ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا عَظِیْمًا، فَھَلْ لِیْ مِنْ تَوْبَۃٍ؟ قَالَ: ھَلْ لَکَ مِنْ اُمٍّ؟ قَالَ: لَا. قَالَ: وَ ھَلْ لَکَ مِنْ خَالَۃٍ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَبِرَّھَا---

[الترمذی، ۱۹۰۴/ مشکاۃ المصابیح، ۴۹۳۵/ بیہقی، ۷۸۶۴]

''ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، ایک مرد نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے بہت بڑا گناہ کرلیا ہے کیا میری توبہ قبول ہے۔فرمایا، کیا تیری والدہ ہے، عرض کیا، نہیں، فرمایا، کیا تیری خالہ ہے؟ عرض کی، جی ہاں، فرمایا، تو ان کے ساتھ اچھا سلوک کر''---

9 عَنْ مُعَاوِیَۃَ بْنِ جَاھِمَۃَ اَنَّ جَاھِمَۃَ جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَرَدْتُّ اَنْ اَغْزُوَ وَ قَدْ جِئْتُ اَسْتَشِیْرُکَ، فَقَالَ: ھَلْ لَکَ مِنْ اُمٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَالْزَمْھَا، فَاِنَّ الْجَنَّۃَ عِنْدَ رِجْلِھَا (رِجْلَیْھَا)---

[النسائی، ۳۱۰۶/ بیہقی فی شعب الایمان، ۷۸۳۳/ مشکاۃ المصابیح، ۴۹۳۹/ ابن ماجہ، ۲۷۸۱]

''حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے، عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) میں جہاد کرنا چاہتا ہوں اور آپ سے مشورہ لینے حاضر ہوا ہوں۔فرمایا: کیا تیری ماں ہے؟ عرض کیا، جی ہاں، فرمایا: اسے لازم کرلو کیوں کہ جنت اس کے قدموں کے پاس ہے''---

10 عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: کَانَتْ تَحْتِیْ اِمْرَاَۃٌ اُحِبُّھَا وَ کَانَ عُمَرُ

یَکْرَهُهَا، فَقَالَ لِیْ: طَلِّقْهَا، فَاَبَیْتُ، فَاَتٰی عُمَرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، فَذَکَرَ ذٰلِکَ لَهٗ، فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَلِّقْهَا---

[الترمذی،۱۱۸۹/ ابوداود،۵۱۳۸/ مشکاۃ المصابیح،۴۹۴۰/ بیہقی ۷۸۴۹]

''حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں، میرے پاس ایک بیوی تھی جو مجھے محبوب تھی، جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے ناپسند کرتے تھے۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ بیوی کو طلاق دے دے، میں نے انکار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بیوی کو طلاق دینے کا حکم ارشاد فرمایا''---

11 عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا حَقُّ الْوَالِدَیْنِ عَلٰی وَلَدِهِمَا؟ قَالَ: هُمَا جَنَّتُکَ وَ نَارُکَ---[ابن ماجہ،۳۶۶۲/ مشکاۃ المصابیح،۴۹۴۱]

''ابوامامہ سے روایت ہے کہ ایک مرد نے عرض کی یارسول اللہ! والدین کا اپنی اولاد پر کیا حق ہے؟ فرمایا: وہ دونوں تیری جنت و دوزخ ہیں''---

12 عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ الْعَبْدَ لَیَمُوْتُ وَالِدَاهُ اَوْ اَحَدُهُمَا وَ اِنَّهٗ لَهُمَا لَعَاقٌّ، فَلَا یَزَالُ یَدْعُوْ لَهُمَا وَ یَسْتَغْفِرُ لَهُمَا حَتّٰی یَکْتُبَهُ اللّٰهُ بَارًّا---[مشکاۃ المصابیح،۴۹۴۲/ بیہقی،۷۹۰۲]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ کوئی بندہ جس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے اور وہ ان کا نافرمان ہو پھر وہ ان کے لیے دعا کرتا رہے بخشش مانگتا رہے یہاں تک اللہ تعالیٰ اسے نیک لکھ دیتا ہے''---

13 عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ اَصْبَحَ مُطِیْعًا لِلّٰهِ فِیْ وَالِدَیْهِ اَصْبَحَ لَهٗ بَابَانِ مَفْتُوْحَانِ مِنَ الْجَنَّةِ وَ اِنْ کَانَ وَاحِدًا فَوَاحِدًا، وَ مَنْ اَمْسٰی عَاصِیًا لِلّٰهِ فِیْ وَالِدَیْهِ اَصْبَحَ لَهٗ بَابَانِ مَفْتُوْحَانِ مِنَ النَّارِ وَ اِنْ کَانَ وَاحِدًا فَوَاحِدًا. قَالَ رَجُلٌ: وَ اِنْ ظَلَمَاهُ؟ قَالَ: وَ اِنْ ظَلَمَاهُ وَ اِنْ ظَلَمَاهُ وَ اِنْ ظَلَمَاهُ---

[کنز العمال،۴۵۴۷۴/ مشکاۃ المصابیح،۴۹۴۳/ بیہقی،۷۹۱۶/ مسند الفردوس،۵۹۴۲]

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو اللہ کا اپنے والدین کے بارے میں فرماں بردار ہو تو اس کے لیے جنت کے دروازے کھل

جاتے ہیں، اگر ان میں سے ایک ہو تو ایک دروازہ اور جو اپنے والدین کے متعلق اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہو، اس کے لیے آگ کے دروازے کھل جاتے ہیں اگر ایک ہو تو ایک دروازہ، ایک شخص نے عرض کیا اگرچہ وہ ظلم کریں، فرمایا: اگرچہ وہ اس پر ظلم کریں، اگرچہ وہ اس پر ظلم کریں، اگرچہ وہ اس پر ظلم کریں"---

14 اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: مَا مِنْ وَلَدٍ بَارٍّ یَنْظُرُ اِلٰی وَالِدَیْہِ نَظْرَۃَ رَحْمَۃٍ اِلَّا کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ بِکُلِّ نَظْرَۃٍ حَجَّۃً مَّبْرُوْرَۃً. قَالُوْا: وَ اِنْ نَظَرَ کُلَّ یَوْمٍ مِائَۃَ مَرَّۃٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ اَطْیَبُ---

[مشکوٰۃ المصابیح، ۴۹۴۴/ بیہقی، ۷۸۵۶/ کنز العمال، ۴۵۴۸۸]

"فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو لڑکا اپنے والدین کو ایک بار نظرِ رحمت سے دیکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس نظر کے عوض ایک مقبول حج لکھتا ہے، عرض کیا گیا اگرچہ ہر دن سو بار دیکھے، فرمایا: ہاں اللہ بہت بڑا اور پاک ہے"---

15 عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ (رضی اللہ عنہ) قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: کُلُّ الذُّنُوْبِ یَغْفِرُ اللّٰہُ مِنْھَا مَا شَاءَ اِلَّا عُقُوْقَ الْوَالِدَیْنِ فَاِنَّہٗ یُعَجِّلُ لِصَاحِبِہٖ فِی الْحَیَاۃِ قَبْلَ الْمَمَاتِ---[مشکوٰۃ المصابیح، ۴۹۴۵/ بیہقی، ۷۸۹۰/ کنز العمال، ۴۵۵۳۷]

"حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے، تمام گناہوں میں سے اللہ تعالیٰ جو چاہے گا بخش دے گا سوائے والدین کی نافرمانی کے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو موت سے پہلے زندگی ہی میں سزا دینے میں جلدی فرماتا ہے"---

16 اَلْجَنَّۃُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّھَاتِ---

[کنز العمال، ۴۵۴۳۱/ مسند الفردوس، ۲۶۱۱]

"جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے"---

17 لَوْ کَانَ جُرَیْجُ الرَّاھِبُ فَقِیْھًا عَالِمًا لَعُلِمَ اَنَّ اِجَابَۃَ دُعَاءِ اُمِّہٖ اَوْلٰی مِنْ عِبَادَۃِ رَبِّہٖ---[کنز العمال، ۴۵۴۳۳/ بیہقی، ۷۸۸۰]

"اگر جریج راہب سمجھ دار عالم ہوتا تو اسے یہ بات معلوم ہوتی کہ ماں کے بلاوے کا جواب ربّ کی (نفل) عبادت کرنے سے بہتر ہے"---

18 مَنْ قَبَّلَ بَیْنَ عَیْنَیْ اُمِّہٖ کَانَ لَہٗ سِتْرًا مِنَ النَّارِ---

[کنز العمال، ۴۵۴۳۴/ بیہقی، ۷۸۶۱/ مسند الفردوس، ۵۶۵۰/ فیض القدیر، ۸۹۰۶]

''جس نے اپنی ماں کی آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا تو یہ اس کے لیے دوزخ سے آڑ ہے''---

19 اِلْـزَمْ رِجْـلَهَـا، فَـاِنَّ الْـجَـنَّةَ تَـحْـتَ اَقْـدَامِهَـا يَعْنِـيْ الْوَالِدَةَ---[کنزالعمال،۴۵۴۳۵]

''ماں کے قدموں کولازم کرے، کیوں کہ جنت اس کے قدموں تلے ہے''---

20 اِلْزَمْ رِجْلَهَا فَثَمَّ الْجَنَّةُ---[کنزالعمال،۴۵۴۳۶]

''تو ماں کے قدموں سے چمٹارہ کہ وہاں جنت ہے''---

21 اَلْاَبُ وَ الْاُمُّ، آمُرُکَ بِالْوَالِدَيْنِ خَيْرًا---[کنزالعمال،۴۵۴۳۷]

''ماں اور باپ، میں تجھے والدین سے بھلائی کا حکم دیتا ہوں''---

22 اُوْصِیْ الرَّجُلَ بِاُمِّهٖ، اُوْصِیْ الرَّجُلَ بِاُمِّهٖ، اُوْصِیْ الرَّجُلَ بِاُمِّهٖ، اُوْصِیْ الرَّجُلَ بِاَبِيْهِ اُوْصِیْ الرَّجُلَ بِمَوْلَاهُ الَّذِیْ يَلِيْهِ وَ اِنْ کَانَ عَلَيْهِ مِنْهُ اَذْنٰی يُؤَدِّيْهِ---[کنزالعمال،۴۵۴۳۸/بیہقی،۸۴۱/۷/مسند الفردوس،۱۷۵۰]

''فرمایا، میں مرد کو اس کی ماں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں، میں مرد کو اس کی ماں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں، مَیں مرد کو اس کی ماں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں، مَیں مرد کو ان کے باپ کے بارے میں وصیت کرتا ہوں، جو ان کے قریبی ہیں، اگرچہ اس پر بہت کم لازم ہو، ادا کرے''---

23 اِنَّ الـلّٰـهَ تَـعَـالٰـی يُـوْصِـيْـکُـمْ بِـاُمَّهَاتِکُمْ. ثَـلَاثًا. اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی يُـوْصِـيْـکُـمْ بِـآبَـائِـکُـمْ. مَـرَّتَـيْـنِ. اِنَّ الـلّٰـهَ تَعَالٰی يُوْصِيْکُمْ بِـالْاَقْرَبِ فَالْاَقْرَبِ---[ابن ماجہ،۳۶۶۱/بیہقی،۸۴۵/۷/کنزالعمال،۴۵۴۳۹]

''تحقیق اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ماؤں کے بارے میں تاکید فرماتا ہے۔ یہ تین مرتبہ فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے باپوں کے بارے میں تمہیں تاکید فرماتا ہے۔ یہ دو مرتبہ فرمایا۔ پھر اللہ تمہیں تاکید فرماتا ہے اُن کے بارے میں جو قریب ہوں، پھر ان کے بعد جو قریب ہوں''---

24 اَتَـانِـیْ جِبْـرِيْلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ! مَنْ اَدْرَکَ اَحَدَ وَالِدَيْهِ فَمَاتَ فَـدَخَـلَ الـنَّـارَ فَـاَبْـعَـدَهُ اللّٰهُ، قُلْ آمِيْنَ. فَقُلْتُ آمِيْنَ. قَالَ يَا مُحَمَّدُ! مَنْ اَدْرَکَ شَهْـرَ رَمَـضَـانَ فَـمَاتَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهٗ فَاُدْخِلَ النَّارَ فَاَبْعَدَ اللّٰهُ، قُلْ:

آمِیْنَ. فَقُلْتُ آمِیْنَ. قَالَ: مَنْ ذُکِرْتَ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیْکَ فَمَاتَ فَدَخَلَ النَّارَ فَاَبْعَدَهُ اللّٰهُ، قُلْ آمِیْنَ. فَقُلْتُ آمِیْنَ---[کنز العمال،۴۵۴۴۰]

''فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جبریل میرے پاس آئے اور فرمایا کہ یا رسول اللہ! جو اپنے والدین میں سے کسی ایک کو پائے پھر وہ ان کو راضی نہ کرے اور مر جائے تو جہنم میں داخل ہو، پس اللہ تعالیٰ اسے دور کر دے گا۔ فرمایئے آمین، مَیں نے کہا، آمین، کہا، یا رسول اللہ! جو ماہِ رمضان کو پائے اور بغیر مغفرت کے مر جائے تو اللہ تعالیٰ اسے دور کر دے۔ فرمایئے، امین، مَیں نے کہا، آمین، کہا، جس کے پاس آپ کا ذکر کیا گیا اور اس نے آپ پر درود نہ پڑھا پھر مرا تو داخلِ جہنم ہوا، تو اللہ اسے دور کر دے، فرمایئے، آمین، مَیں نے کہا، آمین''---

25 اَمَا عَلِمْتَ اَنَّکَ وَ مَالَکَ مِنْ کَسْبِ اَبِیْکَ؟---
[کنز العمال،۴۵۴۴۲]

''کیا تو جانتا ہے کہ تو اور تیرا مال تیرے والد کی کمائی ہے؟''---

26 اَنْتَ وَ مَالُکَ لِوَالِدِکَ. اِنَّ اَوْلَادَکُمْ مِنْ اَطْیَبِ کَسْبِکُمْ فَکُلُوْا مِمَّا کَسَبَ اَوْلَادُکُمْ---[کنز العمال،۴۵۴۴۳]

''تو اور تیرا مال تیرے والد کا ہے، بے شک تمہاری اولاد تمہاری بہترین کمائی ہے، تو اپنی اولاد کی کمائی میں سے کھاؤ''---

27 هُمَا جَنَّتُکَ وَ نَارُکَ یَعْنِی الْوَالِدَیْنِ---[کنز العمال،۴۵۴۴۵]

''وہ والدین تیری جنت و دوزخ ہیں''---

28 اِنَّ مِنْ اَکْبَرِ الْکَبَائِرِ اَنْ یَّلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَیْهِ، یَلْعَنُ اَبَا الرَّجُلِ فَیَلْعَنُ اَبَاهُ وَ یَلْعَنُ اُمَّهٗ فَیَلْعَنُ اُمَّهٗ---[کنز العمال،۴۵۴۴۸/ ابوداؤد،۵۱۴۱]

''کبیرہ گناہوں میں سے بڑا گناہ ہے کہ مرد اپنے والدین پر لعنت کرے، وہ کسی کے والد کو لعنت کرتا ہے تو وہ اس کے والد کو لعنت کرتا ہے اور وہ کسی کی ماں کو لعنت کرتا ہے تو وہ اس کی ماں کو لعنت کرتا ہے''---

29 اِثْنَتَانِ یُعَجِّلُهُمَا اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا الْبَغْیُ وَ عُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ---[کنز العمال،۴۵۴۵۰]

''دو کام ایسے ہیں جس کی سزا اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں جلد دے دیتا ہے، بغاوت اور

والدین کی نافرمانی"---

30 اِحْفَظْ وُدَّ اَبِیْکَ، لَا تَقْطَعْہُ فَیُطْفِیءُ اللّٰہُ نُوْرَکَ---[کنزالعمال،۴۵۴۵۲]

"اپنے باپ کے دوستوں کا خیال رکھ، ان سے قطع تعلق نہ کر، ورنہ اللہ تعالیٰ تیرا نور بجھادے گا"----

عَنْ اَبِیْ مُلَیْکَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ وُدَّکَ وَ وُدَّ اَبِیْکَ لَا تَقْطَعْ فَیُطْفِیءُ بِذٰلِکَ نُوْرَکَ---[بیہقی،۷۸۹۸]

"ابوملیکہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تو اپنے باپ کے دوستوں اور اپنے دوستوں سے قطع تعلق نہ کر کہ اس سبب سے کہیں تیرا نور بجھ نہ جائے"---

31 اِذَا نَظَرَ الْوَالِدُ اِلٰی وَلَدِہٖ نَظْرَۃً کَانَ لِلْوَلَدِ عِدْلُ عِتْقِ نَسَمَۃٍ---[کنزالعمال،۴۵۴۵۳]

"جب والد اپنے بچے پر ایک نظرِ رحمت کرتا ہے تو اس کے لیے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب لکھا جاتا ہے"---

32 مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَصِلَ اَبَاہُ فِیْ قَبْرِہٖ فَلْیَصِلْ اِخْوَانَ اَبِیْہِ مِنْ بَعْدِہٖ---[کنزالعمال،۴۵۴۵۶]

"جسے پسند ہو کہ وہ اپنے ماں باپ سے قبر میں صلہ رحمی کرے تو وہ شخص ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کے دوستوں سے صلہ رحمی کرے"---

33 بَابَانِ یُعَجَّلَانِ عُقُوْبَتَہُمَا اَلْبَغْیُ وَ الْعُقُوْقُ---[کنزالعمال،۴۵۴۵۸]

"دو دروازے جو سزا میں جلدی کرنے والے ہیں، بغاوت اور والدین کی نافرمانی ہے"---

34 اَلْبَارُّ لَا یَمُوْتُ مِیْتَۃَ السُّوْءِ---[مسند الفردوس،۲۲۰۷]

"نیک شخص (والدین کی فرماں برداری کرنے والا) بری موت نہیں مرتا"---

35 "یحییٰ بن ابوکثیر روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب ابوموسیٰ اور ابوعامر نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر بیعت اسلام کی۔ فرمایا، تمہاری فلاں فلاں عورت نے کیا کیا؟ عرض کی ہم ان کو ان کے اہل میں چھوڑ کر آئے ہیں۔ فرمایا، ان کی بخشش ہوگئی، عرض کی: وہ کیسے یارسول اللہ؟ فرمایا، اس نے اپنی والدہ کے ساتھ

نیکی کی ہے۔ فرمایا، اس کی ایک بوڑھی ماں تھی، ایک دفعہ ایک ڈرانے والے نے کہا کہ دشمن رات کو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے لہٰذا تم یہاں سے جاؤ اور بڑی قوم کے ساتھ مل جاؤ۔ ان کے پاس کوئی سواری نہ تھی کہ جس پر وہ سفر کرتے تو اس نے اپنی ماں کو پیٹھ پر اٹھایا، جب تھکتی تو رکھ دیتی پھر اپنے پیٹ کو ماں کے پیٹ سے ملا دیتی اور اپنے پاؤں ماں کے قدموں تلے گرمی سے بچانے کے لیے رکھ دیتی یہاں تک کہ وہ بچ گئی'' ---[بیہقی، ۷۹۲۴]

36 عَنِ الْاَشْجَعِیِّ قَالَ طَلَبَتْ اُمُّ مِسْعَرٍ لَیْلَۃً مِنْ مِسْعَرٍ مَاءً قَالَ فَقَامَ فَجَاءَ بِالْکُوْزِ فَصَادَفَھَا وَ قَدْ نَامَتْ فَقَامَ عَلٰی رِجْلَیْہِ بِیَدِہِ الْکُوْزُ اِلٰی اَنْ اَصْبَحَتْ فَسَقَاھَا---[بیہقی، ۷۹۲۲]

''حضرت اشجعی روایت کرتے ہیں کہ ام مسعر نے ایک رات مسعر سے پانی مانگا جب وہ پانی لے کر آئے تو والدہ سو چکی تھیں تو وہ پیالہ لے کر کھڑے رہے یہاں تک صبح ہو گئی اور ان کی ماں نے جاگ کر پانی پیا'' ---

37 اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَزِیْدُ فِیْ عُمُرِ الرَّجُلِ بِبِرِّہٖ وَالِدَیْہِ---[کنز العمال، ۴۵۴۵۹]

''اللہ تعالیٰ والدین سے بھلائی کرنے کے سبب مرد کی عمر دراز فرماتا ہے'' ---

38 بِرُّ الْوَالِدَیْنِ یُجْزِیْ مِنَ الْجِھَادِ---

[کنز العمال، ۴۵۴۶۶/ مسند الفردوس، ۲۰۹۱]

''والدین کے ساتھ حسنِ سلوک جہاد سے بڑھ کر نیکی ہے'' ---

39 بِرُّ الْوَالِدَیْنِ یَزِیْدُ فِی الْعُمُرِ وَ الْکِذْبُ یَنْقُصُ الرِّزْقَ وَ الدُّعَاءُ یَرُدُّ الْقَضَاءَ وَ لِلّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ فِیْ خَلْقِہٖ قَضَاءَانِ قَضَاءٌ نَافِذٌ وَ قَضَاءٌ مُحْدَثٌ وَ لِلْاَنْبِیَاءِ عَلَی الْعُلَمَاءِ فَضْلُ دَرَجَتَیْنِ وَ لِلْعُلَمَاءِ عَلَی الشُّھَدَاءِ فَضْلُ دَرَجَۃٍ---[کنز العمال، ۴۵۴۶۷/ کامل ابن عدی، صفحہ ۴۷۹]

''والدین سے حسنِ سلوک عمر میں اضافہ کرتا ہے، جھوٹ رزق میں کمی لاتا ہے، دعا تقدیر کو لوٹاتی ہے، مخلوق میں اللہ کی طرف سے دو قضا ہیں ایک جو ہو چکی اور ایک جو ہونے والی ہے۔ انبیاء، علماء سے دو درجے افضل ہیں اور علماء شہداء سے ایک درجہ افضل ہیں'' ---

40 طَاعَةُ اللّٰهِ طَاعَةُ الْوَالِدِ وَ مَعْصِیَةُ اللّٰهِ مَعْصِیَةُ الْوَالِدِ---
[کنز العمال، ۴۵۴۷۱/ مسند الفردوس، ۳۹۴۷]
''والد کی اطاعت اللہ کی فرماں برداری ہے اور والد کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے''---

41 اَلْعَبْدُ الْمُطِیْعُ لِوَالِدَیْهِ وَ لِرَبِّهٖ فِیْ اَعْلٰی عِلِّیِّیْنَ---
[کنز العمال، ۴۵۴۷۲]
''اپنے رب اور اپنے والدین کا فرماں بردار شخص اعلیٰ علیین میں رہے گا''---

42 مَنْ بَرَّ وَالِدَیْهِ طُوْبٰی لَهٗ، زَادَ اللّٰهُ فِیْ عُمْرِهٖ---
[کنز العمال، ۴۵۴۷۵/ مسند الفردوس، ۵۶۶۰/ بیہقی، ۷۸۵۴/ مسند ابی یعلی، ۱۴۹۵]
''جس نے والدین کے ساتھ نیکی کی اس کے لیے اچھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی عمر بڑھا دیتا ہے''---

43 عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَمُدَّ اللّٰهُ فِیْ عُمْرِهٖ وَ یَزِیْدُ فِیْ رِزْقِهٖ فَلْیَبِرَّ وَالِدَیْهِ وَ لْیَصِلْ رَحِمَهٗ---[بیہقی، ۷۸۵۵/ کنز العمال، ۴۵۵۱۳/ مسند احمد، ۱۳۸۴۸]
''جسے یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر دراز اور رزق میں وسعت عطا فرمائے تو وہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی اور صلہ رحمی کرے''---

44 اَلْوَالِدُ اَوْسَطُ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ---[کنز العمال، ۴۵۴۸۱]
''والد جنت کے دروازوں کا درمیان ہے''---

45 اِنَّمَا سَمَّاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَلْاَبْرَارَ لِاَنَّهُمْ بَرُّوا الْاٰبَاءَ وَ الْاُمَّهَاتِ وَ الْاَبْنَاءَ، کَمَا اَنَّ لِوَالِدَیْکَ عَلَیْکَ حَقًّا کَذٰلِکَ لِوَلَدِکَ---
[کنز العمال، ۴۵۴۸۴]
''اللہ تعالیٰ نے ان کا نام ''ابرار'' رکھا کیوں کہ انہوں نے اپنے والدین اور اولاد سے اچھا سلوک کیا، جس طرح تیرے والدین کا تجھ پر حق ہے اسی طرح تیری اولاد کا تجھ پر حق ہے''---

46 تُعْرَضُ الْاَعْمَالُ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَ الْخَمِیْسِ عَلَی اللّٰهِ وَ تُعْرَضُ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلَی الْاٰبَاءِ وَ الْاُمَّهَاتِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَیَفْرَحُوْنَ بِحَسَنَاتِهِمْ

وَ تَزْدَادُ وُجُوْهُهُمْ بَیَاضًا وَ اِشْرَاقًا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا تُؤْذُوْا مَوْتَاکُمْ---[کنزالعمال، ۴۵۴۸۵]

"اعمال پیر اور جمعرات کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیے جاتے ہیں انبیاء و والدین پر جمعہ کو، تو وہ نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور ان کے چہرے خوشی سے چمک اُٹھتے ہیں، پس تم اللہ سے ڈرو اور اپنے مُردوں کو تکلیف نہ دو"---

47 لَیْسَ الْجِهَادُ اَنْ یَضْرِبَ الرَّجُلُ بِسَیْفِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، اِنَّمَا الْجِهَادُ مَنْ عَالَ وَالِدَیْهِ وَ عَالَ وَلَدَهٗ فَهُوَ فِیْ جِهَادٍ وَ مَنْ عَالَ نَفْسَهٗ فَکَفَّهَا عَنِ النَّاسِ فَهُوَ فِیْ جِهَادٍ---[کنزالعمال، ۴۵۴۸۶]

"جہاد صرف یہی نہیں کہ آدمی اللہ کی راہ میں تلوار چلائے بلکہ اپنے والدین اور اولاد کے لیے کمانے والا بھی جہاد میں ہے۔ تو جو اپنی ذات کے لیے کمائے اور اپنی ذات کو لوگوں سے مانگنے سے روکے تو وہ بھی جہاد میں ہے"---

48 مَنْ اَرْضٰی وَالِدَیْهِ فَقَدْ اَرْضَی اللّٰهَ وَ مَنْ اَسْخَطَ وَالِدَیْهِ فَقَدْ اَسْخَطَ اللّٰهَ---[کنزالعمال، ۴۵۴۸۹]

"جس نے اپنے والدین کو راضی کیا بے شک اس نے اللہ کو راضی کیا اور جس نے اپنے والدین کو ناراض کیا بلاشبہ اس نے اللہ کو ناراض کیا"---

49 اِنْ دَعَاکَ اَبَوَاکَ وَ اَنْتَ فِی الصَّلَاةِ فَاَجِبْ اُمَّکَ وَ لَا تُجِبْ اَبَاکَ---[کنزالعمال، ۴۵۴۹۱/ مسند الفردوس، ۷۸۸۳]

"جب تیرے ماں باپ تجھے (نفل) نماز کی حالت میں بلائیں تو اپنی ماں کی پکار کا جواب دے اور باپ کی پکار کا جواب نہ دے"---

50 لَوْ اَدْرَکْتُ وَالِدَیَّ اَوْ اَحَدَهُمَا وَ اَنَا فِیْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ وَ قَدْ قَرَأْتُ فِیْهَا بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ تُنَادِیْ یَا مُحَمَّدُ لَاَجَبْتُهَا لَبَّیْکَ---[بیہقی، ۷۸۸۱]

"فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اگر مَیں والدین یا ان میں سے کسی ایک کو پاتا اور مَیں عشاء کی نماز شروع کر چکا ہوتا اور مَیں سورۃ فاتحہ پڑھتا کہ میری ماں مجھے بلاتی یا محمد! تو مَیں ان کی پکار پر لبیک کہتا"---

51 هَلْ بَقِیَ اَحَدٌ مِنْ وَالِدَیْکَ؟ قَالَ: اُمِّیْ. قَالَ: قَابِلْ فِیْ بِرِّهَا، فَاِذَا فَعَلْتَ فَاَنْتَ حَاجٌّ وَ مُعْتَمِرٌ وَ مُجَاهِدٌ، فَاِذَا رَضِیَتْ عَلَیْکَ اُمُّکَ

فَاتَّقِ اللّٰهَ وَ بِرَّهَا---[کنز العمال، ۴۵۴۹۴]

''فرمایا: کیا تیرے والدین میں سے کوئی ایک زندہ ہے؟ عرض کی، جی ہاں، میری ماں، فرمایا اس کی طرف نیکی کے ساتھ متوجہ ہو۔ جب تو یہ کرے گا تو تو حاجی، عمرہ کرنے والا اور مجاہد ہے۔ جب تیری ماں تجھ سے راضی ہو جائے تو تو اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کے ساتھ نیک سلوک رکھ''---

52 حَیَّةٌ وَالِدَتُکَ فَبِرَّهَا فَتَکُوْنَ قَرِیْبًا مِنَ الْجَنَّةِ---
[کنز العمال، ۴۵۴۹۵]

''فرمایا: تیری والدہ زندہ ہے تو تو اس کے ساتھ اچھا سلوک کر، تو جنت کے قریب ہو جائے گا''---

53 لَا تَبْرَحْ مِنْ اُمِّکَ حَتّٰی تَأْذَنَ لَکَ اَوْ یَتَوَفَّاهَا الْمَوْتُ لِاَنَّهٗ اَعْظَمُ لِاَجْرِکَ---[کنز العمال، ۴۵۴۹۶]

''تو اپنی ماں کا ساتھ نہ چھوڑ جب تک وہ تجھے اجازت نہ دے یا اسے موت آلے کیوں کہ یہ (ماں کے ساتھ رہنا) تیرے لیے بہترین نیکی ہے''---

54 کُرِهَ لَکُمْ عُقُوْقُ الْاُمَّهَاتِ---[کنز العمال، ۴۵۴۹۷]

''ماؤں کے ساتھ نافرمانی تمہارے لیے ناپسندیدہ ہے''---

55 ''والد کا لڑکے پر حق ہے کہ غصے کے وقت اس کے لیے عاجزی کرے اور بیماری و شکایت میں اس کی طرف توجہ دے کیوں کہ بھلائی تعلق رکھنے والے کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تعلق جوڑنے والا وہ ہے جس کے ساتھ تعلق توڑا جائے تو وہ اسے جوڑے''---[کنز العمال، ۴۵۵۰۴]

56 حَقُّ الْوَالِدِ عَلٰی وَلَدِهٖ اَنْ لَا یُسَمِّیَهٗ اِلَّا بِمَا سَمّٰی اِبْرَاهِیْمُ بِهٖ اَبَاهُ: (یَآبَتِ) وَ لَا یُسَمِّیْهِ بِاسْمِهٖ---[کنز العمال، ۴۵۵۰۵]

''والد کا بیٹے پر یہ حق ہے کہ وہ اس کو نام سے نہ پکارے مگر جس نام سے ابراہیم نے اپنے والد کو پکارا (اے میرے والد) اور اس کو نام لے کر نہ پکارے''---

57 لَا تَمْشِ اَمَامَ اَبِیْکَ وَ لَا تَسْتَسِبَّ لَهٗ وَ لَا تَجْلِسْ قَبْلَهٗ وَ لَا تَدْعُهٗ بِاسْمِهٖ---[کنز العمال، ۴۵۵۰۶]

''فرمایا: تو اپنے والد کے آگے نہ چل، نہ ان کو گالی دے اور نہ ان کے آگے بیٹھ

اور نہ ہی ان کو ان کے نام کے ساتھ پکار"---

58 بِرَّ اُمَّکَ ثُمَّ اَبَاکَ ثُمَّ اَخَاکَ ثُمَّ اُخْتَکَ---[کنز العمال، ۴۵۵۱۱]
"تو نیک سلوک کر ماں، پھر باپ پھر اپنے بھائی اور پھر اپنی بہن کے ساتھ"---

59 "فرمایا: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو جو صحیفے عطا فرمائے ان میں تھا، میرا اور اپنے والدین کا شکر گزار رہ، تو میں تجھے نقصان سے بچالوں گا اور تیری عمر میں کشادگی کروں گا اور تجھے پاک زندگی بخشوں گا اور تجھے اس سے بہتر کی طرف خلاصی دوں گا"---[کنز العمال، ۴۵۵۱۴]

60 نَوْمُکَ عَلَی السَّرِیْرِ بِرًّا بِوَالِدَیْکَ تُضْحِکُھُمَا یُضْحِکَانِکَ اَفْضَلَ مِنْ جَلَادِکَ (جِھَادِکَ) بِالسَّیْفِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ---[کنز العمال، ۴۵۵۱۶/ بیہقی، ۷۸۳۶]

"تیرا بستر پر سوتے رہنا اس حال میں کہ تو والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے تو ان کو خوش کرے جس طرح انہوں نے تجھے خوش کیا، بہتر ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیرے تلوار چلانے سے"---

61 یَأْکُلُ الْوَالِدَانِ مِنْ مَالِ وَلَدِھِمَا بِالْمَعْرُوْفِ وَ لَیْسَ لِلْوَلَدِ اَنْ یَأْکُلَ مِنْ مَالِ وَالِدَیْہِ اِلَّا بِاِذْنِھِمَا---[کنز العمال، ۴۵۵۱۸]
"والدین کے لیے جائز ہے کہ وہ بہتر طریقے سے اپنی اولاد کا مال کھائیں، لیکن بیٹے کے لیے بغیر اجازت ان کے مال سے کھانا جائز نہیں"---

62 یُقَالُ لِلْعَاقِ: اِعْمَلْ مَا شِئْتَ مِنَ الطَّاعَۃِ فَاِنِّیْ لَا اَغْفِرُ لَکَ وَ یُقَالُ لِلْبَارِّ: اِعْمَلْ مَا شِئْتَ فَاِنِّیْ اَغْفِرُ لَکَ---[کنز العمال، ۴۵۵۱۹]
"والدین کے نافرمان کو کہا جاتا ہے تو جو مرضی اطاعت کر، میں تیری مغفرت نہیں کروں گا اور ماں باپ سے نیکی کرنے والے کو کہا جاتا ہے، تو جو چاہے کر، میں تیری مغفرت کر دوں گا"---

63 لَمْ یَتْلُ الْقُرْآنَ مَنْ لَمْ یَعْمَلْ بِہٖ وَ لَمْ یَبِرَّ وَالِدَیْہِ مَنْ اَحَدَّ النَّظَرَ اِلَیْھِمَا فِیْ حَالِ الْعُقُوْقِ اُولٰئِکَ بَرَاءٌ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْھُمْ بَرِیْءٌ---

[کنز العمال، ۴۵۵۲۱]

"فرمایا: جو قرآن پر عمل نہیں کرتا وہ قرآن کی تلاوت کرنے والا نہیں، وہ اپنے

والدین سے حسن سلوک کرنے والا نہیں، جو نافرمانی کی حالت میں ان کو گھورے، وہ شخص ہم سے بَری اور ہم ان سے بَری ہیں" ---

64 عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِذَا نَظَرَ الْوَالِدُ اِلٰی وَلَدِہٖ (یُعْنِیْ سَرَّ بِہٖ) کَانَ لِلْوَلَدِ عِتْقُ نَسَمَۃٍ. قَالَ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! وَ اِنْ نَظَرَ سِتِّیْنَ وَ ثَلٰثِمِائَۃِ نَظْرَۃً؟ قَالَ: اَللّٰہُ اَکْبَرُ مِنْ ذٰلِکَ ---

[بیہقی، ۷۸۵۷/ کنز العمال، ۴۵۴۵۳]

"ابنِ عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب باپ اپنے بیٹے کی طرف نظرِ شفقت کرے، یعنی اسے خوش کردے تو بیٹے کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے، عرض کیا گیا، اگرچہ وہ 360 بار نظر کرے۔ فرمایا، اللہ کی ذات اس سے کہیں زیادہ بڑی ہے" ---

65 اَلنَّظْرُ فِیْ ثَلَاثَۃِ اَشْیَاءَ عِبَادَۃٌ، اَلنَّظْرُ فِیْ وَجْہِ الْاَبَوَیْنِ وَ فِی الْمُصْحَفِ وَ فِی الْبَحْرِ --- [کنز العمال، ۴۵۵۲۸/ مسند الفردوس، ۶۸۷۳]

"فرمایا: تین چیزوں کو (محبت سے) دیکھنا عبادت ہے، والدین کی طرف دیکھنا، قرآن دیکھنا اور سمندر دیکھنا" ---

66 مَنْ اَحْزَنَ وَالِدَیْہِ فَقَدْ عَقَّھُمَا --- [کنز العمال، ۴۵۵۲۹]

"جس نے اپنے والدین کو غم گین کیا تو تحقیق اس نے ان کی نافرمانی کی" ---

67 مَنْ اَدْرَکَ وَالِدَیْہِ اَوْ اَحَدَھُمَا ثُمَّ دَخَلَ النَّارَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ فَاَبْعَدَہُ اللّٰہُ وَ اَسْحَقَہٗ --- [کنز العمال، ۴۵۵۳۰]

"فرمایا: جس نے اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو پایا، اس کے بعد بھی وہ جہنم میں داخل ہوا تو اللہ تعالیٰ اسے دور کردیتا ہے اور اس سے ناراض ہوتا ہے" ---

68 "فرمایا: والدین کے فرمانے کے بعد جس نے ان کی طرف سے قرض ادا کیا یا اور ان کی سنت پوری کردی اور ان کو گالی نہ دی تو بے شک اس نے ان کے ساتھ نیکی کی اگرچہ وہ ان کا نافرمان ہو اور جس نے ان کے قرض کو ادا نہ کیا اور ان کی منّت پوری نہ کی اور ان کو گالی دی تو اس نے اِن کی نافرمانی کی، اگرچہ زندگی میں ان کا فرماں بردار رہا ہو" --- [کنز العمال، ۴۵۵۳۳]

69 اَلْبَابُ الْاَوْسَطُ مَفْتُوْحٌ لِبِرِّ الْوَالِدَیْنِ فَمَنْ بَرَّھُمَا فُتِحَ لَہٗ وَ مَنْ

عَقَّهُمَا غُلِقَ دُوْنَهُ---[کنز العمال، ۴۵۵۳۴]

''فرمایا: بیچ کا دروازہ، والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والے کے لیے کھولا جاتا ہے تو جو والدین سے حسنِ سلوک کرے تو اس کے لیے وہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور جو نافرمانی کرے تو اس کے لیے وہ دروازہ بند کر دیا جاتا ہے''---

70 لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَيْهِ وَ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ آوٰى مُحْدِثًا وَ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الْاَرْضِ---[کنز العمال، ۴۵۵۳۸]

''فرمایا: والدین پر لعنت کرنے والے پر اللہ کی لعنت۔ غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے والے پر اللہ کی لعنت، بدعت لانے والے پر اللہ کی لعنت، زمین کے علامتی نشانوں کو بدلنے والے پر اللہ کی لعنت''---

71 مَا بَرَّ اَبَاهُ مَنْ شَدَّ اِلَيْهِ الطَّرْفَ بِالْغَضَبِ---[کنز العمال، ۴۵۵۳۹]

''جس نے اپنے باپ کو غصے سے گھور کے دیکھا اس نے نیکی نہیں کی''---

72 اَسْرَعُ الْخَيْرِ ثَوَابًا اَلْبِرُّ وَ صِلَةُ الرَّحِمِ وَ اَسْرَعُ الشَّرِّ عُقُوْبَةً اَلْبَغْيُ وَ قَطِيْعَةُ الرَّحِمِ---[کنز العمال، ۴۵۵۴۱]

''خیر کو ثواب کے لحاظ سے جلدی لانے والی شے نیکی اور صلہ رحمی ہے اور شر کو بطورِ سزا جلدی لانے والی شے بغاوت اور قطع رحمی ہے''---

73 رِضَاءُ الرَّبِّ فِيْ رِضَاءِ الْوَالِدَيْنِ، وَ سَخَطُهُ فِيْ سَخَطِهِمَا---
[کنز العمال، ۴۵۵۴۳/ بیھقی، ۷۸۳۰]

''اللہ تعالیٰ کی رضا ماں باپ کی رضا میں ہے اور اس کی ناراضی ماں باپ کی ناراضی میں ہے''---

74 ''اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی، اے موسیٰ! اگر کوئی لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دینے والا نہ ہوتا تو مَیں جہنم کو دنیا والوں پر کھول دیتا۔ اے موسیٰ! اگر میری کوئی عبادت کرنے والا نہ ہوتا تو مَیں گناہ گار کو پلک جھپکنے کا بھی موقع نہ دیتا۔ اے موسیٰ! جو مجھ پر ایمان لایا وہ میرے نزدیک تمام مخلوق سے عزیز ہے۔ اے موسیٰ! نافرمان کا ایک کلمہ تمام دنیا کے پہاڑوں کی ریت کے وزن کے برابر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، اے میرے ربّ جل جلالہٗ مجھے فرما دے کہ نافرمان کون ہے؟ فرمایا: جب وہ اپنے والدین کو کہے میں حاضر نہیں (یعنی والدین کے بلانے

پر حاضر نہ ہو)"---[کنز العمال، ۴۵۵۴۵]

75 مَنْ ضَرَبَ اَبَاہُ فَاقْتُلُوْہُ---[کنز العمال، ۴۵۵۴۶]

"فرمایا: جس نے اپنے باپ کو مارا تو اسے قتل کر دو"---

76 فَخِذُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ حِرَاشٍ فِیْ جَھَنَّمَ مِثْلُ اُحُدٍ وَ ضِرْسُہٗ مِثْلُ الْبَضَاءِ قِیْلَ: وَ لِمَ ذَاکَ؟ قَالَ: کَانَ عَاقًا لِوَالِدَیْہِ---[کنز العمال، ۴۵۵۴۷]

"عبداللہ بن حراش کی ران جہنم میں احد پہاڑ کی مثل ہو گی اور اس کی داڑھ موٹی کھال کی طرح ہو گی، عرض کیا گیا، یارسول اللہ! یہ کس وجہ سے؟ فرمایا، وہ اپنے والدین کا نافرمان تھا"---

77 مَنْ سَبَّ وَالِدَیْہِ فَاضْرِبُوْہُ وَ مَنْ ضَرَبَھُمَا فَاقْتُلُوْہُ---

[مسند الفردوس، ۵۶۹۱/کنز العمال، ۴۵۵۴۶]

"حضرت ابوھریرہ ﷛ سے روایت ہے، فرمایا: جو والدین کو گالی دے اسے مارو اور جو والدین کو مارے اسے قتل کر دو"---

78 مَنْ سَبَّ وَالِدَیْہِ کُسِیَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ حُلَّۃً مِنَ النَّارِ اِنَّمَا عَلَیْہِ مَا حَمَلَ وَ عَلَیْکُمْ مَا حَمَلْتُمْ---[مسند الفردوس، ۵۶۹۲]

"عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ جو اپنے والدین کو گالی دے گا بروز قیامت اسے آگ کا لباس پہنایا جائے گا، اس پر وہی ہے جو اس نے اٹھایا اور تم پر وہ ہے جو تم نے اُٹھایا"---

79 مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ وَالِدَۃٍ وَّ وَلَدِھَا فَرَّقَ اللّٰہُ بَیْنَہٗ وَ بَیْنَ اَحِبَّتِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ---[مسند الفردوس، ۵۶۵۴/طبرانی، ۴۰۸۰]

"حضرت ابو ایوب ﷛ سے ہے کہ جو والدہ اور اس کے بچے کے درمیان جدائی ڈالے گا بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے پیاروں کے درمیان جدائی ڈال دے گا"---

80 "حضرت علی بن ابو طالب ﷛ سے روایت ہے، تو اپنے والدین سے نیک سلوک کر خواہ اس میں تجھے کئی سال کا سفر کرنا پڑے اور صلہ رحمی کر خواہ اس بارے میں ایک سال کا سفر کرنا پڑے اور مسلمان بھائی کو یاد کر خواہ وہ ایک یا دو میل کے سفر پر ہو، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے بھائی سے ملاقات کر اگرچہ وہ تین میل کے فاصلے پر ہو

اور نمازِ جنازہ پڑھ اگر چہ چار میل کے فاصلے پر ہو" ---[مسند الفردوس، ۲۰۸۹]

81 ثَلَاثَةٌ لَا يُرِيحُونَ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، رَجُلٌ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ وَ رَجُلٌ كَذَبَ عَلَيَّ وَ رَجُلٌ كَذَبَ عَيْنَيْهِ---[مسند الفردوس، ۲۵۰۷]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تین شخص جنت کی خوشبو نہ پاسکیں گے، وہ آدمی جو اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرے، وہ آدمی جو مجھ پر جھوٹ باندھے اور وہ شخص جو اپنی آنکھوں کا دیکھا جھٹلائے"---

82 دُعَاءُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ كَدُعَاءِ النَّبِيِّ لِأُمَّتِهٖ---[مسند الفردوس، ۳۰۳۷]

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا: والد کا اپنی اولاد کے لیے دعا کرنا ایسے ہے جیسے نبی کا اپنی اُمت کے لیے دعا کرنا"---

83 عَنِ ابْنِ عُمَرَ: دُعَاءُ الْوَالِدِ لِلْوَلَدِ كَالْمَاءِ لِلزَّرْعِ بِصَلَاحِهٖ وَ دُعَاءُ الْوَلَدِ لِلْوَالِدِ كَالْأَخْذِ بِالْيَدِ---[مسند الفردوس، ۳۰۳۸]

"حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ والد کا اولاد کے لیے دعا کرنا کھیتی کی اصلاح کے لیے پانی دینے کی مثل ہے اور اولاد کا والد کے لیے دعا کرنا ہاتھوں ہاتھ لینے کی مثل ہے"---

84 أَكْرِمُوا أَوْلَادَكُمْ وَ أَحْسِنُوا أَدَبَهُمْ---[مسند الفردوس، ۱۹۶]

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: اپنی اولاد کو عزت دو اور انہیں اچھے اخلاق سکھاؤ"---

85 "حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرش کے نیچے ایک مرد کو دیکھا، عرض کی یا اللہ عزوجل یہ کون ہے؟ فرمایا، میں تجھے اس کا نام نہیں بتاؤں گا، لیکن اس کی تین صفات سے باخبر کرتا ہوں، وہ چغل خوری نہیں کرتا تھا اور اللہ نے لوگوں کو جو عطا فرمایا ہے اُس پر وہ حسد نہیں کرتا تھا اور وہ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرتا تھا"---[مسند الفردوس، ۸۷۱]

86 اَلْمُطِيعُ لِوَالِدَيْهِ هُوَ الْمُطِيعُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ فِي أَعْلَى عِلِّيِّينَ---[مسند الفردوس، ۶۶۳۰/ کنز العمال، ۴۵۴۷۲]

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، والدین کا فرماں بردار، اعلیٰ علیین

میں اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار ہے"---

87 اَلنَّظْرُ اِلَی الْکَعْبَةِ عِبَادَةٌ وَ النَّظْرُ اِلٰی وَجْهِ الْوَالِدَیْنِ عِبَادَةٌ وَ النَّظْرُ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ عِبَادَةٌ---[مسند الفردوس، ۶۸۶۴]

"حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ کعبے کو دیکھنا عبادت، والدین کے چہرے کو دیکھنا عبادت اور قرآن کو دیکھنا عبادت ہے"---

88 اَلْوَالِدَةُ اَوْسَطُ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ---[مسند الفردوس، ۷۲۵۶]

"والدہ جنت کے دروازوں کا وسط ہیں"---

89 "حضرت علی ﷺ سے روایت ہے، فرمایا: اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اُس کے پاس لوحِ محفوظ ہے:

اَلصَّدَقَةُ وَ اصْطِنَاعُ الْمَعْرُوْفِ وَ صِلَةُ الرَّحِمِ وَ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ یُحَوِّلُ الشِّقَاءَ سَعَادَةً وَ یَزِیْدُ مِنَ الْعُمَرِ وَ یَقِیْ مَصَارِعَ السُّوْءِ---

صدقہ، نیکی کا حکم دینا، صلہ رحمی کرنا اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا، بدبختی کو نیک بختی میں بدل دیتا ہے، عمر میں اضافہ کرتا ہے اور برائی کے ٹھکانوں سے بچاتا ہے"---[مسند الفردوس، ۸۱۳۰]

90 "حضرت ابوہریرہ ﷺ سے روایت ہے، فرمایا: اے ابن آدم! تو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کر اور صلہ رحمی کر، اللہ تعالیٰ تیری خوشیوں میں اضافہ کرے گا اور تیری عمر میں اضافہ کرے گا اور تو ربّ کی فرماں برداری کر کہ تجھے عقل مند کہا جائے اور اُس کی نافرمانی نہ کر کہ تجھے جاہل کہا جائے"---[مسند الفردوس، ۸۱۹۰]

91 یَلْزَمُ الْوَالِدَیْنِ مِنَ الْبِرِّ لِوَلَدِهِمَا مَا یَلْزَمُ الْوَلَدَ، یُؤَدِّبَانِهٖ وَ یُزَوِّجَانِهٖ---[مسند الفردوس، ۸۹۵۴]

"حضرت ابوہریرہ ﷺ سے روایت ہے، والدین پر اپنی اولاد کو ادب سکھانا اور ان کی شادیاں کرنا لازمی ہے"---

92 "حضرت طاؤس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ سنت میں سے ہے کہ چار باتوں کی توقیر کرے تو آپ نے ان کو بیان فرمایا اور کہا، ظلم ہے کہ بندہ اپنے باپ کو اس کے نام سے پکارے اور ہمیں عبدالرزاق نے انہوں نے ہشام بن عزوہ، انہوں نے ایک مرد سے روایت کیا کہ ابوھریرہ ﷺ نے ایک شخص کو باپ کے آگے چلتے ہوئے

دیکھا تو فرمایا، تیرے ساتھ کون ہے؟ اُس نے کہا، میرا باپ ہے۔ تو فرمایا: اپنے باپ کے آگے نہ چل اور ان کے بیٹھنے سے پہلے نہ بیٹھ اور اُسے نام کے ساتھ نہ پکار اور نہ اُس کی طرف بُری بات منسوب کر" ---[بیہقی، ۷۸۹۴]

93 "رسول اللہ ﷺ نے میرے والد کو فرمایا: جب تو صدقہ کرنا چاہے اسے اپنے والدین کی طرف سے ادا کر، کیوں کہ وہ اُن کی طرف سے بھی ہو جائے گا اور تیرے اجر میں بھی کمی نہ ہوگی" ---[بیہقی، ۷۹۱۱]

94 عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ ؓ قَالَ: سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ: اَیُّ الْعَمَلِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی؟ قَالَ: اَلصَّلٰوۃُ عَلٰی وَقْتِھَا. قُلْتُ: ثُمَّ اَیُّ؟ قَالَ: بِرُّ الْوَالِدَیْنِ. قُلْتُ: ثُمَّ اَیُّ؟ قَالَ: اَلْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ---[بخاری، ۵۹۷۰/مسلم، ۲۵۲/ترمذی، ۱۸۹۸/نسائی، ۶۱۲/مسند ابویعلی، ۵۳۲۷]

"حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے پوچھا، کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے؟ فرمایا، وقت پر نماز ادا کرنا۔ میں نے عرض کیا، پھر اس کے بعد کون سا؟ فرمایا: ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا، میں نے عرض کیا، پھر اس کے بعد کون سا؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا" ---

95 عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ ؓ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ یَسْتَاذِنُہٗ فِی الْجِھَادِ فَقَالَ: اَحَیٌّ وَالِدَاکَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَفِیْھِمَا فَجَاھِدْ---[بخاری، ۳۰۰۴/مسلم، ۶۵۰۴/ترمذی، ۱۶۷۱/کنز العمال، ۴۵۴۷۳/بیہقی، ۷۸۲۵]

"حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک شخص حاضر ہوا تو آپ سے جہاد کی اجازت چاہی، فرمایا: کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ بولا، ہاں۔ فرمایا، جا اور ان کی خدمت کر کے جہاد کا ثواب حاصل کر" ---

96 "حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک صاحب حاضر آئے اور بولے، میں آپ کے دستِ اقدس پر ہجرت کی بیعت کرنے آیا ہوں اور ماں باپ کو روتا چھوڑ آیا ہوں۔ فرمایا، واپس جا پھر ان کو اسی طرح خوش کر جس طرح تو ان کو روتا چھوڑ آیا ہے" ---[نسائی، ۴۱۶۸/ابوداؤد، ۲۵۲۸/کنز العمال، ۴۵۵۲۴/بیہقی، ۷۸۲۸]

97 عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَطِعْ

وَالِدَیْکَ وَ اِنْ اَخْرَجَاکَ مِنْ مَالِکَ وَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ ھُوَ لَکَ---

''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے ماں باپ کی اطاعت کر خواہ وہ تجھے تیرے مال یا تیری ہر شے سے جدا کر دیں''---

98 ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یمنی مرد ہجرت کر کے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا یمن میں کوئی تمہارا ہے؟ بولے، میرے والدین۔ فرمایا: کیا ان سے اجازت لے آئے ہو؟ بولے، نہیں، فرمایا: جاؤ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے اجازت چاہو، اگر اجازت دے دیں تو جہاد کرنا، ورنہ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا''---

[ابوداؤد، ۲۵۳۰/ کنز العمال، ۴۵۵۲۵/ مسند احمد، ۱۷۴۴]

99 عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ثَلٰثَۃٌ لَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ، اَلْعَاقُّ لِوَالِدَیْہِ وَ الدُّیُوْثُ وَ رُجُلَۃُ النِّسَاءِ---[مسند الفردوس، ۲۵۰۶]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین شخص جنت میں نہ جائیں گے، اپنے ماں باپ کو ناحق ایذا دینے والا، دیوث اور مردانہ وضع بنانے والی عورت''---

100 عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ الْبَاھِلِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ثَلٰثَۃٌ لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ عزوجل مِنْھُمْ صَرْفًا وَ لَا عَدْلًا، عَاقٌّ وَ مَنَّانٌ وَ مُکَذِّبٌ بِقَدَرٍ---

''حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین شخص ہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ ان کے نفل قبول کرے گا اور نہ فرض، ماں باپ کو ایذا دینے والا، صدقہ دے کر فقیر پر احسان رکھنے والا اور تقدیر کا جھٹلانے والا''---

101 عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَلْعُوْنٌ مَنْ عَقَّ وَالِدَیْہِ، مَلْعُوْنٌ مَنْ عَقَّ وَالِدَیْہِ، مَلْعُوْنٌ مَنْ عَقَّ وَالِدَیْہِ---

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ملعون ہے جو اپنے ماں باپ کو ستائے، ملعون ہے جو اپنے ماں باپ کو ستائے، ملعون ہے جو اپنے ماں باپ کو ستائے''---

102 عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: کُلُّ الذُّنُوْبِ

یَغْفِرُ اللّٰہُ تَعَالٰی مِنْھَا مَا شَاءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ اِلَّا عُقُوْقَ الْوَالِدَیْنِ، فَاِنَّہٗ یُعَجِّلُ لِصَاحِبِہٖ فِی الْحَیٰوۃِ قَبْلَ الْمَمَاتِ---[کنز العمال، ۴۵۵۳۷]

''حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب گناہوں کی سزا اللہ تعالیٰ چاہے تو قیامت کے لیے اُٹھا رکھتا ہے مگر ماں باپ کو ستانا کہ اس کی سزا مرنے سے پہلے زندگی میں پہونچاتا ہے''---

103 عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ: اِنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اِنَّ لِیْ مَالًا وَ وَلَدًا وَ اِنَّ اَبِیْ یُرِیْدُ اَنْ یَجْتَاحَ مَالِیْ فَقَالَ: اَنْتَ وَ مَالُکَ لِاَبِیْکَ---[ابن ماجہ، ۲۲۹۱/ کنز العمال، ۴۵۴۶۳]

''حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! مال و عیال رکھتا ہوں اور میرے باپ میرا سب مال لینا چاہتے ہیں۔ فرمایا: تو اور تیرا سب مال تیرے باپ کا ہے''---

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:
مال کے لیے ماں باپ سے مخاصمت کتنی بے حیائی، بے باکی، کافر نعمتی، ناپاکی ہے۔ او ناشکر، خدا ناترس، مال لایا کہاں سے؟ تیرا گوشت پوست، استخواں سب تیرے ماں باپ کا ہے، تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے، تجھے اس سے انکار نہیں پہنچتا۔[فتاویٰ رضویہ، جلد ۷، صفحہ ۳۹۶]

104 ''حضرت عبد اللہ بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ! میرے باپ میرا مال لینا چاہتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا، انھیں ہمارے حضور میں لاؤ، جب حاضر ہوئے ان سے ارشاد ہوا، تمہارا بیٹا کہتا ہے، تم اس کا مال لے لینا چاہتے ہو، عرض کی، حضور! اس سے پوچھ دیکھیں کہ میں وہ مال لے کر کیا کرتا ہوں، یہ ہے اس کی پھوپھیوں کی مہمانی اور اس کی قرابتی میں یا میرا اور میرے بال بچوں کا خرچ۔ اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی، یارسول اللہ! اس مرد پیر نے اپنے دل میں کچھ اشعار تصنیف کیے ہیں، جو ابھی اس کے کان نے نہیں سنے، یعنی ابھی زبان تک نہ لایا۔ حضور پُرنور ﷺ نے فرمایا، تم نے اپنے دل میں کچھ اشعار تصنیف کیے ہیں، جو ابھی تمہارے کان نے بھی نہیں سنے؟ وہ سناؤ۔ ان صاحب نے عرض کی، واللہ، ہمیشہ حضور کے

معجزات سے ہمارے دل کی نگاہ ہمارا یقین بڑھاتی ہے۔ پھر یہ اشعار عرض کرنے لگے:

غَذَوْتُکَ مَوْلُوْدًا وَ عَلَتُکَ یَافِعًا — تُعَلُّ بِمَا اُجْنِی عَلَیْکَ وَ تُنْهَلُ
اِذَا لَیْلَةٌ ضَاقَتْکَ بِالسُّقْمِ لَمْ اَبِتْ — لِسُقْمِکَ اِلَّا سَاهِرًا اَتَمَلْمَلُ
تَخَافُ الرَّدٰی نَفْسِی عَلَیْکَ وَ اِنَّهَا — لَتَعْلَمُ اَنَّ الْمَوْتَ حَتْمٌ مُؤَکَّلُ
کَاَنِّی اَنَا الْمَطْرُوْقُ دُوْنَکَ بِالَّذِی — طُرِقْتَ بِهٖ دُوْنِی فَعَیْنَایَ تَهْمَلُ
فَلَمَّا بَلَغْتَ السِّنَّ وَ الْغَایَةَ الَّتِی — اِلَیْکَ مَدٰی مَا کُنْتُ فِیْکَ اُؤَمِّلُ
جَعَلْتَ جَزَائِی غِلْظَةً وَ فَظَاظَةً — کَاَنَّکَ اَنْتَ الْمُنْعِمُ الْمُتَفَضِّلُ
فَلَیْتَکَ اِذَا لَمْ تَرْعَ حَقَّ اُبُوَّتِی — کَمَا یَفْعَلُ الْجَارُ الْمُجَاوِرُ تَفْعَلُ

"میں نے تجھے غذا پہونچائی جب سے تو پیدا ہوا اور تیرا بار اٹھایا، جب سے تو ننھا تھا۔ میری کمائی سے تو بار بار مکرر سیراب کیا جاتا، جب کوئی رات بیماری کا غم لے کر تجھ پر اترتی، میں تیری ناسازی کے باعث جاگ کر لوٹ کر صبح کرتا، میرا جی تیرے مرنے سے ڈرتا حالاں کہ اسے خوب معلوم تھا کہ موت یقینی ہے اور سب پر مسلط کی گئی ہے۔ میری آنکھیں یوں بہتیں کہ گویا وہ مرض جو شب کو تجھے ہوا تھا نہ مجھے، مجھے ہوا تھا نہ تجھے۔ میں نے تجھے یوں پالا اور جب تو پروان چڑھا اور اس حد کو پہنچا جس میں مجھے امید لگی ہوئی تھی کہ اس عمر کا ہو کر تو میرے کام آئے گا تو تو نے میرا بدلہ سختی اور درشت روئی سے دیا، گویا تیرا ہی مجھ پر فضل واحسان ہے، اے کاش! جب تو نے حق پدری کا خیال ولحاظ نہ کیا تھا تو ایسا ہی کرتا جیسا پاس ہمسایہ کا ہمسایہ کرتا ہے، ہمسایہ کا ہی حق تو نے مجھے دیا ہوتا اور مجھ پر اس مال سے کہ اصل میں تیرا نہیں میرا تھا بخل نہ کرتا"---

قَالَ: فَبَکٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ اَخَذَ بِتَلْبِیْبِ اِبْنِهٖ وَ قَالَ: اَنْتَ وَ مَالُکَ لِاَبِیْکَ---[دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد۶، صفحہ۳۰۴، بیروت]

ان اشعار کو استماع فرما کر حضور پُر نور رحمتِ عالم ﷺ نے گریہ کیا اور بیٹے کا گریبان پکڑ کر ارشاد فرمایا، جا، تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے"---

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

حکم سعادت تو یہ ہے، مگر بایں ہمہ قضاءً باپ بیٹے کی ملک جدا ہے، باپ اگر محتاج ہے تو بقدرِ حاجت بیٹے کے فاضل مال سے بے اس کی رضا واجازت کے لے سکتا ہے زیادہ نہیں۔ اور یہ لینا بھی کھانے، پینے، پہننے، رہنے کے لیے اور حاجت ہو تو خادم کے واسطے بھی، بیٹے کے روپے، پیسے،

سونے، چاندی، اناج، کپڑے یا قابلِ سکونت پدر مکان سے ہو۔ ہاں یہ اشیاء نہ ملیں تو انہیں اغراض ضروریہ کے لیے اس کے اور اموال سے جو خلاف جنس حاجت ہوں، بحکم حاکم، یا حاکم نہ ہو تو علی المفتی بہ بطور خود بھی لے سکتا ہے۔ مثلاً کھانے کی ضرورت ہے، اناج یا روپیہ نہ پایا تو کپڑے برتن لے سکتا ہے یا کپڑوں کی ضرورت ہے اور دام یا کپڑے نہ ملے تو اناج وغیرہ بیچ کر بنا سکتا ہے: نہ یہ کہ اس کی جائیداد ہی سرے سے اپنی ٹھہرائے۔

105 عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُعَاوِيَةَ السُّلَمِيِّ ﷺ قَالَ: اَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنِّيْ اُرِيْدُ الْجِهَادَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. قَالَ: اُمُّكَ حَيَّةٌ؟ قُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اِلْزَمْ رِجْلَهَا فَثَمَّ الْجَنَّةُ---[ابن ماجہ، ۲۷۸۱]

''حضرت طلحہ بن معاویہ سلمی ﷺ سے روایت ہے کہ میں حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا اور عرض کی: یارسول اللہ! میں اللہ کے راستہ میں جہاد کا ارادہ رکھتا ہوں، فرمایا: تمہاری ماں باحیات ہیں؟ میں نے عرض کی، ہاں، ارشاد فرمایا: اپنی والدہ کے قدموں میں رہو، جنت وہیں ہے''---

106 عَنْ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَائِشَةَ الصِّدِّيْقَةِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَيُّ النَّاسِ اَعْظَمُ حَقًّا عَلَى الْمَرْأَةِ؟ قَالَ: زَوْجُهَا. قُلْتُ فَاَيُّ النَّاسِ حَقًّا عَلَى الرَّجُلِ قَالَ: اُمُّهُ---

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا: عورت پر سب سے بڑا حق کس کا ہے؟ فرمایا: شوہر کا، میں نے عرض کی: اور مرد پر سب سے بڑا حق کس کا ہے؟ فرمایا؛ اس کی ماں کا''---

106 عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَنْ اَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِيْ؟ قَالَ: اُمُّكَ. ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: اُمُّكَ. ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: اُمُّكَ، ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ ثُمَّ اَبُوْكَ---

[بخاری، ۵۹۷۱/ ابن ماجہ، ۳۶۵۸/ مشکوٰۃ، ۴۹۱۱]

''حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک صاحب نے حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! سب سے زیادہ کون اس کا مستحق ہے کہ میں اس کے ساتھ نیک رفاقت کروں؟ فرمایا: تیری ماں، عرض کی، پھر؟ فرمایا، تیری ماں، عرض کی، پھر؟ فرمایا: تیری ماں، عرض کی: پھر؟ فرمایا، تیرا باپ''---

108 عَنْ اَبِیْ سُلَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اُوْصِیْ الرَّجُلَ بِـاُمِّـهٖ، اُوْصِـیْ الـرَّجُـلَ بِـاُمِّـهٖ، اُوْصِـیْ الرَّجُلَ بِـاُمِّـهٖ، اُوْصِیْ الرَّجُلَ بِاَبِیْهِ---[کنز العمال، ۴۵۴۳۸/ ابن ماجہ، ۳۶۵۷]

''حضرت ابوسلامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میں آدمی کو وصیت کرتا ہوں اس کی ماں کے حق میں، میں وصیت کرتا ہوں اس کی ماں کے حق میں، میں وصیت کرتا ہوں اس کی ماں کے حق میں، میں وصیت کرتا ہوں اس کے باپ کے حق میں''---

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

مگر اس زیادت کے یہ معنی ہیں کہ خدمت دینے میں ماں باپ پر ماں کو ترجیح دے، مثلاً سو روپے ہیں اور کوئی خاص وجہ مانع تفضیلِ مادر نہیں تو باپ کو پچیس دے اور ماں کو پچھتر یا ماں باپ دونوں نے ایک ساتھ پانی مانگا تو پہلے ماں کو پلائے پھر باپ کو یا دونوں سفر سے آئے ہیں پہلے ماں کے پاؤں دبائے، پھر باپ کے، وَ عَلٰی هٰذَا الْقِیَاس ۔ نہ یہ کہ اگر والدین میں باہم تنازع ہو تو ماں کا ساتھ دے کر معاذ اللہ باپ کے درپے ایذا ہو یا اس پر کسی طرح درشتی کرے یا اسے جواب دے یا بے ادبانہ آنکھ ملا کر بات کرے۔ یہ سب باتیں حرام ہیں اور اللہ عزوجل کی معصیت اور اللہ تعالیٰ کی معصیت میں نہ ماں کی اطاعت نہ باپ کی۔ تو اسے ماں باپ میں کسی کا ایسا ساتھ دینا ہرگز جائز نہیں، وہ دونوں اس کی جنت و نار ہیں، جسے ایذا دے گا، دوزخ کا مستحق ہوگا۔ و العیاذ باللّٰہ تعالیٰ

معصیت خالق میں کسی کی اطاعت نہیں، اگر مثلاً ماں چاہتی ہے کہ یہ باپ کو کسی طرح کا آزار پہنچائے اور یہ نہیں مانتا تو وہ ناراض ہوتی ہے، ہونے دے اور ہرگز نہ مانے، ایسے ہی باپ کی طرف سے ماں کے معاملے میں ان کی ایسی ناراضیاں کچھ قابل لحاظ نہ ہوں گی کہ ان کی نری زیادتی ہے، کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی چاہتے ہیں۔ بلکہ ہمارے علمائے کرام نے یوں تقسیم فرمائی کہ خدمت میں ماں کو ترجیح ہے، جس کی مثالیں ہم لکھ آئے اور تعظیم باپ کی زائد ہے کہ وہ اس کی ماں کا بھی حاکم و آقا ہے۔ وَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ وَ عِلْمُهٗ جَلَّ مَجْدُهٗ اَتَمُّ وَ اَحْکَمُ

109 عَنِ الْمُغِیْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَیْکُمْ عُقُوْقَ الْاُمَّهَاتِ وَ مَنْعًا وَ هَاتِ وَ وَأْدَ الْبَنَاتِ وَ کُرِهَ لَکُمْ قِیْلَ وَ قَالَ وَ کَثْرَةَ السُّؤَالِ وَ اِضَاعَةَ الْمَالِ---

[بخاری، ۵۹۷۵/ مسلم، ۳، ۴۴۸۳/ کنز العمال، ۳، ۴۳۵۳۳]

''حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام فرما دیا ہے ماؤں کو ایذا دینا اور یہ کہ آپ نہ دو اور دوسروں سے مانگو اور بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا، اور ناپسند فرماتا ہے تمہارے لیے فضول حکایات اور کثرت سوالات اور مال کا ضائع کرنا''---

110عَنْ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ عَائِشَۃَ الصِّدِّیْقَۃِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ اَوْلَادَکُمْ ھِبَۃٌ لَّکُمْ، یَھَبُ لِمَنْ یَّشَاءُ اِنَاثًا وَّ یَھَبُ لِمَنْ یَّشَاءُ الذُّکُوْرَ، وَ اَمْوَالُھُمْ لَکُمْ اِذَا احْتَجْتُمْ اِلَیْھَا---

''ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک تمہاری اولاد تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہبہ کردہ چیز ہے، جسے چاہتا ہے لڑکیاں عطا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے اور اولاد کے مال تمہارے ہیں، اگر تمہیں ان کی ضرورت پیش آئے''---

111عَنْ مَالِکِ بْنِ رَبِیْعَۃَ السَّاعِدِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اِذْ جَاءَہٗ رَجُلٌ مِّنْ بَنِیْ سَلَمَۃَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَبَقِیَ مِنْ بِرِّ اَبَوَیَّ شَیْءٌ اَبَرُّھُمَا بِہٖ مِنْ بَعْدِ مَوْتِھِمَا؟ قَالَ: نَعَمْ، اَلصَّلٰوۃُ عَلَیْھِمَا وَ الْاِسْتِغْفَارُ لَھُمَا وَ اِیْفَاءٌ بِعُھُوْدِھِمَا مِنْ بَعْدِ مَوْتِھِمَا وَ اِکْرَامُ صَدِیْقِھِمَا وَ صِلَۃُ الرَّحِمِ الَّتِیْ لَا تُوْصَلُ اِلَّا بِھِمَا---

[ابن ماجہ، ۳۶۶۴/ کنز العمال، ۴۵۵۰۹]

''حضرت مالک بن ربیعہ ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس درمیان جب کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ بنو سلمہ سے ایک صاحب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ! کیا ماں باپ کے انتقال کے بعد اب کوئی ایسی نیکی ہے جو میں ان کے لیے کرتا رہوں؟ فرمایا: ہاں ان کی نماز جنازہ پڑھنا، ان کے لیے دعائے استغفار کرتے رہنا، ان کے انتقال کے بعد ان کے کیے ہوئے وعدے پورے کرنا، ان کے دوستوں کی عزت کرنا اور وہ صلہ رحمی جو تو انہیں کی وجہ سے کرے''---

112عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مِنَ الْبِرِّ اَنْ تَصِلَ صَدِیْقَ اَبِیْکَ---[کنز العمال، ۴۵۴۵۵]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، باپ کے ساتھ نیکوکاری یہ ہے کہ تو اس کے دوست سے نیک برتاؤ کرے''---

113 عَنْ بُرَیْدَةَ الْاَسْلَمِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: اِنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنِّیْ حَمَلْتُ اُمِّیْ عَلٰی عُنُقِیْ فَرْسَخَیْنِ فِیْ رَمْضَاءِ شَدِیْدَةٍ لَوْ اُلْقِیَتْ فِیْهَا بِضْعَةٌ مِّنْ لَحْمٍ لَنَضِجَتْ، فَهَلْ اَدَّیْتُ شُکْرَهَا؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَعَلَّهٗ اَنْ یَکُوْنَ واحدة---[کنز العمال، ۴۵۴۹۸]

''حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! ایک راہ میں ایسے پتھر ہیں کہ اگر گوشت ان پر ڈالا جاتا تو کباب ہو جاتا، مَیں چھ میل تک اپنی ماں کو اپنی گردن پر سوار کر کے لے گیا ہوں۔ کیا میں نے اس کا حق ادا کر دیا؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تیرے پیدا ہونے میں جس قدر جھٹکے اس نے اُٹھائے ہیں، شاید ان میں سے ایک جھٹکے کا بدلہ ہو''---

114 عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا تَرَکَ الْعَبْدُ الدُّعَاءَ لِلْوَالِدَیْنِ فَاِنَّهٗ یَنْقَطِعُ عَنْهُ الرِّزْقُ---[کنز العمال، ۴۵۵۴۸]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی جب ماں باپ کے لیے دعا چھوڑ دیتا ہے تو اس کا رزق قطع ہو جاتا ہے''---

115 عَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ مَالِکِ بْنِ زُرَارَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِسْتِغْفَارُ الْوَلَدِ لِاَبِیْهِ بَعْدَ الْمَوْتِ مِنَ الْبِرِّ---[کنز العمال، ۴۵۴۴۱]

''حضرت ابو اسید مالک بن زرارہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک سے یہ بات ہے کہ اولاد ان کے بعد ان کے لیے دعائے مغفرت کرے''---

116 عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ حَجَّ عَنْ وَالِدَیْهِ اَوْ عَنْ اَبَوَیْهِ اَوْ قَضٰی عَنْهُمَا مَغْرَمًا بَعَثَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مَعَ الْاَبْرَارِ---[کنز العمال، ۱۲۳۳۹]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرے یا ان کا قرض ادا کرے، روز قیامت نیکوں کے ساتھ اُٹھے''---

117 عَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا حَجَّ الرَّجُلُ عَنْ وَالِدَیْہِ تُقُبِّلَ مِنْہُ وَ مِنْھُمَا، تَبْشَرُبِہٖ اَرْوَاحُھُمَا فِی السَّمَاءِ وَ کُتِبَ عِنْدَ اللّٰہِ بِرًّا---[دار قطنی، جلد۲، صفحہ۲۷۲/ کنز العمال، ۴۵۴۴۹]

''حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انسان جب اپنے والدین کی طرف سے حج کرتا ہے، وہ حج اس کی اور ان سب کی طرف سے قبول کیا جاتا ہے اور ان کی روحیں آسمان میں اس سے شاد ہوتی ہیں اور یہ شخص اللہ عزوجل کے نزدیک ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا لکھا جاتا ہے''---

118 عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ حَجَّ عَنْ اَبِیْہِ وَ عَنْ اُمِّہٖ فَقَدْ قَضٰی عَنْہُ حَجَّتَہٗ وَ کَانَ لَہٗ فَضْلُ عَشْرِ حِجَجٍ---[کنز العمال، ۴۵۴۷۶]

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرے، ان کی طرف سے حج ادا ہو جائے گا اور اسے دس حج کا ثواب زیادہ ہے''---

119 عَنْ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَبِیْ بَکْرِ نِ الصِّدِّیْقِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ زَارَ قَبْرَ وَالِدَیْہِ اَوْ اَحَدِھِمَا فِیْ کُلِّ جُمُعَۃٍ فَقَرَءَ عِنْدَہٗ یٰسٓ غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ بِعَدَدِ کُلِّ حَرْفٍ مِنْھَا---[کنز العمال، ۴۵۵۳۵]

''امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص ہر جمعہ کو والدین یا ایک کی زیارت کرے، وہاں سورہ یٰسٓ پڑھے، یٰسٓ شریف میں جتنے حرف ہیں، ان سب کی گنتی کے برابر اللہ تعالیٰ اس کے لیے مغفرت فرمائے''---

120 عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ زَارَ قَبْرَ اَبَوَیْہِ اَوْ اَحَدِھِمَا احْتِسَابًا کَانَ کَعَدْلِ حَجَّۃٍ مَّبْرُوْرَۃٍ. مَنْ کَانَ زَوَّارًا لَّھُمَا زَارَتِ الْمَلَائِکَۃُ قَبْرَہٗ---[کنز العمال، ۴۵۵۳۶]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بہ نیت ثواب اپنے والدین دونوں یا ایک کی قبر کی زیارت کرے، حج مقبول کے برابر ثواب پائے اور جو بکثرت زیارت کرتا ہو تو فرشتے اس کی قبر کی

زیارت کو آویں"---[نوادرالاصول، جلد ا، صفحہ ۱۲۶، مطبوعہ دارالجیل، بیروت]

121 "حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین مسافر سفر میں تھے کہ اچانک بارش آ گئی، تینوں نے ایک پہاڑ کی کھائی میں پناہ لی، اسی وقت پہاڑ سے ایک پتھر گرا اور اس گھاٹی کا منہ بند ہو گیا۔ تینوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا، اپنے اپنے اعمال صالحہ کو دیکھو، جو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیے گئے ہوں اور ان کے وسیلہ سے دعا کرو، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پتھر کو یہاں سے ہٹا دے گا۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا، یا اللہ! میرے والدین بوڑھے تھے، ساتھ ہی میری بیوی اور بچے بھی تھے، میں ان کے گزارے کے لیے بھیڑ بکریاں چراتا اور شام کو آ کر دودھ دوہتا، پہلے اپنے والدین کو پلاتا تھا، ایک دن مجھے بکریوں کے لیے چارہ لانے کے لیے دور جانا پڑا، میں جب گھر آیا تو رات ہو چکی تھی اور میرے والدین اس وقت تک سو چکے تھے، میں نے حسب معمول دودھ دوہا اور اس کو لے کر ماں باپ کے سرہانے آ کر کھڑا ہو گیا، میں نے نہ چاہا کہ ان کو نیند سے بیدار کروں اور یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ اپنے بچوں کو پہلے پلا دوں، حالانکہ وہ بھوک کی وجہ سے میرے قدموں پر لوٹ رہے تھے، اسی حال میں پوری رات گزر گئی اور صبح نمودار ہو گئی، یا اللہ! تو خوب جانتا ہے، اگر میں نے یہ کام تیری رضا کے لیے کیا تھا تو اس پتھر سے ایک روزن کھول دے، جس سے ہم آسمان کو دیکھ سکیں۔ رب کریم نے اپنے فضل اور اس کے نیک عمل کی بدولت روزن کھول دیا اور اب ان کو آسمان نظر آنے لگا۔ دوسرے شخص نے عرض کیا، یا اللہ! میرے چچا کی بیٹی تھی، جس پر میں فریفتہ ہو گیا تھا، میں نے اس سے خواہش ظاہر کی کہ اپنا نفس میرے حوالے کر دے لیکن اس نے سو اشرفیوں کے بغیر رضامندی ظاہر نہ کی، میں نے نہایت کوشش کر کے سو اشرفیاں کمائیں اور لے کر پہنچا، جب میں بدکاری کے ارادہ سے اس کی ٹانگوں کے درمیان بیٹھا تو بولی، اے خدا کے بندے! اللہ سے ڈر اور بغیر حق مہر مت توڑ۔ یہ سن کر میں اٹھ کھڑا ہوا، یا اللہ! تو خوب جانتا ہے، اگر میں نے یہ کام تیری رضا و خوشنودی کے لیے کیا، تو ایک روزن کھول دے، اللہ تعالیٰ نے اس پتھر کو اور ہٹا دیا۔ تیسرے شخص نے دعا کی، یا اللہ! میں نے ایک شخص کو مزدور کیا کہ وہ ایک فرق چاول پر میرا کام کر دے، جب وہ کام کر چکا تو میرے پاس مزدوری لینے آیا، میں نے حسب وعدہ وہ چاول اس کو دیے لیکن اس نے

انکار کر دیا کہ اس کی نظر میں کم تھے۔ وہ چلا گیا تو میں نے ان چاولوں کو زراعت کے ذریعہ بڑھایا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی برکت کی کہ ایک جنگل میں گائے بیل اور ان کی حفاظت کے لیے چرواہے سب اسی کے منافع سے جمع ہو گئے۔ وہ مزدور پھر آیا اور بولا، اللہ تعالیٰ سے ڈر اور میرا حق مت مار، میں نے کہا، جا اور بیل گائے نیز چرواہے سب تیرے ہیں، وہ بولا خدا سے ڈر اور مجھ سے ہنسی مذاق مت کر، میں نے کہا، نہیں واقعی ان سب کا تو ہی حق دار ہے۔ ان کو لے جا، وہ لے گیا، یا اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ یہ کام میں نے تیری رضا کے لیے کیا تھا، تو پتھر کا جو حصہ غار پر رہ گیا ہے اس کو بھی ہٹا دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھی ہٹا دیا اور یہ سب آزاد ہو گئے" --- [متفق علیہ]

122 "حضرت اسماء بنت امیر المؤمنین حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میری ماں مشرکہ تھی، اس زمانہ میں کہ کافروں سے معاہدہ تھا، میرے پاس آئی۔ میں نے حضور اقدس ﷺ سے فتویٰ پوچھا کہ میری ماں طمع لے کر میرے پاس آئی ہے، کیا میں اپنی ماں سے کچھ نیک سلوک کروں؟ فرمایا: ہاں، اپنی ماں سے نیک سلوک کرو" --- [مسلم، ۲۳۲۵/ بخاری، ۵۹۷۹/ مشکوٰۃ، ۴۹۱۳]

123 اِنَّ فِی الْجَنَّةِ دَارًا يُقَالُ لَهَا دَارُ الْفَرَحِ لَا يَدْخُلُهَا اِلَّا مَنْ فَرِحَ الصِّبْيَانَ --- [کنز العمال، ۶۰۰۶]

"جنت میں ایک گھر ہے جسے دار الفرح (خوشیوں کا گھر) کہا جاتا ہے، اس میں وہی لوگ داخل ہوں گے جو اپنے بچوں کو خوش رکھتے ہیں" ---



والدین کے نافرمان

مَیں پرائمری اسکول میں تھا، جب یہ کہانی سنی تھی کہ ایک نوجوان نے اپنی پسند کی لڑکی سے شادی کرنی چاہی، شادی کے لیے لڑکی کو منانے میں اسے بہت جتن کرنے پڑے، شادی ہو گئی تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا، لڑکی کو پہلے ہی دن گھر میں اپنی ساس کا وجود کھٹکا۔ اس نے پہلی رات ہی یہ مطالبہ کیا کہ تم اپنی ماں کو کہیں بھجوا دو، مَیں بھی تو اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر آئی ہوں۔ اس نوجوان پر اس لڑکی کی چاہت کا نشہ غالب تھا، اس نے وعدہ کر لیا کہ صبح ہی ماں کو اس گھر سے بے دخل کر دوں گا۔ اس نوجوان نے صبح ہوتے ہی ماں سے کہا کہ ہمارا پرانا مکان خالی ہے تم اس میں چلی جاؤ اور وہیں رہو، تمہارے کھانے پینے کا انتظام کر دوں گا۔ ماں، ماں تھی، اس نے انکار نہیں کیا

اور بیٹے کو خوش رہنے کی دعائیں دیتی اسی وقت چلی گئی۔ کچھ دن بعد اس نوجوان کی بیوی نے کہا کہ تم نے ماں کو گھر سے نکالا ہے لیکن لگتا ہے اپنے دل سے نہیں نکالا۔ تم روز اس کے پاس جاتے ہو اور اسے کھانے پینے کی چیزیں خوب فراہم کرتے ہو اور دیر تک اس کے پاس بیٹھتے ہو۔ تمہارے دل میں میرے لیے اتنی جگہ اور تڑپ نہیں ہے۔ نوجوان نے بیوی سے کہا کہ ایسی بات نہیں، جو جگہ میرے دل میں تمہارے لیے ہے وہ کسی اور کے لیے نہیں ہے، مَیں تمہارے لیے کچھ بھی کرسکتا ہوں۔ تم چاہو تو آزما لو۔ لڑکی نے کہا، ایسی بات ہے تو یہ خنجر لو اور مجھے تحفے میں اپنی ماں کا دل اس کے بدن سے نکال کر لا دو۔ اس نوجوان کی عقل پر تو پہلے ہی پردہ پڑ چکا تھا، بدبختی غالب آئی اور کہنے لگا، تم سونا نہیں، مَیں ابھی جاتا ہوں اور آج تمہیں یہ یقین کروا کے سوؤں گا کہ مَیں تم سے محبت کے دعوے میں بالکل سچا ہوں۔ اس نوجوان نے اندھیری رات میں ماں کے سینے میں خنجر گھونپ دیا اور اپنی بیوی کو تحفے میں دینے کے لیے ماں کا دل نکالا تاکہ بیوی کو اپنی محبت کا یقین دلا سکے اور اسے خوش کرسکے۔ وہ نوجوان اپنی بیوی کے پاس جانے کے لیے ماں کا قتل کر کے دوڑا۔ کہتے ہیں کہ اسے راستے میں کہیں ٹھوکر لگی اور وہ موتھ کے بل گر پڑا۔ اس کے ہاتھ میں ماں کا دل تھا، اس سے آواز آئی: ''بیٹا! تجھے چوٹ تو نہیں لگی؟'' ماں کے دل کی آواز اس نوجوان کے دل میں اتر گئی اور وہ دھاڑیں مار کر رونے لگا۔ اسے احساس ہوا کہ وہ بہت سنگین جرم اور شدید ظلم کر بیٹھا ہے اور اس عظیم ہستی کو قتل کر چکا ہے جس کے مردہ ہوجانے کے بعد بھی اس کے دل میں اولاد کے لیے پیار ہی پیار ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ نوجوان روتے روتے اپنے گھر پہنچا اور اپنی بیوی کو ماں کا دل تھمایا اور دھاڑیں مارنے لگا۔ جس بیوی کی خاطر وہ ماں کو قتل کرنے کے سے باز نہ آیا وہ اسی وقت اٹھی اور جاتے جاتے کہنے لگی، اب تم ساری عمر روتے ہی رہنا۔ جو شخص اپنی ماں کو قتل کرسکتا ہے، وہ مجھے بھی قتل کرسکتا ہے۔

ایک عبادت گزار شخص پر اس کی والدہ کی بددُعا کا اثر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مَیں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود اور راہب جریج کے علاوہ گھوارے میں بچے سے کسی نے گفتگو نہیں کی۔ عرض کیا گیا:

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! جریج کون تھا؟ فرمایا، جریج ایک راہب تھا، جو اپنے گرجے میں عبادت کیا کرتا تھا۔ اس کے پاس گرجے میں ایک چرواہا بھی پناہ گزین تھا، ایک دن راہب جریج کی ماں آئیں اور انہوں نے جریج کو بُلایا، جریج اس وقت نماز پڑھ رہا تھا، جریج نے

دل میں سوچا، ادھر ماں نے آواز دی ہے مگر میں نماز میں ہوں، اُس نے نماز کو جاری رکھا اور ماں کی پکار پر جواب نہیں دیا، ماں نے دوسری دفعہ آواز دی، جریج نے پھر بھی نماز جاری رکھی، تیسری بار بھی ماں کی پکار پر ایسا ہی کیا، جب کوئی جواب نہ ملا تو ماں نے یہ بددُعا دی اور چلی گئی:

لَا اَمَاتَکَ اللّٰهُ يَا جُرَيْجُ حَتّٰى تَنْظُرَ وَجْهَ مُوْمِسَاتٍ---

"اے جریج! تجھے اللہ اس سے پہلے موت نہ دے کہ تو بری (فاحشہ) عورتوں کا سامنا کرے"---

جریج کا بنی اسرائیل میں بڑا چرچا تھا۔ ایک فاحشہ عورت جس کے حسن کا بہت شہرہ تھا، اس نے لوگوں سے کہا، اگر تم پسند کرو تو میں جریج کو فتنہ میں ڈالتی ہوں۔ اس نے اپنے آپ کو جریج پر پیش کیا مگر جریج نے اُس پر توجہ نہیں کی۔ اس عورت نے گرجے میں پناہ گزین چرواہے سے زنا کا ارتکاب کیا اور حاملہ ہوگئی۔ جب اس نے بچہ جنا تو لوگوں نے اُس عورت سے پوچھا، یہ بچہ کس کا ہے؟ تو اس عورت نے کہا، یہ جریج کا بچہ ہے۔ تمام لوگ اکٹھے ہوگئے اور انہوں نے جریج کو بُرا کہنا شروع کر دیا، اس کی عبادت گاہ گرا دی اور اسے مارنا شروع کر دیا۔

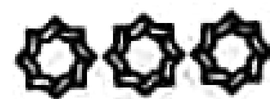
لوگ جریج کو پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے گئے۔ آپ مسکراتے ہوئے اس فاحشہ عورت کے پاس سے گزرے۔ بادشاہ نے کہا، یہ عورت کیا کہتی ہے؟ کہنے لگے: بتاؤ، اُس عورت نے کہا، یہ بچہ تیرا ہے۔ جریج نے کہا: بچہ کہاں ہے؟ بتایا، یہ گود میں ہے۔

جریج نے اس بچے کے قریب جا کر کہا: اے لڑکے تیرا باپ کون ہے؟ گود کا بچہ بولا: میرا باپ فلاں چرواہا ہے۔

بچے کی گواہی سے معاملہ صاف ہوگیا۔ لوگوں نے جریج سے معافی مانگ کر ہاتھ چومنے شروع کر دیے۔ بادشاہ نے کہا: اگر کہو تو میں تمہاری عبادت گاہ سونے چاندی سے بنوا دیتا ہوں۔

جریج نے کہا: میری عبادت گاہ مٹی سے بنوا دو، یہی کافی ہے۔ پھر بادشاہ نے پوچھا، جب تم آئے تو مسکرا رہے تھے، اس میں کیا حکمت تھی؟

جریج نے کہا: میں جانتا تھا کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے لیکن یہ میری والدہ کی بددُعا تھی، جس کا صلہ مجھے مل کر رہا۔ [مسلم شریف، ۶۰۵۹/ الادب المفرد، ۲۰]



حضور نبی کریم ﷺ کے ظاہری زمانے میں ایک نوجوان تھا، جس کا نام علقمہ تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار، نماز، روزہ اور صدقہ خیرات کرنے اور نیک اعمال کرنے کی بہت کوشش کرتا تھا۔ وہ

سخت بیمار پڑ گیا۔اس نے اپنی عورت کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔اس نے جا کر کہا کہ یارسول اللہ! میرا خاوند (علقمہ رضی اللہ عنہ) نزع کی حالت میں ہے۔آپ کو خبر دینے کے ارادے سے آئی ہوں تا کہ ان کے حال کا آپ کو پتا چل جائے تو آپ ﷺ نے حضرت عمار، حضرت صہیب رومی اور حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور فرمایا کہ علقمہ (رضی اللہ عنہ) کے پاس جاؤ اور ان کو کلمہ شہادت کی تلقین کرو۔صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے پاس گئے تو ان کو نزع (جان کنی) کی حالت میں پایا۔پس وہ لوگ ان کو لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ کی تلقین کرنے لگے لیکن علقمہ کی زبان پر کلمہ جاری نہ ہو سکا،صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کے پاس خبر بھیجی کہ علقمہ کی زبان سے کلمہ شہادت نہیں نکلتا۔آپ نے فرمایا کہ ان کے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یارسول اللہ! ان کی ماں زندہ ہے (جو بہت بوڑھی ہیں) ان کی ماں کے پاس آپ ﷺ نے ایک آدمی بھیجا اور فرمایا کہ اس بڑھیا سے کہنا کہ اگر تو حضور ﷺ کے پاس جانے کی طاقت رکھتی ہے تو چل ورنہ تو گھر میں آرام کر اور رسول اللہ ﷺ خود تیرے پاس تشریف لے آئیں گے۔اس آدمی نے بڑھیا کے پاس آ کر حضور ﷺ کا ارشادِ مبارک سُنایا۔

بڑھیا نے کہا، میری جان آپ ﷺ پر قربان ہو جائے، میں رسول اللہ ﷺ کو آنے کی تکلیف کیوں کر دوں، مجھے ہی جانے کا زیادہ حق ہے، میں خود ہی آپ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوتی ہوں، یہ کہہ کر وہ اپنی لاٹھی ٹیکتی ہوئی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آ کر سلام عرض کیا۔آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ اے علقمہ کی ماں! تیرا لڑکا علقمہ کیسا تھا؟ بڑھیا نے عرض کیا، یارسول اللہ! میرا لڑکا علقمہ بہت زیادہ نماز پڑھتا تھا، روزے رکھتا تھا اور صدقہ خیرات کرنے کا بہت زیادہ پابند تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا، میں یہ نہیں پوچھتا، یہ بتا کہ اس کا تیرے ساتھ کیا سلوک تھا؟

اس نے کہا، یارسول اللہ! مَیں اس پر سخت ناراض ہوں۔آپ نے پوچھا، تو اس سے کیوں ناراض ہے؟ کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! وہ مجھ پر اپنی بیوی کو ترجیح دیا کرتا تھا اور میری نافرمانی کیا کرتا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا، تو اسے معاف کر دے، کہنے لگی، میں اسے معاف نہیں کروں گی۔

آپ ﷺ نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بلال! جاؤ، بہت ساری لکڑیاں جمع کرو اور علقمہ کو لکڑیوں میں رکھ کر آگ لگا دو۔

بڑھیا نے کہا، یارسول اللہ! کیا میرے سامنے میرے بچے، میرے لختِ جگر کو زندہ آگ میں جلایا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں، پھر فرمایا کہ اے علقمہ کی ماں! اللہ تعالیٰ کا عذاب اس

سے بھی زیادہ سخت ہے اور باقی رہنے والا ہے۔ اگر تجھے پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کر دے تو اس سے راضی ہو جا اور اس کو معاف کر دے، کیوں کہ اگر تو اس کو معاف نہ کرے گی اور اس سے ناراض رہے گی تو قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، علقمہ کو اس کی نماز، اس کے روزے اور اس کا صدقہ کرنا کچھ بھی نفع نہ دے گا۔

بڑھیا نے کہا، یارسول اللہ! مَیں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتی ہوں اور اس کے فرشتوں کو اور جتنے مسلمان یہاں حاضر ہیں سب کو اس بات کا گواہ کرتی ہوں کہ میں اپنے لڑکے علقمہ سے راضی ہو گئی اور میں نے اس کو معاف کر دیا۔

آپ ﷺ نے پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ جاؤ اور دیکھو علقمہ کی زبان پر کلمہ جاری ہوا ہے یا نہیں؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ گئے تو انہوں نے سنا کہ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کی زبان پر کلمہ جاری ہے اور کلمہ پڑھتے ہی ان کا انتقال ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور اس کے کفن دفن کا حکم فرمایا اور پھر اس کی نماز جنازہ ادا کی اور اس کے دفن میں شریک ہوئے اور اس کی قبر پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا:

''اے گروہ مہاجرین اور انصار! جو شخص اپنی بیوی کو اپنی ماں پر فضیلت دے گا تو اس پر اللہ کی لعنت اور فرشتوں کی لعنت ہے اور تمام لوگوں کی لعنت ہے''---

یاد رکھیے! اللہ تعالیٰ ماں باپ کے نافرمان اور بے ادب کی کسی بھی نیکی کو قبول نہ فرمائے گا لیکن اگر وہ توبہ کر لے، اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرتے ہوئے اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کرے، ہر وقت اس کو راضی اور خوش رکھنے کی جستجو میں رہے تو پھر اللہ پاک معاف فرما دے گا، کیوں کہ اللہ پاک کی رضا ماں کی رضا میں ہے اور اللہ پاک کی ناراضی ماں کی ناراضی میں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی رضا کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اپنی ناراضی سے بچائے۔ آمین ثم آمین

● جاراللہ زمخشری بہت مشہور معتزلی عالم گزرے ہیں، انہوں نے ایک تفسیر بھی لکھی ہے، ان کے دونوں پاؤں کٹے ہوئے تھے، لوگوں نے ان سے وجہ پوچھی تو فرماتے ہیں کہ میری ماں کی بددعا مجھے لگ گئی ہے۔ تفصیل یہ بتائی کہ ایک مرتبہ بچپن میں مَیں نے ایک چڑیا پکڑی اور رسی سے اس کے پاؤں باندھ دیے، مگر وہ چڑیا میرے ہاتھ سے نکل کر ایک سوراخ میں گھس گئی اور رسی باہر رہ گئی۔ مَیں نے رسی کو پکڑ کر کھینچا تو چڑیا کے پر ٹوٹ گئے۔ میری ماں نے میری یہ بری حرکت دیکھی تو تڑپ گئی اور غصے میں اس نے مجھے بددعا دی کہ اللہ تعالیٰ تیرے پاؤں بھی اسی طرح ہی کاٹے جیسے تو نے اس بے زبان چڑیا کے پر توڑے ہیں۔ کچھ وقت ہی گزرا ہوگا کہ مَیں سفر میں

جارہا تھا کہ سواری سے گر پڑا، مجھے وہاں چوٹ ایسی لگی کہ ٹانگیں کاٹنی پڑیں اور یوں میں ماں کی بددعا کی عبرت ناک مثال بن کر رہ گیا ہوں۔

حضرت عوام بن حوشب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مکان اور قبرستان کے درمیان سے گزرا، مکان کے پاس ایک بڑھیا بیٹھی سوت کات رہی تھی، عصر کا وقت تھا، مکان کے بالکل سامنے کی قبر شق ہوئی، ایک آدمی نکلا، سر اس کا گدھے کا اور دھڑ انسان کا تھا، وہ تین مرتبہ گدھی کی طرح بولا، پھر قبر بند ہوگئی۔ میں بڑا پریشان ہوا، ماجرہ کیا ہے؟ میں اسی سوچ میں گم تھا، قریب سے ایک عورت گزر رہی تھی، میری پریشانی کو سمجھ گئی۔ کہنے لگی، یہ جو بڑھیا سوت کات رہی ہے، اس قبر والے کی ماں ہے۔ یہ لڑکا آوارہ تھا، شراب پیتا تھا، ماں اسے منع کرتی تھی، ایک روز ماں سے کہتا ہے، تو کیا گدھے کی طرح بولتی رہتی ہے، اسی دن یہ عصر کے بعد مر گیا، اسے دفنایا گیا، اب روزانہ عصر کے وقت قبر شق ہوتی ہے اور یہ گدھے کی طرح آوازیں نکالتا ہے۔

[تفسیر روح البیان]

❁❁❁❁❁

اے حسین ابن علی

باپ تیرا ہے زمانے بھر کے ولیوں کا ولی
اور تیری ماں ہے آغوشِ نبوت کی پلی — اے حسین ابن علی!

ہے رواں تیری رگوں میں خون اُس خاتون کا
جس کو کہنا چاہیے شاخِ رسالت کی کلی — اے حسین ابن علی!

دیدۂ مردانِ حر روشن ہے جس کے فیض سے
تو ہے تاریخِ شہادت کا وہ عنوان جلی — اے حسین ابن علی!

جاری و ساری ہے اب تک کارزارِ دہر میں
حق پرستی کی جو تجھ سے رسم تابندہ چلی — اے حسین ابن علی!

میں نہیں جانے کا سوئے بادشاہانِ جہاں
مجھ کو تیرے آستانے کی گدائی ہی بھلی — اے حسین ابن علی!

پروفیسر فیض رسول فیضان

❁❁❁❁❁

اسلامی معاشرت

تربیتِ اولاد میں باپ کا خصوصی کردار

شمع سلیم

عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ تربیت اولاد کا معاملہ بھی امورِ خانہ داری ہی کی کوئی شاخ ہے اور چوں کہ گھر کے اندر کا میدان خواتین ہی کے لیے مخصوص سمجھا جاتا ہے، اس لیے تربیتِ اولاد صرف ماں کی ذمہ داری ہے۔ بے شک تربیت کا یہ کام ہوتا گھر کے اندر ہی ہے، اِس سے بھی انکار نہیں کہ یہ امورِ خانہ داری ہی کی ایک شاخ ہے، مگر گھر کے اِس کام کو دوسرے تمام امور پر ویسی ہی برتری حاصل ہے جیسی اللہ تعالیٰ کی کائنات کی تمام مخلوق میں انسان کو حاصل ہے۔ یہ ان ذمہ داریوں میں سے ہے، جن کے اہتمام پر اسلام نے بہت زور دیا ہے اور ماں باپ دونوں کو اُن کے بدرجہ اتم پورا کرنے پر اُبھارا ہے۔ قرآن وحدیث کا مطالعہ اِس بات پر دلیل ہے کہ یہ دونوں کے کرنے کا کام ہے۔ چند آیات قرآنی ملاحظہ فرمائیں:

''یاد کرو جب لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا تو اس نے کہا، بیٹا! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے'' ---[لقمان،۳۱: ۱۳-۱۹]

''اور ابراہیم نے اپنی اولاد کو اسی دین اسلام پر چلنے کی وصیت کی اور یہی وصیت یعقوب اپنی اولاد کو کر گیا۔ اُس نے کہا تھا کہ میرے بچو! اللہ نے تمھارے لیے یہی دین پسند کیا ہے، لہٰذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا، پھر کیا تم اس وقت موجود تھے، جب یعقوب اس دنیا سے رخصت ہو رہا تھا۔ اُس نے مرتے وقت اپنے بیٹوں سے پوچھا: بچو! میرے بعد تم کس کی بندگی کرو گے۔ ان سب نے جواب دیا ہم سب اُسی ایک اللہ کی بندگی کریں گے جسے آپ نے اور آپ کے بزرگوں: ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق نے خدا مانا اور ہم اسی کے (آگے سر تسلیم خم کرنے والے) مسلم ہیں'' ---

[البقرہ،۲: ۱۳۲-۱۳۳]

''اور اپنے متعلقین کو نماز کا حکم دیں اور خود بھی اس کے پابند رہو'' ---[طٰہٰ،۲۰: ۱۳۲]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بچاؤ اپنے آپ کو اور گھر والوں کو اُس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں'' ---[التحریم،۶۶: ۶]

رسول اللہ ﷺ نے اس معاملے کی نزاکتوں کو سمجھتے ہوئے متعدد بار اس کی تاکید و وصیت فرمائی۔ چند احادیث درج ذیل ہیں:

''اپنے بچوں کو ادب سکھاؤ اور ان کی اچھی تربیت کرو'' ---[ابن ماجہ]

''اللہ اُس والد پر رحم کرے جو بھلائی میں اپنے بچے کی معاونت کرے'' ---[کتاب الثواب]

''مرد اپنے گھر کا رکھوالا (راعی) ہے اور اُس سے اس کی رعیت (گھر والوں) کے بارے میں بازپُرس ہوگی'' ---[بخاری، مسلم]

''کسی باپ نے اپنے بیٹے کو اچھے ادب سے بہتر عطیہ نہیں دیا'' ---[ترمذی]

مندرجہ بالا آیاتِ قرآنی و احادیث مبارکہ سے آخر کس طرح ثابت ہوتا ہے کہ یہ ذمہ داری صرف ماں پر ڈالی گئی ہے، بلکہ ان سے تو پتا چلتا ہے کہ یہ ایک مشترکہ عمل ہے جو میاں بیوی باہمی تعاون سے آپس میں مل جل کر کرتے ہیں۔ اسی لیے سلف صالحین اپنے بچوں کی تربیت کے لیے اعلیٰ فضا مہیا کرتے تھے۔ چناں چہ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ خلیفہ منصور نے بنی اُمیہ کے جیل خانے میں قیدیوں سے دریافت کیا کہ قید کے دنوں میں آپ لوگوں کو سب سے زیادہ تکلیف کس چیز سے ہوئی؟

انھوں نے بتایا کہ اس چیز سے کہ ہم اپنے بچوں کی تربیت کرنے سے محروم رہ گئے۔

[تربیتِ اولاد کا اسلامی نظام، عبداللہ ناصح علوان]

تعلیم و تربیت کا مفہوم

آیئے سب سے پہلے "تعلیم و تربیت" کے معنی پر غور کرتے ہیں:

تعلیم: سکھانا، تلقین، ہدایت، تربیت۔

تربیت: پرورش، پرداخت (دیکھ بھال، حفاظت)، تعلیم وتہذیب، تعلیم اخلاق۔

[فیروز اللغات اُردو جدید، نیا اڈیشن]

معلوم ہوا تعلیم سے مراد علم حاصل کرنے کی وہ کیفیت ہے جو بہر حال اپنی انتہا کو پہنچ سکتی ہے۔ چند خال خال اشخاص ہی ملیں گے جو اپنی زندگی کا بیش تر حصہ ڈگریاں جمع کرنے پر صَرف کر دیتے ہیں ورنہ آدمی اپنی تعلیم کا سلسلہ ایک حد تک جا کر منقطع کر دیتا ہے، جب کہ تربیت کا سلسلہ مرتے دم تک چلتا رہتا ہے۔ زندگی کے ابتدائی چند سال نہایت مؤثر ہوتے ہیں۔ موقع محل کی مناسبت سے اپنے اندر مناسب تبدیلی لانا، ہمہ وقت اپنا احتساب مدنظر رکھنا وغیرہ ایک نہ ختم ہونے والی تربیت ہی کا حصہ ہیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تربیت ہی تعلیم کو چمکاتی ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ فرد اگر اچھی تربیت سے بھی آراستہ ہو تو اپنا الگ نمایاں مقام پیدا کر لیتا ہے اور مہذب بھی کہلاتا ہے، جب کہ تربیت سے تہی دامن تعلیم یافتہ فرد معاشرے میں خاطر خواہ مقام حاصل کرنے سے قاصر رہتا ہے۔

دوسری طرف ایک بہترین تربیت یافتہ فرد اگر کسی وجہ سے زیادہ اعلیٰ تعلیم نہ بھی حاصل کر سکے تو اس کی تھوڑی سی حاصل شدہ تعلیم بھی اسے معاشرے میں اچھا مقام عطا کرتی ہے۔ شاید اسی لیے کسی عقل مند کا قول ہے کہ "نرا علم کافی نہیں ہوتا، لیکن نری صحبت کافی ہو جاتی ہے"۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے دور میں تعلیم یافتہ زیادہ اور تہذیب یافتہ کم ملتے ہیں، تاہم تعلیم بھی ناگزیر ہے، اس لیے اس کا حصول بھی لازم ہے۔

آیئے! اب دیکھتے ہیں کہ بحیثیت 'باپ' ایک فرد کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔

بچہ اور دینِ فطرت

اس ضمن میں باپ کی اوّلین کوشش یہ ہو کہ اس کے بچے کی ماں دینی شعور رکھنے والی ہو۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"اپنی اولاد کے لیے اچھے خاندان والی عورت کا انتخاب کرو، اس لیے کہ خاندان کا اثر سرایت کر جاتا ہے"---[ابنِ ماجہ]

اگر اس سلسلے میں ذرا بھی عدم اطمینان ہو تو یہ مرد کی ذمہ داری ہے کہ اپنے بچوں کی ماں کو ایسی فضا فراہم کرے جو حصولِ علم کے لیے سازگار ہو، نیز کم از کم ہفتے میں ایک بار اتنا وقت ضرور نکالے کہ جو دعائیں، قرآنی آیات اور تاریخی واقعات ماں نے بچے کو سکھائے یا سنائے ہیں، انھیں سنے اور بچے کے ساتھ کچھ وقت گزارے۔ تربیت کے اس مرحلے میں باپ کا عملی کردار بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ایک بہت چھوٹا بچہ نہ نماز پڑھتا ہے، نہ روزہ رکھ سکتا ہے اور نہ اپنے ہاتھ سے انفاق ہی پر قادر ہے، مگر جب باپ کو عملی طور پر ان دینی فرائض کو انجام دیتے ہوئے دیکھتا ہے تو یہ چیز اس کے ذہن پر نقش ہو جاتی ہے اور جب وہ خود عمل کی عمر کو پہنچتا ہے تو باپ کے کردار کی یہی تصویر اس کی رہنمائی کرتی ہے۔

تعلیم و تربیت کے تمام مراحل میں یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ بچے کی عمر کے حساب سے کام کریں۔ اگر آپ چاہیں گے کہ ایک چھوٹی عمر کا بچہ ہر وقت ہاتھ میں قرآن لیے بیٹھا رہے تو یقیناً آپ اسے انحراف اور بے زاری کا راستہ دکھائیں گے۔ جس وقت وحی کے ذریعے احکامات نازل کیے جاتے تھے تو وہ بھی بتدریج نازل ہوتے تھے تاکہ پیروی میں آسانی ہو، یہی انسانی فطرت ہے۔ بچے کو آہستہ آہستہ چھوٹی چھوٹی باتوں اور مثالوں سے اسلام، رسول ﷺ، اہلِ بیت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صالحین سے محبت کرنا سکھایئے اور اس کام میں تعاون اور نرمی کو یقینی بنایئے۔ یاد رکھیے، آپ سے آپ کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ کون پوچھے گا یہ سوال؟ کیا آپ اس سوال کے جواب کے لیے تیار ہیں؟ اس جواب کی تیاری کے لیے آپ درج ذیل باتوں سے مدد لے سکتے ہیں:

۱- جوں ہی بچہ ذرا بڑا ہو، اسے تلاوتِ قرآن پاک کی ابتدا کرایئے۔

۲- استاد اصولِ تجوید اور دینی بصیرت کا حامل ہو۔ ان امور سے ناواقف استاذ باعثِ نقصان ہے، نیز لڑکیوں کے لیے کوشش کی جائے کہ کسی خاتون کا انتظام ہو۔ اگر ممکن نہ ہو تو چھوٹی عمر میں قرآن ختم کرانے کی طرف توجہ دیں اور گھر کے ایسے حصے میں بٹھا کر پڑھانے کا بندوبست کریں جو سب کی نظروں میں ہو۔ اس دوران بچیوں کو تنہا چھوڑ دینا باعثِ فتنہ ہے۔

۳- اگر اولاد کا رجحان دیکھیں تو حفظِ قرآن پر توجہ دیں اور اس خواہش کو اُبھارنے کی کوشش کریں، نیز ناظرہ ختم ہو جانے کے بعد قرآن کے معنی اور تفسیر بھی پڑھوائیں۔ وہ لوگ جو ایسے معلم حضرات کا انتظام کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں وہ سمجھ لیں کہ وہ بڑی اعلیٰ جگہ اپنا پیسہ لگا رہے ہیں۔ یاد رکھیں، بیٹی کو شادی سے پہلے اور بیٹے کو نوکری سے پہلے پہلے جس قدر دینی علوم میں مہارت دلوا سکتے ہیں ضرور دلوایئے۔ یہ آپ کے لیے سب سے بڑا صدقۂ جاریہ ہوگا اور......

...... یہ بچے پھر بڑی مشکل سے ہاتھ آئیں گے۔

۴- جب بچہ اسکول جانے کی عمر کو پہنچ جائے تو مناسب 'تربیت گاہ' کا انتخاب کیجیے، جو بچے کو دنیاوی علوم کے ساتھ ساتھ دینی علوم میں بھی مستند بنائے۔ اس موقعے پر بھی بچیوں کے لیے مخلوط نظام کا انتخاب مت کیجیے۔

۵- فرائض کے ساتھ ساتھ نوافل کی اہمیت بتائیے اور ان کا شوق دلائیے۔

بچہ اور اس کی ذات

تربیت کے سلسلے میں توازن کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ تربیت روحانی ہو یا جسمانی، فکری ہو یا ایمانی، نفسیاتی ہو یا معاشرتی، ہر حیثیت میں بچے کی انفرادی اہمیت کو تسلیم کیا جانا چاہیے۔ یہ چیز جہاں اُس میں عزتِ نفس اور اعتماد پیدا کرتی ہے، وہاں آپ سے محبت کو بھی مضبوط بناتی ہے۔ یاد رکھیے، آپ کی طرح آپ کے اہلِ خانہ بھی دن بھر اپنے فرائض منصبی میں مصروف رہے اور اب وہ شام میں آپ کے منتظر ہیں اور آپ کی ایک مسکراہٹ کو ہر چیز سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ ایسے باپ جو گھر میں داخل ہوتے ہی دن بھر کی تھکن اور کوفت کو اپنے اہلِ خانہ پر غصہ، چیخ پکار کی شکل میں ظاہر کرتے ہیں، بہت جلد جان لیتے ہیں کہ بچپن میں سر جھکا لینے والے یہ بچے اپنے پیروں پر کھڑا ہوتے ہی انحراف، فرار اور نفرت کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ کس نے سکھایا یہ طرزِ عمل؟ آپ آج جس چیز کا بیج بوئیں گے، کل اُسی کی فصل کاٹیں گے۔

لڑکے اور لڑکی کی تربیت میں بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں، تاہم لڑکیاں نسبتاً زیادہ حساس ہوتی ہیں۔ باپ کی نرمی یا سختی کو خصوصی طور پر محسوس کرتی ہیں۔ ان کی ذات کا احترام اور ان کی موجودگی کو باعثِ رحمت ظاہر کرنا ان کی ذات میں پختگی پیدا کرتا ہے۔ لیکن لڑکوں کی تربیت میں باپ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ روزمرہ معاملات میں بچوں سے رائے لینا، ان کی باتوں کو اہمیت دینا، ان کی پسند اور ناپسند کو جائز امور میں فوقیت دینا، ان کی غلطیوں سے چشم پوشی کرنا، ان کے نقصان کی تلافی کرنا، ان کی ضروریات کو پورا کرنا، خاص کر اُن چھوٹی چھوٹی خواہشات کو جن کا اظہار وہ خود کریں--- یہ تمام وہ امور ہیں جو بچے کو نفسیاتی بالیدگی عطا کر کے اُن میں اعتماد و وقار پیدا کرتے ہیں۔ وہ باپ جو گھر کا سودا سلف خریدنے کے دوران اپنے لڑکوں کو ساتھ رکھتے ہیں، وہ نہ صرف انھیں دوستی کا ماحول فراہم کرتے ہیں بلکہ خریداری کا سلیقہ بھی سکھاتے ہیں۔ ناپسندیدہ رویے پر سرزنش کیجیے مگر ساتھ ہی کوئی سخت جسمانی سزا دینے میں جلدی نہ کیجیے۔ کوشش کریں، مار پیٹ کی نوبت ہی نہ آئے۔ یہ سمجھ لیں کہ جب کبھی اور جہاں کہیں یہ نوبت آتی ہے تو اس کے لانے میں بڑی حد تک باپ کا

ہاتھ بھی ہوتا ہے کیوں کہ ان کے حساب سے ان کی ذمہ داری بس پیسہ کما کر لانے کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ بعض ایسے باپ اگر کبھی اتفاق سے بچے کو پڑھانے بھی بیٹھ جائیں تو ابتدا ہی سے چیختے ہیں اور بالآخر بچے کے سر پر کتاب دے مارتے ہیں۔ ایسے غصہ ور باپوں سے اکثر مائیں بچوں کی بہت سی باتیں پوشیدہ رکھتی ہیں اور یوں حالات مزید بگڑتے ہیں۔

بچہ اپنے آپ کو شتر بے مہار سمجھنے لگتا ہے۔ بات بات پر تنقید، نکتہ چینی اور نامناسب برتاؤ بچوں میں شدید ہیجانی کیفیت پیدا کرتا ہے، جسے وہ وقتی طور پر روک لیتے ہیں لیکن یہ عمل لاتعداد جسمانی اور نفسیاتی بیماریوں کا دروازہ کھولتا ہے۔ ماہرین نفسیات کی رائے میں وہ مرد، جو گھروں میں اُونچی آواز سے چیخ کر غصے کا اظہار کرتے ہیں، ان کے اہلِ خانہ ہکلاہٹ، عدم توجہی و دل چسپی، بھول، نسیان وغیرہ جیسی بیماریوں میں مبتلا ہو کر بالآخر نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں۔

جسمانی نشو و نما کے لیے بھی محتاط رہیں۔ حسب توفیق صحت مند غذا فراہم کرنا اور بیماری کی صورت میں مناسب علاج معالجہ بچے کا حق ہے۔ یہی نہیں، ہلکی پھلکی تیمارداری سے آپ بچے کے دل میں اپنی محبت کے مزید چراغ جلا سکتے ہیں۔

غرض بچے پر جو کچھ خرچ کریں، خوش دلی سے کریں۔ اس کے اثرات نہایت مؤثر ہوں گے۔ وہ بچے جو بچپن میں بلاوجہ معمولی چیزوں کے لیے ترسائے جاتے ہیں، بڑے ہو کر کسی چھوٹے سے مقصد کا حصول بھی ان کے لیے دشوار ہو جاتا ہے اور یوں وہ احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ آپ کے پیسے پر سب سے زیادہ حق آپ کی اولاد کا ہے، جو آپ کی توجہ کی بھی محتاج ہے۔ بہت سے حضرات اپنے اہلِ خانہ پر بڑی مشکل سے اور گن گن کر خرچ کرتے ہیں، یہ نہایت ناپسندیدہ عمل ہے اور اسلام اس کی شدید مذمت کرتا ہے۔ تربیتی نکتے مدنظر رکھتے ہوئے اپنے بچے کے معاملے میں حد درجہ نرمی و شفقت کو اپنا شعار بنایئے، انھیں لپٹایئے، پیار کیجیے۔ یاد رکھیے، یہ کام آپ صرف اُن کے بچپن ہی میں کر سکتے ہیں، بڑے ہوتے ہی ان کے اندر ایک قدرتی جھجک پیدا ہو جائے گی۔ ایک بار ایک صحابی نے آں حضرت ﷺ کو ایک بچے کو پیار کرتے دیکھ کر کہا: اے اللہ کے رسول! میرے تو کئی بچے ہیں مگر میں نے کبھی انھیں لپٹا کر اس طرح پیار نہیں کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ نے تیرے دل میں رحم نہیں ڈالا، تو میں کیا کر سکتا ہوں۔

بچہ اور گھر کے افراد

ایک گھرانے کے تمام افراد کے درمیان باہمی ربط کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اگر چھوٹے بڑے کی تمیز، بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت نہ ہو تو توازن بگڑ جاتا ہے۔ ایک صحت مند ماحول

کے لیے ضروری ہے کہ بچوں کو آپس میں کھیل کود کی مکمل آزادی ہو۔ ان کی عمر اور رجحان کے مطابق کھلونے اور سامان مہیا کرنا باپ کی ذمہ داری ہے، مگر خیال رکھیں ایسے کھلونے جو تخریبی رجحان پیدا کرنے والے ہوں، گھر میں نہ لائے جائیں مثلاً بندوق یا چاقو وغیرہ۔ یہی معاملہ اخلاق بگاڑنے والے کھیل کھلونوں کا ہے۔

اپنے اہلِ خانہ کو سیر و تفریح کے مواقع مہیا کیجیے۔ ہر طبقے کا گھرانہ اپنے ماحول اور حالات کا لحاظ رکھتے ہوئے چھوٹی موٹی تفریح فراہم کر سکتا ہے۔ بنیادی بات اس نظریے کی موجودگی ہے کہ شرعی حدود میں رہ کر جائز تفریح کو اسلام پسند کرتا ہے۔ مہینے میں ایک بار گھر میں تیار کیا گیا سادہ سا کھانا ساتھ لے جا کر اگر کسی نزدیکی پارک میں کھا لیا جائے تو اس کے بے شمار مثبت اثرات نکلتے ہیں۔ یہ چیز جہاں ایک گھر کے افراد کو قریب لاتی ہے، وہاں روزمرہ کام کاج اور معمول کے منفی اثرات کو دُور کر کے ذہن کو تازگی دیتی ہے۔

بچوں کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی تعلیم دیں اور انھیں ایک دوسرے پر ترجیح نہ دیں۔ ان کے ساتھ برتاؤ اور لین دین میں برابری و مساوات کا خیال نہ رکھا جائے تو ان میں تفریق و امتیاز کا عنصر پیدا ہوگا، جو آگے چل کر باہمی حسد و رقابت کا باعث بنے گا۔ بہن بھائیوں کے درمیان چھوٹے چھوٹے مقابلے کرانا، انعام دینا، عید اور دیگر خوشی کے موقعوں پر انھیں تحائف دینا، جہاں اسلامی اقدار کے عین مطابق ہے، وہاں بچوں میں عزتِ نفس اور اطمینان کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ یوں انھیں اپنا ایک مقام نظر آتا ہے۔ اسلام نے اچھے اوصاف و کارکردگی کو سراہنے کی تاکید کی ہے اور سب کے سامنے شرمندہ کرنے سے منع کیا ہے۔

اپنے گھر کو لڑائی جھگڑوں اور ایک دوسرے کی مخالفتوں کا اکھاڑہ مت بنائیے۔ آپس کے تنازعات کے لیے وقت مخصوص کر کے بچوں سے علیحدہ ہو کر بات کیجیے۔ ان کے سامنے چیخ پکار اور غصے کا مظاہرہ کر کے آپ ان سے کس سیرت و کردار کی توقع کریں گے؟ اپنے ماحول کو ہر وقت کے تناؤ سے بھی محفوظ رکھیے۔ اپنے اہلِ خانہ کو خوش رکھ کر آپ یہ کام کر سکتے ہیں۔ بچے میں انحراف اور بغاوت کا ایک بہت بڑا سبب باپ کی سخت مزاجی اور ڈکٹیٹر شپ ہے۔ جب بچہ خود کو، اپنے بہن بھائیوں کو اور اپنی ماں کو ہر وقت بے جا پابندیوں میں جکڑا ہوا دیکھتا ہے تو دکھی ہو جاتا ہے اور اس ماحول سے فرار کے راستے ڈھونڈتا ہے۔ ایسے ماحول کے اکثر بچے بڑے ہو کر گھر سے بھاگ جاتے ہیں یا بھاگنے کی ترکیبیں سوچتے رہتے ہیں اور اپنے اندر باپ کے لیے وہ الفت اور محبت محسوس نہیں کرتے جس کا تقاضا فطرت کرتی ہے۔ یوں اللہ کے سپاہی بننے والے یہ فرشتے،

جسمانی ونفسیاتی مریض بن جاتے ہیں۔ ذرا قرآن کا مطالعہ کیجیے، جب اللہ تعالیٰ نے انبیاے کرام کو اپنے کام کے لیے چنا تو انھوں نے اپنے اہلِ خانہ اور بھائی بندوں کو اپنی مدد پر مامور کرانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی۔ [طٰہٰ، ۲۰: ۲۹-۳۴]

اسلامی قوانین کی رو سے ایک گھرانہ ہی اس اعلیٰ منصب کو پورا کرنے کی اہلیت رکھتا ہے اور اس کے سربراہ آپ ہیں۔ افرادِ خانہ کے اندر ایک دوسرے کی مدد کا جذبہ پیدا کیجیے۔ خصوصی طور پر لڑکوں کو بچپن ہی سے گھر کے چھوٹے موٹے کام کرنے کی عادت ڈالیے۔ ہمارے گھروں میں عام رواج یہ ہے کہ اگر مرد گھریلو کام کاج کو ہاتھ لگالیں تو یہ اُن کی مردانگی کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرز پر لڑکوں کی پرورش بھی ہوتی ہے، جب کہ اللہ کے رسول ﷺ جب اپنے گھر والوں کے درمیان ہوتے تو ان کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹھاتے۔ بچہ جب باپ کو خود یہ عمل کرتے دیکھتا ہے تو اس کے ذہن میں اس عمل کی کوئی قباحت نہیں رہتی بلکہ وہ باپ کی طرح بننے کو قابلِ فخر سمجھتا ہے۔

یہ بات ہمیشہ مدنظر رکھیں کہ والدین کا اچھا طرزِ عمل بچپن میں تو اولاد کے لیے صرف اچھی تربیت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے مگر جب اولاد جوان اور باشعور ہوتی ہے تو والدین کی یہی تصویر ان کے دل میں وہ عزت اور محبت پیدا کر دیتی ہے، جس سے وہ والدین محروم رہتے ہیں جن کا کردار اور عمل بچوں کے بچپن میں کمزور رہا تھا۔

بچہ اور معاشرہ

گھر کے باہر کے ماحول میں خاندان کے دیگر لوگ، پڑوسی اور میل جول کے دوسرے لوگ شامل ہیں۔ اسلام نے واضح طور پر ایسے احکام دیے ہیں جن کی رو سے ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ حقوق العباد کا خیال رکھے اور میل جول کے ذریعے لوگوں کی خوشی اور غمی میں شریک رہے۔ اس اسلامی فریضے کو پورا کرنے کے لیے اہلِ خانہ کو سہولت دیجیے، انھیں باہر لے جائیے اور ان کی سرگرمیوں پر خوش دلی کا مظاہرہ کیجیے۔ اپنی استطاعت اور موقع محل کی مناسبت سے عزیزوں اور دوستوں کو خود بھی ہدیہ دیں اور اہلِ خانہ کو بھی ترغیب دیں۔ اللہ کے رسول ﷺ ہدیہ دیتے بھی تھے اور قبول بھی کرتے تھے۔ اپنے حقیقی بہن بھائیوں کے علاوہ بھی بچے کو ہم عمر دوستوں میں اٹھنے بیٹھنے کی سہولت دیجیے۔ صحت مند جسمانی اور ذہنی نشو ونما کے لیے بچوں کو کھیلنے کا وقت زیادہ دینا مفید ہے، اس طرح بچے میں تخلیقی صلاحیتیں پیدا ہوں گی۔ بچوں کے دوستوں کا احترام کیجیے، ان کے سامنے بچے کی اچھی عادتوں کا ذکر کیجیے، بچوں سے باہر ہونے والی سرگرمیوں کو دل چسپی لے کر سنیے۔ جو والدین خصوصاً باپ اس کام کے لیے وقت نکالتے ہیں وہ بہت سی حقیقتوں سے واقف رہتے ہیں، انھیں

اصلاح کا موقع ملتا ہے اور یہ کہ بچہ والدین ہی کو اپنا دوست سمجھتا ہے۔ بس خیال رہے کہ یہ گفتگو غیبت یا عیب جوئی کا رنگ اختیار نہ کرے۔

بچوں کے سامنے ماں اور ماں کے گھر والوں کو عزت اور توقیر دیجیے۔ یہ چیز بچے کو دہری شخصیت کا شکار ہونے سے بچائے گی۔ یہ مت بھولیے کہ یہ سب بھی بچے کے رشتے دار ہیں، ان کی مخالفت بچے کو آپ کا مخالف بنا کر چھوڑے گی۔ اکثر معزز داماد حضرات کا رویہ اپنی بیوی کے گھر والوں کے ساتھ بڑا عجیب وغریب اور ہتک آمیز ہوتا ہے۔ ایسے داماد سمجھ لیں کہ انھیں محبت کا ملنا تو دُور کی بات ہے، جو تھوڑی بہت عزت ملتی ہے وہ بھی بس اوپرائی ہوتی ہے، نہ بیوی کے دل میں کوئی وقعت رہتی ہے اور نہ اولاد کے دل ہی میں۔ سسرال والوں کو تو خیر اپنا بنایا ہی نہ تھا............ حالانکہ اسلامی قوانین کی رُو سے شادی دو خاندانوں کا ملاپ اور باہمی طاقت اور اخوت کا ذریعہ ہونا چاہیے۔

خاندان کے دیگر گھرانوں کے معاملات وتقاریب میں خود بھی دل چسپی لیں اور بچوں کو بھی اس کی عادت ڈالیں۔ خاص کر قریبی رشتوں کی پہچان اور عزت افزائی یقینی ہونی چاہیے۔ اپنے دفتری اوقات اور دوسرے اہم مواقع پر وقت کی پابندی کا خیال رکھیے۔ آپ کا یہ ڈسپلن بچے کے لیے مشعلِ راہ ہوگا۔

کبھی کبھی بچوں کے دوستوں کو گھر مدعو کرنے کی اجازت دیں، ان کے دوستوں سے بات چیت کریں۔ وقفے وقفے سے دوستوں کا حال احوال اور ان کی سرگرمیوں کو پوچھتے رہیں۔ باپ کے نہایت اہم فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ باہر لڑکوں کے دوستوں پر نظر رکھیں اور اُس صحبت کی جانچ پڑتال کرتے رہیں جس میں بچہ وقت گزارتا ہے۔ یہ کام صرف ایک دن کے کرنے کا نہیں ہے، بلکہ متواتر عمل ہے۔ آپ کا لڑکا جس دوست سے ملنے جائے، اس کا نام، پتا اور فون نمبر لے کر رکھیں، لیکن اس تمام کارروائی میں آپ کا رویہ مخلصانہ اور بچے کی حفاظت پر مبنی ہو۔ جاسوسی کے انداز میں ہرگز نہیں۔ اپنی اس نیت کا آپ برملا اظہار بھی کریں تا کہ بچے کے سامنے آپ کے طریقۂ کار کی وضاحت ہو۔ ہمارے گھروں میں اولاد اور والدین، خصوصاً باپ کے درمیان عدمِ رابطہ یا ناقص رابطے کی بنیادی وجہ یہی اظہارِ خیال کا فقدان ہے۔ افرادِ خانہ ایک دوسرے کے بنیادی خیالات ہی کو نہیں سمجھ پاتے اور بعض اوقات بڑی بڑی غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں۔ لہٰذا گھر کا عام ماحول کھل کر بات کرنے کا ہو۔ اسلام مبہم بات چیت سے منع کرتا ہے۔

بچہ اور والدین کے آپس کے تعلقات

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بچے کی تربیت کا تمام دارومدار والدین کے آپس کے تعلقات پر ہے۔

زوجین کی ذہنی ہم آہنگی جہاں اس دشوار کام کو آسان بلکہ پُر کیف بناتی ہے، وہیں یہ تعلق اُن عوامل اور محرکات کو استحکام اور دوام بخشتا ہے، جن کی مدد سے زوجین بچوں کی تربیت کرتے ہیں۔ والدین کے خیالات کا فرق و تکرار بچے کو دوراہے پر لا کھڑا کرتا ہے۔ ایک کی رائے کچھ اور دوسرے کی کچھ اور۔ بچہ کس کی مانے، اس کے لیے تو دونوں برابر ہیں۔ ایسا بچہ اپنی منزل کا تعین کس طرح کرے گا، جس کے سامنے ابھی غلط اور صحیح کی گتھی ہی نہیں سلجھی۔ اس طرح کے اکثر بچوں میں قوتِ فیصلہ کی سخت کمی ہوتی ہے اور واقعے کو سمجھنے میں انھیں دشواری رہتی ہے۔ بعض بچے والدین کی اس کمزوری کو بھانپ لیتے ہیں اور اس کمزوری سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ والدین سے الگ الگ اپنی باتیں منواتے ہیں، لہٰذا حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ باہمی اختلاف کو محسوس کرتے ہی خاموشی اختیار کر لی جائے۔ بچے کے سامنے اس کا اظہار نہ کیا جائے اور باہمی معاملات کو طے کرنے کے لیے ہفتے میں کم از کم ایک دن ایسا رکھا جائے جس میں گفتگو کے ذریعے ایک نتیجے پر پہنچا جائے۔

اس کے لیے چھٹی کے دن نمازِ فجر کے بعد کا وقت نہایت موزوں رہتا ہے۔ عموماً اس وقت بچے سو رہے ہوتے ہیں۔ دورانِ گفتگو اگر کوئی بدمزگی ہو بھی جائے تو بچے اُس سے متاثر نہیں ہوتے۔ بچوں کے سامنے اپنے آپ کو ایک رائے والا بنا کر پیش کریں۔ یاد رکھیے، بچے والدین کے درمیان اعتماد اور پیار و محبت کا سلوک دیکھ کر اپنے اندر محفوظ ہونے کی ایک عجیب کیفیت محسوس کرتے ہیں۔ ہمارے اکثر گھرانوں میں خواتین کو دبا کر رکھنے کا رجحان ہے۔ بچے قدرتی طور پر ماں سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ کیا ایسے بچوں سے کسی مضبوط شخصیت کی توقع کی جا سکتی ہے، جس کے باپ بات بات پر ماں کو طلاق کی یا چھوٹی چھوٹی باتوں سے گھبرا کر گھر سے بھاگ جانے کی دھمکیاں دیتے ہوں۔ یہ دھمکیاں ان کے ننھے ننھے دلوں کو ہر لحہ لرزاتی رہتی ہیں۔ ''کہیں یہ ہمیں چھوڑ کر نہ چلے جائیں'' یہ خوف ان کے شعور اور لاشعور کی دنیا کو تباہ کر دیتا ہے۔

اگر کسی وقت محسوس کریں کہ آپ کے مقابلے میں آپ کی بیوی کا موقف زیادہ وزنی ہے، تو بلا تامل اُس کی بات چلنے دیں۔ زبردستی اپنی بے تکی رائے جمانے والے باپ بڑی جلدی اپنی حیثیت متاثر کر لیتے ہیں، خاص کر جب اولاد بڑی ہو کر صحیح اور غلط کو سمجھنے کی اہل ہو جائے۔

اپنی بیوی کی بیماری یا مصروفیت کے دوران روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے کام اپنے ہاتھ سے کر لینے کو اپنی شان کے خلاف نہ سمجھیے۔ اس طرح بچہ نہ صرف اپنی ماں، بلکہ ضرورت پڑنے پر آپ کی مصروفیت کو بھی اہم جانے گا۔ اس طرح بچوں میں ایسے حالات میں باہمی مدد کا جذبہ بھی پیدا ہوگا اور وہ یہ بھی سیکھیں گے کہ ''جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں، ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ

اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو، اس کی سزا بہت سخت ہے"۔
[المائدہ،۵:۲]

ہمارے نبی آں حضرت ﷺ کا ارشاد ہے:
"تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہو اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تم سب سے بہتر برتاؤ کرتا ہوں"---[ابن ملجہ، حاکم]
حدیث کا آخری حصہ ظاہر کرتا ہے کہ سیرتِ طیبہ کا مطالعہ ایک مسلمان کے لیے بہترین رہنمائی ہے۔

بچہ اور باپ کی دعا

شادی کے مقدس بندھن کے بعد نیک اور صالح اولاد کے لیے اللہ سے دعا کرنا چاہیے۔
"میرے رب! تو اپنے پاس سے مجھے پاک باز اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا کا سننے والا ہے"---[ال عمران،۳:۳۸]
جب اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا فرما دے تو بچے کی پرورش میں جہاں وہ تمام امور ضروری ہیں جن کا ابھی تک ذکر ہوا، وہاں قدم قدم پر اُسے باپ اور اُس کی دعاؤں کی ضرورت پیش آئے گی۔ اپنی بھرپور عملی کوششوں کے ساتھ ساتھ بچے کے لیے دعا بھی کرتے رہیے۔ یہ دعائیں صرف حال کے لیے نہیں، بلکہ اس کے مستقبل اور پھر مستقبل بعید کے لیے بھی ہوں۔ انسان کی زندگی کا کوئی بھروسا نہیں۔ اللہ نے آپ کو "آج" دیا ہے، اس میں اپنے بچے کے "آج اور کل" کے لیے دعا کریں۔ اگر آپ کا بچہ ۳،۴ سال کا ہے تو اس کی معاش اور پھر شادی شدہ زندگی کے مراحل جیسے دور کے کام آپ کے ذہن میں نہیں آتے، مگر نہیں، بچے کے ہر دَور کے لیے دعا کریں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک جیسے بزرگ کا دل والدین کی شبانہ روز دعاؤں سے ہی پلٹا تھا۔ قرآن پاک اس ضمن میں ایک مسلمان کی مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ چناں چہ دیکھیے سورۂ فرقان [۲۵:۷۴]:
"اے ہمارے رب! ہمیں ہمارے جوڑوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا"---
حضرات! غور کریں آپ کی ذریت کون ہے؟؟ آپ کے بچے اور پھر ان کی اولادیں.......... سورۂ ابراہیم (۱۴:۳۵) میں ہے:
"اور جب ابراہیم نے دعا کی، پروردگار! اس شہر کو امن کا شہر بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا"---

اسی سورہ میں آیت ۴۰ میں ہے:

''اے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد سے بھی۔ بے شک تو دعا قبول کرنے والا ہے'' ---[ابراہیم،۱۴: ۴۰]

یہی نہیں اپنے بچے کو بھی اپنے لیے دعا کرنا سکھائیے، یہ بھی اسلامی تربیت کا حصہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''جب کوئی آدمی مرجاتا ہے تو اس کے عمل کی مہلت ختم ہو جاتی ہے۔ صرف تین چیزیں مرنے کے بعد بھی فائدہ پہنچاتی ہیں: ایک صدقۂ جاریہ، دوسرے اس کا پھیلایا ہوا وہ علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں، تیسرے وہ صالح اولاد جو اس کے لیے دعاے مغفرت کرتی رہے'' [آدابِ زندگی، یوسف اصلاحی، صفحہ ۱۹۹]

''اور دعا کرو، پروردگار ان دونوں پر رحم فرما جس طرح بچپن میں انھوں نے میری پرورش کی'' ---[بنی اسرائیل،۱۷: ۲۴]

اس کے علاوہ سورۂ نوح آیت ۲۸ اور سورۂ ابراہیم آیت ۴۱ میں اولاد کو اپنے والدین کے لیے بہترین انداز سے دعا کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

اولاد کے لیے والدین اور والدین کے لیے اولاد دنیا کی بہت بڑی نعمت ہیں۔ پس ہر کسی کو اس معاملے میں اللہ رب العزت کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ قرآن ہمیں ایسی جامع دعائیں سکھاتا ہے جن کے ذریعے ہم نیک و صالح اولاد کے لیے شکر گزاری بجا لا سکتے ہیں۔ شکر گزاری کا لازمی نتیجہ برکت ہے۔

''شکر ہے اُس خدا کا جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق جیسے بیٹے دیے۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا رب ضرور دعا سنتا ہے'' ---[ابراہیم،۱۴: ۳۹]

اسی طرح اولاد بھی ہر لمحہ والدین کے احسان یاد کر کے ان کے لیے دعا گو رہے۔

''اے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اُن نعمتوں کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا کیں اور ایسا نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو جائے۔ اور میری اولاد کو بھی نیک بنا کہ مجھے سکھ دے۔ میں ترے حضور توبہ کرتا ہوں اور تابع فرمان (مسلم) بندوں میں سے ہوں'' ---[احقاف،۴۶: ۱۵]

تمام گفتگو کا حاصل یہ ہوا کہ کمزوریوں سے زیادہ سے زیادہ پاک گھرانہ ہی وہ ادارہ ہے جہاں صحت مند شخصیت کی نشو و نما ممکن ہے۔ بطور سربراہِ خانہ اپنے اہل و عیال کو اپنے لیے صدقۂ جاریہ بنائیں۔ غالباً آپ کا معاملہ کچھ یوں ہے: حیثیت بڑی، ذمہ داریاں زیادہ، جواب دہی سخت۔

آیئے! آخر میں مختصراً کچھ باتوں کا جائزہ لیں اور دیکھیں ہم نے اِس بھاری ذمہ داری کی

جواب دہی کے لیے کتنی تیاری کی:

۱- اپنے اہلِ خانہ سے گفتگو کے دوران آپ کا لہجہ ویسا ہی میٹھا اور نرم ہے جتنا باہر لوگوں سے گفتگو کے وقت تھا؟

۲- آپ ان کی رائے پر بھی اعتماد کرتے ہیں یا بس اپنی چلاتے رہتے ہیں؟

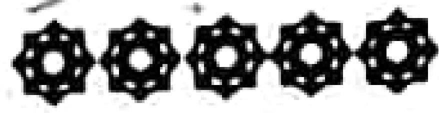
۳- کبھی آپ کو اپنی کمزوریاں بھی نظر آئیں یا قصور اکثر اہلِ خانہ ہی کا ہوتا ہے؟

۴- کمزوری سب میں ہوتی ہے۔ اس کی نشان دہی پر اُسے دور کرنے کی کوشش کی یا ___ آپ تو قبیلے کے سردار ہیں، سب کچھ چلے گا، والا معاملہ ہے۔

۵- کیا واقعی آپ کی گھر میں موجودگی اہلِ خانہ کے لیے خوشی کا باعث ہے یا یہ صرف آپ کا خیال ہے؟

اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا کرتے ہوئے سچائی سے ان سوالات کا جواب تلاش کیجیے۔

[بشکریہ ماہ نامہ ترجمان القرآن]



روزِ قیامت انسان کو کس طرح پکارا جائے گا؟

ماں کے نام سے یا باپ کے نام سے؟

علامہ غلام رسول سعیدی

قیامت کے دن انسان کو اس کے باپ کے نام کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا۔ امام بخاری نے کتاب الادب میں ایک باب کا یہ عنوان قائم کیا ہے کہ لوگوں کو ان کے آباء کے نام سے پکارا جائے گا اور اس باب کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اوّلین و آخرین کو جمع فرمائے گا اور ہر عہد شکن کے لیے ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا، پھر کہا جائے گا یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی ہے''---

[صحیح بخاری، رقم الحدیث ۶۱۷۷/صحیح مسلم، جہاد، (۱۷۳۵) ۴۴۴۸]

حضرت ابوالدرداء ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بے شک تم قیامت کے دن اپنے ناموں سے اور اپنے باپوں کے ناموں سے پکارے جاؤ گے تو اپنے اچھے نام رکھو"---

[سنن ابو داؤد، رقم الحدیث ۴۹۴۸/ صحیح ابن حبان، رقم الحدیث ۵۸۱۸/ سنن دارمی، رقم الحدیث ۲۶۹۴/ مسند احمد، جلد ۵، صفحہ ۱۹۴، مطبع قدیم، اس کی سند صحیح ہے/ مسند احمد، جلد ۱۶، رقم الحدیث ۲۱۸۵۹، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ/ موارد الظمآن، رقم الحدیث ۱۹۴۴/ سنن کبریٰ للبیہقی، جلد ۹، صفحہ ۳۰۶/ مشکوٰۃ، رقم الحدیث ۴۷۶۷]

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص کو اس کی ماں کے نام کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ سعید بن عبداللہ اودی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوامامہ ﷺ کے پاس گیا، اس وقت وہ نزع کی کیفیت میں تھے۔ انہوں نے کہا جب میں مر جاؤں تو میرے ساتھ اس طرح عمل کرنا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے مردوں کے ساتھ عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب تمہارے بھائیوں میں سے کوئی شخص فوت ہو جائے تو تم اس کی قبر کی مٹی ہموار کرنے کے بعد اس کی قبر کے سرہانے کھڑے ہو جانا، پھر کہنا اے فلاں بن فلانہ، تو وہ کہے گا، اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے ہم کو ہدایت دو، لیکن تم کو اس کے کلام کا شعور نہیں ہوگا۔ پھر اس سے یہ کہنا کہ یاد کرو جب تم دنیا سے گئے تھے تو 'ان لا الٰہ الا اللّٰہ و ان محمدا عبدہ و رسولہ' کی شہادت دیتے تھے اور تم اللہ کو رب مان کر، اسلام کو دین مان کر، محمد (ﷺ) کو نبی مان کر اور قرآن کو امام مان کر راضی تھے۔ پھر منکر اور نکیر میں سے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر یہ کہے گا، یہاں سے چلو، ہم اس شخص کے پاس نہیں بیٹھتے، جس کو جواب تلقین کر دیا گیا ہے۔ ایک شخص نے کہا، یارسول اللہ! اگر ہم کو اس کی ماں کا نام یاد نہ ہو تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

پھر پکارنے والا اس کو حواء کی طرف منسوب کرے اور کہے، یا فلاں بن حواء"---

[المعجم الکبیر، جلد ۸، رقم الحدیث ۷۹۷۹/ تہذیب تاریخ دمشق، جلد ۶، صفحہ ۴۲۴/ مجمع الزوائد، جلد ۲، صفحہ ۳۲۴/ کنز العمال، رقم الحدیث ۴۲۴۰۶، ۴۲۹۳۴]

اس کا جواب یہ ہے کہ ہماری بحث اس میں ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے باپ کی

طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا اور اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ دفن کے بعد قبر پر کھڑے ہو کر اس شخص کو اس کی ماں کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے، لہٰذا یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں۔

اس موضوع پر حسب ذیل احادیث سے بھی استدلال کیا جاتا ہے۔ حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا پردہ رکھتے ہوئے قیامت کے دن ان کو ان کے ناموں سے پکارے گا'' ---

[المعجم الکبیر، جلد ۱۱، صفحہ ۱۱۲۴۲/ البدور السافرہ، صفحہ ۳۳۵/ الدر المنثور، جلد ۸، صفحہ ۵۳]

حافظ سیوطی نے البدور السافرہ میں یہ حدیث اسی طرح ذکر کی ہے، لیکن الدر المنثور میں امام طبرانی اور امام ابن مردویہ کے حوالوں سے اس طرح ذکر کی ہے:

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں کا پردہ رکھتے ہوئے ان کو ان کی ماؤں کی طرف منسوب کر کے پکارے گا'' ---

لیکن امام طبرانی کی روایت میں ماؤں کا ذکر نہیں ہے۔ حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا ایک راوی اسحٰق بن بشر ابو حذیفہ متروک ہے۔ [مجمع الزوائد، جلد ۱۰، صفحہ ۳۵۹]

حافظ محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

''امام ابن حبان نے کہا، اس کی احادیث کو اظہار تعجب کے سوا لکھنا جائز نہیں'' ---

امام دارقطنی نے کہا، یہ کذاب متروک ہے۔

علی بن مدینی نے بھی اس کو کذاب قرار دیا۔ یہ شخص ۲۶۰ھ میں بخارا میں فوت ہو گیا تھا۔

[میزان الاعتدال، جلد ۱، صفحہ ۳۳۵، رقم ۷۴۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ]

امام ابن عدی، اسحٰق بن ابراہیم الطبری کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے دن اللہ عزوجل کی طرف سے لوگوں پر ستر کرتے ہوئے ان کو ان کی ماؤں کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا'' ---

امام ابن عدی نے کہا، یہ حدیث اس سند کے ساتھ منکر ہے۔

[الکامل فی ضعفاء الرجال، جلد ۱، صفحہ ۳۳۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت]

علامہ شمس الدین ذہبی اسحٰق بن ابراہیم الطبری کے متعلق لکھتے ہیں، امام ابن عدی اور امام دارقطنی نے اس کو منکر الحدیث قرار دیا اور امام ابن حبان نے کہا، یہ ثقات سے موضوعات کو روایت کرتا ہے، اس کی احادیث کو اظہار تعجب کے سوا روایت کرنا جائز نہیں ہے۔ امام ابن حبان نے اس کی متعدد باطل روایتوں کی مثال ذکر کی ہے، حافظ ذہبی نے اس روایت کا بھی ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ منکر ہے۔ [میزان الاعتدال، جلد ۱، صفحہ ۳۲۷، رقم ۷۱۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت]

علامہ بدرالدین محمد بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

''امام بخاری کی صحیح حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگوں کو صرف ان کی ماؤں کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا تاکہ ان کے آباء پر پردہ رہے۔ نیز اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اشیاء پر حکم ان کے ظاہر کے اعتبار سے لگایا جاتا ہے''--- [عمدۃ القاری، جز ۲۲، صفحہ ۲۰۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ]

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگوں کو صرف ان کی ماؤں کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا تاکہ ان کے (اصل) آباء پر پردہ رہے۔ (علامہ عسقلانی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ یہ وہ حدیث ہے جس کو امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے اور اس کی سند بہت ضعیف ہے اور امام ابن عدی نے اس کی مثل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ منکر ہے۔ علامہ ابن بطال نے کہا، کسی شخص کی پہچان اور شناخت کے لیے اس کو اس کے باپ کی طرف منسوب کرنا بہت زیادہ واضح ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چیزوں کے ظاہر پر حکم لگانا جائز ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی شخص کی اس کے باپ کی طرف نسبت کی جائے گی جو دنیا میں اس کا باپ مشہور تھا نہ کہ اس کے حقیقی باپ کی طرف اور یہی قول معتمد ہے۔

[فتح الباری، جلد ۱۰، صفحہ ۵۶۳، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ]



بنات النبی

مفتی محمد علیم الدین نقشبندی

بنات النبی کا ایمان لانا

بعثت نبوی کے پہلے سال ہی حضور نبی محترم ﷺ کی چاروں بیٹیاں رضی اللہ تعالیٰ عنہن مشرف باسلام ہوئیں۔

- حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا، آپ ﷺ کی سب سے بڑی لخت جگر
- حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
- حضرت سیدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا
- حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

یہ چاروں بیٹیاں رضی اللہ تعالیٰ عنہن اس وقت ایمان لائیں جب ان کی والدہ ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حلقہ بگوشِ اسلام ہوئیں۔[۱]

زرقانی نے سیرت ابن اسحاق اور سیرت شامی سے المواھب اللدنیۃ کی شرح میں اسی طرح نقل فرمایا ہے۔[۲]

اس صورت میں علمائے سیرت کے اس ارشاد:

اِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ الْخَطَّابِ اَوَّلُ امْرَاَةٍ اَسْلَمَتْ بَعْدَ خَدِیْجَةَ---

''ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد سب سے پہلے ایمان لانے والی عورت حضرت سیدہ فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں''---

کا معنی یہ ہوگا کہ حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کی بیٹیوں کے بعد سب سے پہلے ایمان لانے والی خاتون حضرت سیدہ فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔

حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ کا ایمان لانا

ہجرت نبوی کے چھٹے سال حضرت ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ نے ایمان قبول کرلیا[۳] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پہلے نکاح پر ہی ان کے سپرد فرمادیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نئے نکاح[۴] کے بعد اُن کے ہاں روانہ فرمایا۔ بعض دیگر علماء کا ارشاد ہے کہ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ رخصتی ۷ھ میں ہوئی۔

حضرت سیدہ زینب کو حضرت ابو العاص کے سپرد فرمانا

ہجرت کے ساتویں سال نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لختِ جگر حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کے (ایمان لانے کے بعد) سپرد فرمادیا۔ بعض علماء نے فرمایا، یہ سپردگی ۶ھ میں تھی۔

سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال

آٹھ ہجری کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا [۵] کا انتقال ہوا۔ بنات طیبات میں سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب سے بڑی تھیں۔ آپ کا وصال ۸ھ کے آغاز میں ہوا۔

حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح

بعثت نبوی کے دوسرے سال حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا، لیکن مواہب لدنیہ اور سیرت شامیہ میں ہے کہ جب یہ آیہ کریمہ ﴿وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ [الشعراء:۲۱۴] ''اے محبوب! اپنے قریبی خاندان والوں کو ڈرسنائیں'' نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان والوں کو مجتمع فرمایا، انہیں آخرت کا خوف دلایا۔ ابولہب بھی ان میں موجود تھا، وہ گویا ہوا ''سارا دن تیرے لیے تباہی کا ہو،

کیا اس لیے تو نے ہم کو اکٹھا کیا تھا؟'' زاں بعد اس نے اپنے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کو حکم دیا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی دونوں بیٹیوں سے الگ ہو جاؤ۔ حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عتبہ اور حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا عتیبہ کے نکاح میں تھیں۔ ابھی تک رخصتی نہ ہوئی تھی، چناں چہ انہوں نے رخصتی سے قبل ہی ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اس واقعہ کے جلد ہی بعد حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمالیا۔

اس کے بعد رجب، ۵ بعثت نبوی کو حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ حبشہ کی جانب ہجرت فرمائی۔

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مانند بہت ہی حسین و جمیل تھے۔ اس حسین جوڑے کے بارے میں لوگ یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

اَحْسَنُ زَوْجَيْنِ رَأَى اِنْسَانٌ
رُقَيَّةُ وَ زَوْجُهَا عُثْمَانُ [۶]

''حسین ترین میاں بیوی جو کسی انسان نے دیکھے وہ حضرت سیدہ رقیہ اور ان کے خاوند حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں''---

حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی پھوپھی صحابیہ [۷] حضرت سعدیٰ بنت کریز بغثمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسی بارے میں مندرجہ ذیل اشعار کہے، جب انہوں نے حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا:

هَدَى اللّٰهُ عُثْمَانَ الصَّفِيَّ بِقَوْلِهٖ
فَاَرْشَدَهٗ وَ اللّٰهُ يَهْدِيْ اِلَى الْحَقِّ [۸]

''اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ عثمان کو اپنے کلام کی جانب راہنمائی فرمائی، پھر انہیں ہدایت سے نوازا اور اللہ تعالیٰ ہی حق کی جانب ہدایت فرماتا ہے''---

فَتَابَعَ بِالرَّأْيِ السَّدِيْدِ مُحَمَّدًا
وَ كَانَ ابْنُ اَرْوٰى لَا يَصُدُّ مِنَ الصِّدْقِ [۹]

''انہوں نے مضبوط رائے کے ساتھ حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی اتباع اختیار کی، ابن اروی (حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام ہے) سچ (کی اتباع)

سے رک نہیں سکتا"---

وَ اَنْکَحَهُ الْمَبْعُوْثُ اِحْدیٰ بَنَاتِهٖ

فَکَانَ کَبَدْرٍ مَّازَجَ الشَّمْسَ بِلَا اُفُقٖ

"اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح آپ رضی اللہ عنہ سے کر دیا، ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کہ چاند اور سورج بغیر افق کے مل گئے ہیں"---

فَدًی لَّکَ یَا ابْنَ الْهَاشِمِیِّیْنَ مُهْجَتِیْ

فَاَنْتَ اَمِیْنُ اللّٰهِ اُرْسِلْتَ لِلْخَلْقِ

"اے ہاشمی آباء کے سپوت! آپ ﷺ پر میری جان فدا ہو، آپ ﷺ اللہ کے امین ہیں اور مخلوق کی جانب رسول بنا کر آپ ﷺ کو بھیجا گیا ہے"---

ان اشعار کو علامہ "ابوسعید" نے "شرف النبوۃ" اور امام "محب طبری" نے "الریاض النضرۃ" میں درج کیا ہے۔

حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا وصال

حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی زوجہ، حبیبِ کبریا ﷺ کی لختِ جگر حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا انتقال دو ہجری میں ہوا۔ آپ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا وصال اس سال ماہ رمضان المبارک میں ہوا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ان کی وفات ذی الحجہ کے مہینے میں ہوئی۔

پہلا قول صحیح تر ہے، کیوں کہ آپ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے غزوۂ بدر سے دو دن بعد وصال فرمایا، اتفاق سے حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی وفات اسی روز ہوئی جس دن حضرت سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ [۱۰] غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی فتح اور مشرکین کے مقتول ہونے کی خوش خبری لے کر مدینہ طیبہ آئے۔ حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے دفن میں مشغول تھے۔ اس دن اتوار تھا اور رمضان المبارک کی ۱۹ تاریخ تھی۔ جنگِ بدر سترہ رمضان المبارک، جمعۃ المبارک کے دن ہوئی۔

بوقت وصال حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی عمر مبارک بیس یا اکیس برس تھی۔

حافظ سہیلی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا:

"حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی وفات رمضان المبارک ۲ھ میں ہونا ہی

صحیح قول ہے"---

علامہ قسطلانی قدس سرہ العزیز نے مواہب لدنیہ میں فرمایا:

"حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت، ولادتِ نبوی کے تیسویں سال ہوئی"---

علامہ قسطلانی قدس سرہ العزیز کے ارشاد کے مطابق، بوقتِ وصال حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارک کے اکیس سال ہونے کا قول صحیح قرار پاتا ہے۔ جب کہ ان کی ولادت اور وفات کا سال شامل نہ کیا جائے۔

حضرت عثمان غنی کا حضرت ام کلثوم سے نکاح

ہجرت نبوی کے تیسرے سال ربیع الاوّل میں حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا[۱۱] جو سرکار کائنات ﷺ کی صاحبزادی تھیں۔

حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی اسی سال جمادی الآخرہ میں ہوئی۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت بعثت نبوی سے پہلے ہوئی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عمر میں چھوٹی اور خاتونِ جنت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑی تھیں۔ تذکرۃ القاری میں اسی طرح لکھا ہے۔

اس قول کی رو سے حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت باسعادت نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک کے چونتیسویں برس میں ہوئی۔

نبی کریم ﷺ کی لختِ جگر حضرت ام کلثوم کا وصال

نو ہجری کو شعبان کے مہینے میں حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول ﷺ کی لختِ جگر تھیں[۱۲] نے حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاں وصال فرمایا۔[۱۳]

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء اور حضرت سیدنا علی کا نکاح

ہجرت نبوی کے دوسرے سال جب ماہ صفر کے کچھ ایام باقی تھے حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نکاح[۱۴] حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منعقد ہوا۔ یہ نکاح ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کاشانۂ نبوت میں آنے کے ساڑھے چار ماہ بعد ہوا۔ حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارک اس وقت انیس برس اور ڈیڑھ ماہ تھی، کیوں کہ آپ کی ولادت باسعادت

صحیح قول کی رو سے تعمیر کعبہ کے دنوں میں نزول وحی سے پانچ برس قبل ہوئی تھی، جیسا کہ علامہ ابن علان نے اذکار نووی پر اپنی شرح میں لکھا ہے۔ اس لحاظ سے حضرت خاتونِ جنت کی ولادت نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک کے پینتیسویں سال میں ہوئی۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی عمر اس وقت ۲۴ سال اور ڈیڑھ ماہ تھی، کیوں کہ آپ ۳۰ رمیلاد نبوی میں متولد ہوئے۔

حضرت سیدہ خاتونِ جنت کی رخصتی

اس سال حضرت سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاں، غزوۂ بدر کے بعد، ذی الحجہ میں عمل میں آئی۔ اس وقت نبی پاک ﷺ کی ہجرت مدینہ کو بائیس ماہ ہونے کو تھے۔

ایک قول کی رو سے یہ رخصتی ۳ رھ کو غزوۂ احد کے بعد وقوع پذیر ہوئی، لیکن راجح پہلا قول ہے۔

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت

اسی سال جب رمضان المبارک نصف بیت چکا تھا، حضرت سیدنا امام حسن بن حضرت سیدنا علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی ولادت باسعادت ہوئی۔

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا شکمِ مادر میں تشریف فرما ہونا

ذوالقعدہ کے مہینہ میں، حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت کے پچاس روز بعد، حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اپنی والدہ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شکم مبارک میں تشریف فرما ہوئے۔

حضرت سیدہ خاتونِ جنت سے سرگوشی

بیماری کے ایام میں نبی کریم ﷺ کی لختِ جگر حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا، آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔ سرگوشی کے انداز میں آں حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ میرا وصال اسی مرض میں ہو جائے گا۔ اس پر وہ رونے لگیں، دوبارہ سرگوشی میں ارشاد فرمایا کہ اہل بیت میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے ملوگی، اس پر وہ مسکرانے لگیں۔

ایک روایت میں ہے کہ دوبارہ نبی کریم ﷺ نے انہیں سرگوشی میں ارشاد فرمایا:

"کیا آپ اس پر راضی نہیں کہ آپ جنتی عورتوں کی سردار بنیں"۔۔۔

دونوں روایتوں میں تطبیق اسی طرح دی گئی ہے کہ دوسری سرگوشی میں نبی اکرم ﷺ نے ان سے دونوں باتیں کہی تھیں، کیوں کہ اس میں کوئی منافات نہیں۔

خاتونِ جنت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء کا وصال

محبوبِ خدا ﷺ کی شاہزادی حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہجرت کے گیارہویں سال ہوا۔ وصالِ نبوی کے چھ ماہ کے بعد، منگل کے دن ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ہوا۔ [۱۵]

وصال کے وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارک ۲۹ برس تھی۔ ایک روایت کی رو سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ۲۴ برس تھی۔ عمر کا یہ اختلاف آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سنِ ولادت میں اختلاف کا باعث ہے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت ایک قول کی رو سے اعلان نبوت سے پہلے ان دنوں میں ہوئی، جب قریش مکہ مکرمہ کی تعمیر نو کر رہے تھے اور کعبہ کی تعمیر ولادت نبوی کے ۳۵ ویں برس ہوئی۔ دوسرے قول کے مطابق آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت، ولادتِ نبوی کے ۴۱ ویں برس ہوئی، یعنی نزول وحی کے پہلے سال۔

علامہ ابن علان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''اذکار نووی'' کی شرح میں لکھا ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت کے متعلق پہلا قول صحیح ہے۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے وقت عمر میں بھی اسی وجہ سے اختلاف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا، اس وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارک ۱۹ برس اور ڈیڑھ ماہ تھی اور بعض نے لکھا کہ عمر مبارک اس وقت ۱۵ برس ساڑھے پانچ ماہ تھی۔

حواشی

۱...... حضور نبی کریم ﷺ کے ابنائے طاہرین حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کے علاوہ دو ہیں، جو ام المومنین حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے ہیں، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت سیدنا قاسم رضی اللہ عنہ، یہ نبی اکرم ﷺ کے سب سے بڑے لختِ جگر تھے۔ حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ، جن کا لقب طیب اور طاہر ہے۔ ان ہر دو حضرات کی ولادت اور وفات بعثت نبوی سے قبل ہے۔ ایک دوسرے قول کے مطابق ان دونوں کی ولادت اور وفات بعثت کے بعد ہوئی۔ ان کا ایمان والدین کے تابع، ان کی ولادت کے سال ہی سے شمار ہوگا۔ ان کی پیدائش اور وفات کے سال کی تعیین مجھے نہیں مل سکی۔

اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ ان کی ولادت، وفات اور تدفین مکہ مکرمہ میں ہوئی۔
حضور نبی محترم ﷺ کے تیسرے لختِ جگر حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی لونڈی حضرت سیدہ ماریہ (قبطیہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن اقدس سے تھے۔

۲......الزرقانی شرح المواھب اللدنیہ، جلد۱، صفحہ۲۴۷

۳......ہجرت کے چھٹے سال جمادی الاولیٰ میں، لیکن دوسرے قول کی رو سے جمادی الاخریٰ میں، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو عیص کی جانب مہم پر بھیجا گیا۔ مسلمانوں نے کفارِ قریش کے کچھ لوگوں کو گرفتار کر لیا، جن میں حضرت سیدنا ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ بھی تھے، جو نبی کریم ﷺ کی لختِ جگر حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاوند تھے۔ حضرت سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے گزارش کی کہ انہیں اپنی پناہ میں لے لیں۔ چناں چہ انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو پناہ میں لے لیا اور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا "میں نے ابوالعاص کو پناہ دے دی ہے" اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

"اے زینب! جسے تو نے پناہ دی، وہ ہماری پناہ میں ہے"---

اس کے بعد حضرت رسالت مآب ﷺ نے ان کو پناہ کا اعلان فرما دیا اور حضرت سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے جو مال لیا تھا، اسے واپس فرما دیا۔ حضرت سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ہاتھوں رہائی پا کر سارا مال لے کر مکہ مکرمہ پہنچے، ہر مالک کو اس کا مال پہنچایا، پھر پوچھا، کیا میرے پاس کسی کا مال ہے، جو ابھی تک اس نے وصول نہ کیا ہو؟ انہوں نے جواب دیا، نہیں۔ پھر پوچھا، کیا میں نے اپنی ذمہ داری کو پورا کر دیا؟ سب نے کہا، ہاں، ہم نے آپ کو وعدہ پورا کرنے والا اور کریم پایا ہے۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے کلمہ شہادت پڑھا اور اپنے ایمان کا اعلان کر دیا۔ پھر فرمایا، میں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اپنے ایمان کا اعلان اس لیے نہ کیا کہ تمہیں خیال ہو کہ میں تمہارا مال کھا جاؤں گا، اب اللہ تعالیٰ نے وہ مال تم پر واپس لوٹا دیا اور میں اس سے فارغ ہو چکا، اس لیے اب اپنے ایمان کا اعلان کیا، پھر وہاں سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ آ گئے۔ [زرقانی علی المواھب اللدنیہ، جلد۲، صفحہ۱۵۲]

۴......یہ دونوں روایتیں بظاہر متضاد ہیں، لیکن فی الحقیقت متضاد نہیں، کیوں کہ پہلی روایت جس میں ہے کہ پہلے نکاح پر ہی نبی پاک ﷺ نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خاوند کے سپرد فرما دیا، اس کا معنی ہے کہ پہلے نکاح میں جو مہر وغیرہ مقرر تھا، سپردگی کے موقع پر اس میں

اضافہ نہ فرمایا، بلکہ اسی مہر پر نکاح ثانی ہوا اور وہ اپنے خاوند کے ہاں تشریف لے گئیں، کیوں کہ قرآن مجید میں نص قطعی وارد ہے:

﴿لَا ھُنَّ حِلٌّ لَّھُمْ وَلَا ھُمْ یَحِلُّوْنَ لَھُنَّ﴾---

''مشرک عورتیں مسلمان مردوں پر حلال نہیں اور نہ ہی مشرک مرد مسلمان عورتوں کے لیے حلال ہیں''---

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اسلام کے باعث ان میں تفریق ہو چکی تھی، لہٰذا نکاحِ جدید ضروری تھا، اسی پر آج امت کا عمل ہے۔فقہا میں سے کسی کا اس میں اختلاف نہیں، ماخوذ از زرقانی علی المواہب، جلد۲، صفحہ ۱۵۷، ۱۵۸

۵......آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوالعاص بن ربیع ﷺ کے نکاح میں تھیں۔ان کی دو اولادیں تھیں، ایک کا نام حضرت علی ﷺ تھا، جو بلوغ کے قریب پہنچے تھے۔مروی ہے کہ فتح مکہ کے روز نبی کریم ﷺ نے انہیں اپنا ردیف بنایا تھا اور دوسری لڑکی تھی، جن کا نام حضرت امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔خاتونِ جنت حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کے بعد ان کی وصیت کے مطابق امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا تھا۔

[مدارج النبوۃ اردو ترجمہ، جلد۲، صفحہ ۵۴۳]

حضرت سیدہ امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نبی کریم ﷺ بہت پیار کرتے تھے۔ایک مرتبہ حضور ﷺ نماز ادا فرما رہے تھے اور حضرت سیدہ امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دوش مبارک پر بٹھائے ہوئے تھے، جب رکوع جاتے تو زمین پر اتار دیتے اور سجدے سے سر مبارک اٹھا کر قیام کی طرف آتے تو دوش اقدس پر بٹھا لیتے تھے۔حضرت سیدہ امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ ﷺ کے فرزند حضرت سید محمد اوسط ﷺ متولد ہوئے۔

[مدارج النبوۃ، جلد۳، صفحہ ۷۸۲]

۶......سیرت ابن ہشام، جلد۱، صفحہ ۲۰۴ میں یہ شعر اس طرح منقول ہے:

اَحْسَنُ شَخْصَیْنِ رَایٰ اِنْسَانٌ رُقَیَّۃُ وَ بَعْلُھَا عُثْمَانٌ

۷......حضرت سعدیٰ بنت کریز رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو صاحب بذل القوۃ نے حضرت سیدنا عثمان غنی ﷺ کی عَمَّہ (پھوپھی) لکھا ہے، جو مبنی بر خطا ہے۔صحیح یہ ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت خلیفہ ثالث کی خالہ ہیں۔ ملاحظہ ہو، الاصابہ، جلد۴، صفحہ ۴۷۷/ الریاض النضرۃ، جلد۲، صفحہ ۱۱۳ وغیرہ کتب۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خاندان سے آپ کی والدہ ماجدہ، خالہ حضرت سیدہ سعدیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ماں کی جانب سے بھائی حضرت ولید بن عقبہ بن معیط رضی اللہ عنہ، حضرت خالد بن عقبہ ابن ابی معیط رضی اللہ عنہ، حضرت عمارہ بن عقبہ ابن ابی معیط رضی اللہ عنہ اور ہمشیر حضرت ام کلثوم بنت عقبہ ابی معیط رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایمان قبول فرمایا۔ حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اوّلین مہاجرات میں سے تھیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ سب سے پہلی قریشی بی بی ہیں، جنہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں بیعت کی۔ ماں اور باپ دونوں جانب سے سگی بہن حضرت آمنہ بنت عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی مشرف باسلام تھیں۔ [الریاض النضرۃ، جلد۲، صفحہ ۱۱۳]

۸......الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ میں پہلا مصرعہ یوں ہے:

هَدَى اللّٰهُ عُثْمَانًا بِقَوْلِيْ إِلَى الْهُدٰى

''اللہ تعالیٰ نے میری گفتگو کے باعث عثمان (رضی اللہ عنہ) کو ہدایت کی جانب راہنمائی فرمائی''---

۹......الریاض النضرۃ، جلد۲، صفحہ ۱۱۳ میں یہ مصرعہ اس طرح درج ہے:

وَ كَانَ بِرَأْيٍ لَّا يَصُدُّ عَنِ الصِّدْقِ

''آپ ایسے (صائب) رائے والے ہیں جو سچ سے نہیں روکتی''---

اسی میں سے آپ کی ہمشیرہ آمنہ بنت عفان صاحب ایمان تھیں۔ والدہ کی جانب سے آپ کے بھائی حضرت ولید، حضرت خالد، حضرت عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔ ماں کی جانب سے بہن حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حلقہ بگوش اسلام تھیں۔ یہ سب عقبہ بن ابی معیط بن عمرو بن امیہ کی اولاد سے تھے۔ [الریاض النضرۃ، جلد۲، صفحہ ۱۱۳]

۱۰......حضرت سیدنا زید رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب صحابی تھے اور محبوب صحابی یعنی حضرت سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی تھے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کی رو سے ہر دو امارت کے مستحق ہیں، خود صحابی، صحابی کے والد اور صحابی کے لڑکے ہیں۔ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو جس سریہ پر روانہ فرمایا، اس کا امیر بنایا، اگر وہ زندہ رہتے تو نبی پاک انہیں اپنا نائب مقرر فرما دیتے۔ اس روایت کو

ابن ابی شیبہ نے قوی اسناد کے ساتھ حضرت سیدہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے۔

[زرقانی علی المواہب، جلد۲، صفحہ۱۵۵]

نوٹ: حضرت زید رضی اللہ عنہ نے غزوۂ موتہ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ ابن ہشام، جلد۳، صفحہ۴۳۳

۱۱...... نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اگر میری سو بیٹیاں ہوتیں تو میں ایک کی وفات کے بعد دوسری کا نکاح آپ (رضی اللہ عنہ) سے کرتا چلا جاتا۔ یہ جبرئیل (علیہ السلام) ہیں، جنہوں نے مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ میں اس (ام کلثوم) کا نکاح تیرے ساتھ کردوں''---

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں نے ام کلثوم کا نکاح عثمان کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کی وحی سے کیا ہے''---[زرقانی علی المواهب اللدینه، جلد۳، صفحہ۲۰۰]

۱۲...... حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحب زادی تھیں۔ پہلے عتبہ بن ابولہب کے نکاح میں تھیں، جس نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دے دی اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے گستاخی کے ساتھ پیش آیا، جس کے نتیجہ میں اس کا بڑا خوفناک انجام ہوا، کہ ایک تجارتی سفر میں شیر کا لقمہ بنا۔ حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کے بعد حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ یہ نکاح ہجرت کے تیسرے سال ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جبرئیل امین علیہ السلام نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں اس کا نکاح عثمان (رضی اللہ عنہ) سے کروں۔ [مدارج النبوۃ اردو ترجمہ، جلد۲، صفحہ۷۸۵، ۷۸۶]

۱۳...... حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کے وقت نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر میرے پاس تیسری صاحب زادی ہوتی تو تمہارے نکاح میں دے دیتا۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر دس صاحب زادیاں ہوتیں تو یکے بعد دیگرے وصال کے بعد تمہارے نکاح میں دیتا جاتا۔ [مدارج النبوۃ اردو ترجمہ، جلد۲، صفحہ۷۸۶]

۱۴...... حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کے لیے پہلے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیغام دیا۔ نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں ان کے نکاح کے

بارے میں حکم الٰہی کا انتظار کر رہا ہوں۔ زاں بعد حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پیام دیا، تو حضور ﷺ نے وہی جواب ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد حضرت سیدہ ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ترغیب دی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں اس بارے میں رسالت مآب ﷺ سے شرم رکھتا ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اصرار پر حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور مدعا عرض کیا، تو سرکار دوعالم ﷺ نے یا مرحبا اھلاً فرمایا۔

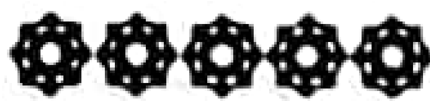
حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں بارگاہ اقدس میں حاضر تھا، اس وقت آپ ﷺ پر نزول وحی کی کیفیت طاری ہوئی۔ اس کیفیت کے ختم ہونے پر فرمایا:

"اے انس! حضرت جبریل امین علیہ السلام آئے اور کہا، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ فاطمہ کا نکاح علی سے کر دوں۔ اے انس! جاؤ ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر اور جماعت انصار کو بلا لاؤ"---

جب سب حاضر ہو گئے تو حضور اکرم ﷺ نے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے کر دیا۔ ایک طباق کھجوریں لے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لٹا دیں۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی زرہ چار سو اسی درہم میں فروخت کی۔ اس کو حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے خریدا اور بعد میں وہ زرہ واپس فرما دی [تاریخ ابن خلدون حاشیہ اردو ترجمہ، جلد ا، صفحہ ۴۷] اس رقم سے عطر اور خوشبو خریدی گئی اور جہیز کا سامان خریدا گیا۔ اختصار از مدارج النبوت اردو ترجمہ، جلد ۲، صفحہ ۱۲۷، ۱۳۱

۱۵......سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ ماجدہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھا، وہ گھر کی مسجد کے محراب میں رات بھر نماز میں مشغول رہتیں، یہاں تک کہ صبح طلوع ہو جاتی۔ میں نے انہیں مسلمان مردوں اور عورتوں کے حق میں بہت زیادہ دعا کرتے سنا، انہوں نے اپنی ذات کے لیے کوئی دعا نہ مانگی۔ میں نے عرض کیا، اے مادر مہربان! کیا سبب ہے کہ آپ اپنے لیے کوئی دعا نہیں مانگتیں؟ فرمایا، اے فرزند! پہلے ہمسایہ ہیں، پھر گھر ہے۔ آپ کی نماز جنازہ ایک روایت کے مطابق حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

[مدارج النبوت اردو ترجمہ، جلد ۲، صفحہ ۷۹۱]



حضور ﷺ کی گھریلو زندگی کے خدوخال

پروفیسر خلیل احمد نوری

حضور رحمت عالم، نور مجسم ﷺ کی پاکیزہ زندگی کے بے شمار گوشے اور گوناگوں پہلو ہیں۔ ہر گوشا انسانیت کے لیے منارۂ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وہ تابناک سیرت ہے، جس کی تقلید واتباع میں انسانیت کی فلاح وکامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔ سیرت طیبہ کے ان لائق تقلید پہلوؤں میں ایک پہلو حضور ﷺ کی خانگی زندگی ہے۔ اس موضوع پر گزارشات پیش کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ خانگی زندگی کا مفہوم اور اس کی حدود واضح کر دی جائیں تا کہ گفتگو متعین دائرے میں رہے۔

خانگی کا لفظ خانہ کی طرف منسوب ہے، لہٰذا خانگی زندگی کا مطلب گھریلو زندگی ہے۔ اگرچہ گھریلو زندگی کی بنیادی اکائی شوہر اور بیوی ہیں۔ تاہم والدین، اولاد، رشتہ دار اور گھر کی چار دیواری میں کام کاج کرنے والے ملازمین بھی درجہ بدرجہ اس عمارت کے اہم اجزاء ہیں۔

گھریلو زندگی کے حسن اور خوب صورتی کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس کے مذکورہ اجزاء کے درمیان ربط وہم آہنگی ہو، محبت والفت پر مبنی تعلقات ہوں، حقوق وفرائض کا تعین ہو اور ہر فرد دوسرے جز کے لیے ایثار وقربانی اور اصلاح وخیر خواہی کا جذبہ رکھتا ہو۔ اس سلسلے میں جو چیز بنیادی حیثیت کی

حامل ہے، وہ سربراہ خاندان کا عادلانہ رویہ، مشفقانہ طرز عمل اور مختلف امور میں افراد خانہ کو راہنمائی فراہم کرتا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی خانگی زندگی ان احکام کی عملی تصویر تھی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی آخری کتاب میں ارشاد فرمائے ہیں۔ ذیل میں افراد خانہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے تعلق کی عملی مثالیں اور ارشادات پیش کیے جاتے ہیں، جس سے آپ کی خانگی زندگی کے خدوخال واضح ہو جائیں گے۔

ماں باپ کے ساتھ الفت و محبت کے مظاہر

حضور اکرم ﷺ یتیم پیدا ہوئے اور چھ برس کی عمر میں والدہ ماجدہ کا وصال ہو گیا، اس لیے آپ کو والدین کی معیت میں رہنے اور ان کی خدمت کرنے کا موقع نہیں مل سکا، تاہم رضاعی والدین، رضاعی بھائی اور پرورش کرنے والی دیگر خواتین کے ساتھ آپ کے طرز عمل اور والدین کے بارے میں عمومی ہدایات وارشادات سے آپ کے اسوہ کا یہ پہلو نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔

1. حضرت ابو الطفیل ؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو "جعرانہ" کے مقام پر گوشت تقسیم فرماتے ہوئے دیکھا۔ اتنے میں ایک عورت حاضر خدمت ہوئی حتی کہ حضور ﷺ کے قریب تر ہو گئی۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے اپنی چادر مبارک بچھا دی تو وہ اس پر بیٹھ گئی۔ میں نے پوچھا کہ یہ خاتون کون ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ آپ ﷺ کی رضاعی ماں ہیں۔[۱]

2. حضرت عمر بن السائب ؓ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اکرم ﷺ تشریف فرما تھے کہ آپ کے رضاعی والد آ گئے۔ آپ نے ان کے لیے کپڑا بچھا دیا تو وہ اس پر بیٹھ گئے۔ پھر آپ کی رضاعی والدہ آئیں تو ان کے لیے کپڑے کا ایک حصہ دوسری طرف بچھا دیا اور وہ اس پر بیٹھ گئیں، پھر آپ کے رضاعی بھائی آ گئے تو رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور انھیں اپنے سامنے بٹھا لیا۔[۲]

3. حضور رؤف ورحیم ﷺ کی بچپن میں پرورش ونگہداشت کرنے والی خواتین میں حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام نمایاں ہے۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے، میری ماں کے بعد میری ماں ام ایمن ہیں اور آپ ﷺ ان کے ہاں ان کی زیارت کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے۔[۳]

۴ حضرت ام ایمن کے ساتھ حضور ﷺ کے تعلق و محبت کا انداز اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد دونوں خلفاء حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ ﷺ کی اتباع و پیروی میں حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زیارت کو اپنا معمول بنالیا تھا۔[۴]

۵ سرور کائنات ﷺ کی پرورش اور دیکھ بھال کا اعزاز حاصل کرنے والی خواتین میں حضرت فاطمہ بنت اسد والدہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھیں۔ حضور ﷺ نے ان کے حسن سلوک اور بھلائی کو یاد رکھا۔ جب حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی تو حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور انہیں اچھے لفظوں سے یاد کیا اور ان کی قبر کھودنے میں شرکت کی، کفن کے لیے اپنی قمیص مبارک کا تبرک عنایت فرمایا، ان کے ساتھ قبر میں لیٹے اور ان کے لیے خصوصی دعا کی۔ اس سلسلے میں پوری روایت ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی والدہ نے وفات پائی تو حضور ﷺ ان کے سرہانے تشریف لائے اور فرمایا:

"اے میری ماں! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ میری والدہ صاحبہ کے بعد آپ ہی تو میری ماں تھیں۔ آپ خود بھوکا رہ کر مجھے کھلایا کرتی تھیں، خود کم پہن کر مجھے پہننے کو کپڑا مہیا کرتی تھیں، مجھے اچھا کھانا دیتیں اور خود اس سے محروم رہتیں۔ اس میں سوائے اللہ تعالیٰ کی رضا کے آپ کو کچھ مطلوب نہ تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کو تین تین بار غسل دینے کا حکم فرمایا۔ جب کفن دیا جانے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی قمیص مبارک اتار کر دی، جسے ان کو پہنا دیا گیا اور اس کے اوپر کفن پہنایا گیا۔ بعد ازاں حضور ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید، حضرت ابو ایوب انصاری، حضرت عمر اور ایک حبشی غلام رضی اللہ عنہم کو قبر تیار کرنے کا حکم فرمایا۔ قبر کھودتے وقت حضور سید العالمین ﷺ اپنے دست اقدس سے لحد کھودتے اور مٹی باہر نکالتے رہے۔ پھر آپ ﷺ قبر میں لیٹ گئے اور اپنے توسل اور سابقہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے توسل سے ان کی مغفرت اور وسعت قبر کے لیے دعا مانگی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی بارگاہ مقدس میں عرض کیا:

یارسول اللہ! آپ نے ان کو اپنی قمیص مبارک کا کفن کس لیے دیا؟ ---

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

التبسها لتلبس من ثياب الجنة و اضطجعت معها في قبرها لا خفف عنها ضغطة القبر ---

''میں نے اپنی قمیص کا کفن اس لیے دیا تا کہ جنت کا لباس پہنایا جائے اور قبر میں ان کے ساتھ اس لئے لیٹا تا کہ انھیں قبر کی تنگی کے عذاب سے تخفیف دلاؤں'' ---[۵]

والدین کے ساتھ اُنس و محبت کا اندازہ اُس روایت سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے، جس میں آپ ﷺ کا اپنی والدہ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر پر حاضری کا تذکرہ ہے۔

آپ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبرِ انور کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر کو دیکھ کر آپ ﷺ کو خود رونا آ گیا اور اردگرد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی رو دیے۔[۶]

حضرت سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے ایک ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ اپنی والدہ ماجدہ کی قبرِ انور کی زیارت کی، جتنا اس روز روئے، آپ ﷺ کو کبھی اتنا روتا ہوا نہیں دیکھا گیا'' ---[۷]

درج بالا مثالیں اس امر کی شہادت کے لیے کافی ہیں کہ حضور ﷺ کو اپنے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت کا موقع ملتا تو والدین کے ساتھ الفت و محبت، حسنِ سلوک، ان کے اعزاز و اکرام اور خدمت کرنے کی کیسی کیسی عملی مثالیں سیرتِ طیبہ سے میسر آتیں۔ تاہم حضور ﷺ نے اپنے ارشادات کے ذریعے معاشرے میں والدین کی جو حیثیت متعین فرمائی، اس کا اندازہ ان چند احادیث سے لگایا جا سکتا ہے:

- اولاد اپنے والدین کا صرف اُسی صورت میں حق ادا کر سکتی ہے کہ اسے غلام پائے اور خرید کر آزاد کر دے۔[۸]
- ایک شخص نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ فرمایا، تمہاری والدہ۔ عرض کیا، پھر کون؟ فرمایا، تمہارے والد'' ---[۹]

- دریافت کیا گیا، کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے؟ فرمایا، وقت پر نماز ادا کرنا۔ عرض کیا گیا، پھر کون سا؟ فرمایا، والدین کے ساتھ بھلائی کرنا۔[۱۰]

● ایک آدمی نے جہاد میں جانے کی اجازت طلب کی۔ فرمایا، کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ عرض کیا، ہاں۔ فرمایا، پھر اُن کی خدمت میں جہاد کرو۔[11]

ان حقائق سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا اپنے ماں باپ کے ساتھ فطری محبت دوارفتگی کا تعلق تھا اور اگرچہ حقیقی والدین کریمین زندہ نہ تھے تاہم آپ کا جذبۂ عقیدت ومحبت سرد نہ پڑا تھا۔

بحیثیت شوہر--- مثالی طرز عمل

حضور ﷺ نے متعدد نکاح فرمائے اور مختلف عمروں اور الگ الگ مزاج کی عورتوں کو آپ ﷺ کی زوجیت میں آنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ ﷺ کا اِن کے ساتھ مثالی تعلق رہا۔ نہ ہی ازواج مطہرات کو شکایت کا ایسا موقع ملا، جو انھیں بددل کرنے کا سبب پیدا کرتا اور نہ ہی آپ ﷺ کی ازدواجی زندگی میں بے اطمینانی دیکھنے میں آئی۔

مثالی ازدواجی زندگی ہی خانگی (گھریلو) زندگی کو پرسکون، قابلِ رشک اور خوش گوار بناتی ہے، جب کہ اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ بیوی شوہر سے محبت کرنے والی، وفا شعار اور خدمت گزار ہو، اپنی پاک دامنی کی محافظ اور شوہر کے مال اور گھر میں امانت داری کا لحاظ رکھنے والی ہو۔ جب کہ شوہر بیوی کو معاشی اور معاشرتی تحفظ مہیا کرے، اس کی خوبیوں اور صلاحیتوں کا اعتراف کرے، اگر بیوی کی طرف سے کوئی نامناسب طرزِ عمل دیکھے، تو درگزر کرے، البتہ حکمت سے اصلاح وتربیت کا فریضہ انجام دے، گھر کا ماحول خوش گوار رکھنے کے لیے محبت والفت کا عملی اظہار کرے اور ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان عادلانہ روش اپنائے۔

بحیثیت شوہر حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا یہ پہلو اتنا شان دار اور تاب ناک ہے کہ جب آپ ﷺ نے اعلانِ نبوت فرمایا تو اس وقت حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کے ساتھ پندرہ برس کا عرصۂ رفاقت گزار چکی تھیں۔ کسی بھی انسان کی کمزوریوں اور خامیوں سے آگاہ ہونے کے لیے اتنا عرصہ کافی ہوتا ہے۔ چناں چہ حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہ صرف سب سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان لائیں، بلکہ پہلی وحی کے موقع پر جن الفاظ کے ساتھ آپ کو تسلی دی، ان میں آپ کی عمدہ سیرت اور عظمتِ کردار کا کھلا اعتراف موجود ہے۔

حضور ﷺ نے غارِ حرا سے واپسی پر فطری پریشانی کا اظہار کیا، تو حضرت خدیجہ الکبریٰ نے کہا:

"ہرگز نہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ یوں ہی اکیلا نہیں چھوڑ دے گا، کیوں کہ آپ کی عظمتِ کردار یہ ہے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، کمزوروں کے بوجھ اٹھاتے ہیں،

لاچار اور مجبور لوگوں کو کما کر کھلاتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور راہِ حق میں مصائب سہنے والے ہیں"---[۱۲]

یہی وہ عظمتِ کردار ہے، جس کا اعتراف حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان الفاظ میں کیا ہے:

فَاِنَّ خُلُقَ رسولِ اللہ ﷺ کان القرآن---[۱۳]

"بے شک رسول اللہ ﷺ کا خلق تو قرآن مجید کا نمونہ تھا"---

رسول اللہ ﷺ نے بیویوں کے ساتھ خیر و بھلائی اختیار کرنے کی دوسروں کو تعلیم دی، تو اپنی ذات کو بطورِ نمونہ پیش کرتے ہوئے فرمایا:

خیرُ کم، خیرُ کم لِاَھلِہٖ وَ اَنا خیرُ کم لِاَھلِی---[۱۴]

"تم میں سے بہترین شخص وہ ہے، جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہے اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم سب سے اچھا ہوں"---

ازواجِ مطہرات سے اظہارِ محبت و وفا

سب سے پہلے حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کی زوجیت میں آئیں اور ان سے آپ ﷺ کی اولاد ہوئی۔ جب تک وہ زندہ رہیں، حضور ﷺ نے کسی اور خاتون سے نکاح نہیں فرمایا اور جب وہ وفات پا گئیں، تو اکثر انھیں یاد فرمایا کرتے۔ ان کے متعلق حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیانات ملاحظہ فرمائیں، فرماتی ہیں:

"میں نے کسی زوجۂ مطہرہ پر اتنی غیرت نہیں کی، جتنی کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ پر غیرت کرتی تھی۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ ان کا کثرت سے ذکر فرمایا کرتے تھے اور ان کی تعریف کیا کرتے۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی فرمائی گئی تھی کہ اُنھیں جنت میں موتیوں کے محل کی بشارت دے دو"---[۱۵]

دوسری روایت میں ہے:

"مجھے رسول اللہ ﷺ کی کسی زوجہ پر اتنا رشک نہیں آیا، جتنا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر، حالاں کہ میں نے انھیں دیکھا بھی نہیں تھا۔ لیکن حضور نبی اکرم ﷺ ان کا اکثر ذکر فرماتے تھے۔ جب آپ کوئی بکری ذبح کرتے، تو اس کے اعضاء کو علیحدہ علیحدہ کر کے انھیں حضرت خدیجہ کی ملنے والی عورتوں کے پاس بھیجتے۔ کبھی میں

عرض کرتی، گویا دنیا میں حضرت خدیجہ کے سوا کوئی اور عورت نہیں ہے؟ حضور فرماتے، ہاں! وہ ایسی ہی بے مثال عورت تھی، میری اولاد بھی تو اسی سے ہوئی"---[۱۶]

ایک اور روایت میں ہے:

"حضرت سیدہ خدیجہ کی بہن ہالہ بنت خویلد نے رسول اللہ ﷺ سے اندر آنے کی اجازت مانگی، تو آپ نے اسے حضرت خدیجہ کا اجازت مانگنا خیال کیا۔ لہٰذا کانپ اٹھے اور فرمایا، خدایا! یہ تو ہالہ ہیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھے رشک آ گیا۔ عرض کیا، آپ قریش کی ایک سرخ رخساروں والی بڑھیا کو اتنی یاد کرتے ہیں، جسے فوت ہوئے زمانہ بیت گیا، کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا نعم البدل عطا نہیں فرمایا"---[۱۷]

امام قسطلانی نے شرح بہجۃ الحاوی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا:

"نہیں، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے مجھے خدیجہ سے بہتر عورت نہیں دی۔ وہ اس وقت مجھ پر ایمان لائی، جب لوگوں نے مجھ سے کفر کیا۔ اس نے اس وقت میری تصدیق کی، جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور مجھے اس وقت اپنا مال پیش کیا، جب کہ لوگ مجھے اپنی مدد سے محروم رکھے ہوئے تھے"---[۱۸]

حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اظہار محبت و وفا کا اندازہ اس بات سے بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے داماد ابوالعاص یعنی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر (جو بعد میں ایمان لے آئے تھے، رضی اللہ عنہ) غزوۂ بدر میں قیدی بن کر آئے اور جب اہلِ مکہ نے اپنے اپنے قیدیوں کا فدیہ بھیجا تو حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ابوالعاص کے فدیے میں مال بھیجا، جس میں وہ ہار بھی تھا، جو حضرت سیدہ خدیجہ نے انھیں بوقتِ نکاح جہیز میں دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا، تو آپ پر شدید رقت طاری ہو گئی۔ فرمایا:

"اگر تم مناسب سمجھو تو زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے قیدی کو رہا کر دو اور اس کا مال بھی واپس دے دو"---[۱۹]

ازواج مطہرات کی دل داری

حضور نبی اکرم ﷺ اور ازواج مطہرات کا تعلق نبی اور امتی کے ساتھ ساتھ خاوند اور بیوی کی حیثیت سے بھی تھا، لہٰذا جس طرح بیویاں مختلف مواقع پر ناراضی کا اظہار کرتی ہیں اور یہ توقع

رکھتی ہیں کہ خاوند ان کی ناز برداری کریں، ازواج مطہرات بھی اس طبعی اور فطری وصف سے خالی نہ تھیں۔ لہٰذا حضور ﷺ ازواج کی دل داری کے لیے ان کی نازک مزاجی اور خفگی برداشت کرتے اور ان کی خاطر داری کیا کرتے۔ چناں چہ کبھی ایسا ہوتا کہ ازواج میں سے کوئی آپ کو پلٹ کر جواب دیتی اور سارا دن آپ ﷺ کو ناراض کیے رکھتی۔ [۲۰]

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حضور ﷺ سے راضی ہوتیں، تو یوں کہتیں:

''رب محمد کی قسم! جب ناخوش ہوتیں، تو کہتیں، رب ابراہیم کی قسم!''--- [۲۱]

حضور ﷺ ایک زوجہ کے پاس تھے کہ کسی دوسری زوجہ نے کھانا بھیجا۔ انھوں نے خادم کے ہاتھ پر کچھ مارا، جس سے رکابی گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ حضور ﷺ گرا ہوا کھانا جمع کرتے ہوئے فرماتے جاتے تھے:

''تمہاری ماں نے غیرت کھائی''--- [۲۲]

ایک دفعہ حضرت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کاشانۂ نبوت پر حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ کے سامنے حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بلند آواز سنی۔ اندر آ کر حضرت عائشہ کو پکڑ لیا تا کہ چانٹا رسید کریں مگر آپ ﷺ نے روکتے ہوئے حضرت عائشہ کو چھڑا لیا۔ [۲۳]

امت کو بھی عورتوں کی نازک مزاجی کو برداشت کرنے کی تلقین کی اور فرمایا:

''عورت پسلی کی طرح ہے، اگر اسے سیدھا کرو گے تو ٹوٹ جائے گی''--- [۲۴]

اصلاح و تربیت ازواج

حضور ﷺ کو ازواج مطہرات سے قلبی لگاؤ تھا مگر اس کے باوجود ان کے کسی نامناسب طرز عمل یا قدرے خلاف شرع امور پر خاموش رہنے کے بجائے ان کی اصلاح فرماتے اور گھر کی چار دیواری کے اندر بھی فرائض نبوت اسی طرح ادا فرماتے جس طرح گھر سے باہر۔ چناں چہ ایک بار جب حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں تصویروں والی چادر پڑی دیکھی، تو اندر داخل نہ ہوئے۔ جب معذرت کی گئی تو فرمایا:

''ان تصویروں والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے''--- [۲۵]

ایک بار حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چھوٹے قد کے بارے میں نامناسب کلمات کہے، تو فرمایا:

"اے عائشہ! تو نے ایسا کلمہ کہا کہ اگر اسے سمندر میں ڈال دیا جائے، تو اس پر
اس کا رنگ غالب آ جائے"---[۲۶]

عادلانہ رویہ

قرآن کریم نے ایک سے زائد بیویوں کے درمیان عدل کا حکم دیا ہے[۲۷] حضور ﷺ نے ازواج مطہرات کے درمیان جو عدل و انصاف قائم فرمایا، وہ مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ ﷺ سفر پر روانہ ہوتے تو ازواج کے درمیان قرعہ اندازی فرمایا کرتے[۲۸] جب مرض الوصال ہوا تو بار بار دریافت فرماتے:

"کل میں کس کے پاس رہوں گا؟"---

دوسری روایت میں ہے کہ تمام ازواج کو بلا کر فرمایا:

"مجھے طاقت نہیں کہ اس حالت میں تمام کے ہاں آؤں جاؤں، لہٰذا تمہاری
اجازت ہو تو میں عائشہ کے ہاں رہ لوں"---

انھوں نے اجازت دی۔[۳۰]

جب حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا، تو ان سے فرمایا:

"تمہارے پاس ایک ہفتہ رہوں تو اس صورت میں دوسری ازواج کے پاس بھی
ایک ہفتہ رہوں گا"---[۳۱]

حضور ﷺ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے باری مقرر کرنے کے پابند نہ تھے، پھر بھی آپ ﷺ نے عادلانہ طریقہ اختیار فرمایا۔ یاد رہے کہ یہ تقسیم اس عدل پر مبنی تھی، جو آپ ﷺ کے بس میں تھی۔ جب کہ قلبی میلان ایک فطری، طبعی اور غیر اختیاری معاملہ ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کرتے:

"اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے، جس کا میں مالک ہوں لہٰذا اس پر ملامت نہ فرمانا،
جس کا صرف تو مالک ہے اور میں اس کا مالک نہیں ہوں، یعنی دلی انس و محبت"---[۳۲]

گھریلو امور میں تعاون

مردوں اور عورتوں کے فرائض اور ذمہ داریوں کی تقسیم فطری اور طبعی ہے۔ مرد عموماً گھر سے باہر مشقت برداشت کرتے ہیں اور عورتیں گھریلو امور کی انجام دہی کرتی ہیں۔ اس کے باوجود اگر مرد گھریلو کاموں میں عورتوں کا ہاتھ بٹائیں، خصوصاً اپنی ذات سے متعلق امور خود انجام دیں تو یہ اسوۂ حسنہ کی اتباع ہوگی کیوں کہ حضور ﷺ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں کیا کرتے تھے؟ فرمایا:

''اپنے گھر والوں کے کام لگے رہتے تھے، جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لیے چلے جاتے'' ---[۳۳]

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ اپنا کپڑا سی لیا کرتے، بکری کا دودھ دوہ لیتے، اپنے کام خود کر لیتے، جوتا گانٹھ لیتے اور آپ نے دست مبارک سے کبھی کسی بیوی یا خادم کو نہیں مارا تھا ---[۳۴]

عورتوں کے ساتھ انس و محبت اور حسن سلوک کی یہ کتنی عمدہ مثالیں ہیں جو پاکیزہ صفات رسول ﷺ نے قائم فرمائیں۔ خانگی زندگی کا یہ اچھوتا باب ہے جو تاریخ انسانی میں کہیں اور دستیاب نہیں ہے۔

اولاد سے شفقت و محبت

خانگی زندگی کا تیسرا پہلو اولاد کے ساتھ تعلق کے حوالے سے ہے۔ حضور ﷺ کے بیٹوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ اہل تحقیق کے نزدیک تین صاحبزادوں کی روایت لائق ترجیح ہے۔

❶ قاسم ❷ عبداللہ جن کا لقب طیب یا طاہر تھا

❸ ابراہیم۔ جب کہ چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہن)

تینوں صاحبزادے بچپن میں وفات پا گئے تھے، جب کہ صاحبزادیاں حیات رہیں، شادیاں ہوئیں اور رسول اللہ ﷺ کی شفقتوں اور عنایتوں سے بہرہ ور ہوئیں۔ چوں کہ حضرت ابراہیم کے علاوہ آپ کی تمام اولادیں بعثت سے پہلے پیدا ہوئیں۔ اس لیے ان کے بچپن کے حالات میسر نہیں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بعض مثالوں سے ہم اولاد کے ساتھ حضور ﷺ کی شفقت و محبت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

جب حضرت سیدنا ابراہیم پیدا ہوئے تو حضور ﷺ نے ساتویں دن دو مینڈھے ذبح کیے، ان کے سر کے بال منڈوائے اور ان کے وزن کے برابر مسکینوں پر چاندی صدقہ کی اور بالوں کو زمین میں دفن کرنے کا حکم فرمایا۔ حضرت ابو رافع ﷜ نے ان کی ولادت کی خبر رسول اللہ ﷺ کو دی، اس لیے اظہار مسرت کے طور پر آپ نے انھیں ایک غلام عطا فرمایا ---[۳۵]

حضرت ابراہیم کے متعلق ایک اور روایت دیکھیے، حضرت انس بن مالک ﷜ فرماتے ہیں:

''ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ابو یوسف لوہار کے گھر گئے، جو رسول اللہ ﷺ

کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی آیا کے شوہر تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت ابراہیم کو لیا، پیار کیا اور انہیں سونگھا۔ کچھ عرصہ بعد پھر آپ وہاں تشریف لے گئے جب کہ حضرت ابراہیم پر نزع کا عالم طاری تھا، ان کی حالت دیکھ کر آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر تعجب سے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ بھی روتے ہیں؟ فرمایا، اے ابن عوف! یہ تو جذبۂ رحمت اور دردمندی ہے۔ پھر فرمایا، آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غم زدہ ہے، مگر ہم زبان سے وہی کہیں گے، جس سے ہمارا رب راضی ہو۔ اے ابراہیم! تیری جدائی کی وجہ سے ہم غم زدہ ہیں"۔۔۔[۳۶]

احادیث اور سیرت طیبہ کی کتابوں میں آپ کی صاحبزادیوں سے آپ ﷺ کے تعلقِ خاطر کی مثالیں ملتی ہیں۔ حضرت سیدہ زینب، حضرت سیدہ رقیہ اور حضرت سیدہ ام کلثوم دیر تک زندہ نہ رہیں، ان کی اولادیں بھی تھیں، جن میں سے اکثر جلد وفات پا گئیں۔ حضرت سیدہ زینب کی صاحبزادی حضرت اُمامہ حضور ﷺ کو بہت عزیز تھیں۔ مگر ان سب کا تذکرہ اس مختصر تحریر میں ممکن نہیں۔ حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو آپ کو تمام صاحبزادیوں کی نسبت زیادہ عزیز تھیں اور ان سے ہی سلسلۂ سادات چلا۔ حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور ﷺ کے قلبی لگاؤ کی روایت ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا ہے:

"بنو ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے یہ اجازت طلب کی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی علی بن ابی طالب سے شادی کر دے، میں اس کی اجازت نہیں دیتا۔ ہاں، اگر ابن ابی طالب چاہے تو میری بیٹی کو طلاق دے دے اور اس کی بیٹی سے شادی کر لے، کیوں کہ میری بیٹی میرے جسم کا جز ہے، جو چیز اسے بے چین کرتی ہے، وہ مجھے بھی بے چین کرتی ہے، جو چیز اسے ایذاء (تکلیف) دیتی ہے، وہ مجھے بھی ایذاء دیتی ہے"۔۔۔[۳۷]

ہر چند کہ اس میں ایک باپ کی اپنی بیٹی سے شدید محبت اور فطری جذبات کا اظہار ہوتا ہے، تاہم حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو نکاح ثانی کی اجازت نہ دینے میں دینی مصلحت بھی تھی، کیوں کہ حضرت علی نے ابوجہل کی بیٹی کو نکاح کا پیغام بھیجا تھا، خطرہ تھا کہ اس خاندان کی پرانی اسلامی دشمنی سر نہ اٹھا لے، کیوں کہ دو سوکنوں میں جذبۂ رقابت بہت سے مسائل پیدا کرنے کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔

اسی لیے فرمایا:

"مجھے خدشہ ہے کہ یہ بات فاطمہ کے دین میں نقصان نہ پیدا کردے"---

پھر فرمایا:

"میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار نہیں دیتا، لیکن رسول اللہ ﷺ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں"---[۲۷]

حضور ﷺ کی خانگی زندگی اور اہلِ خانہ کے ساتھ تعلق کی یہ چند مثالیں ہیں، جن میں آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا یہ گوشا خوب واضح ہوجاتا ہے اور مثالی اسوہ سامنے آتا ہے، جو امت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ اگرچہ خدام اور اقرباء بھی خانگی زندگی سے متعلق ہیں، جن پر احادیث کی روشنی میں تبصرہ کیا جانا چاہیے، مگر اختصار کے پیشِ نظر اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور اسوۂ حسنہ کا یہ زریں باب پوری انسانیت کے لیے عموماً قابلِ عمل نمونہ ہے، خصوصاً ہم اہلِ اسلام کے لیے قابلِ غور مقام ہے کہ آیا ہماری گھریلو زندگیاں اس نمونے کے مطابق ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر محبت و عشقِ رسول ﷺ کے دعووں کی حقیقت کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ ہمیں اسوۂ حسنہ کی کامل اتباع نصیب کرے---

آمین بجاہ النبی الکریم الامین وصل اللہ تعالیٰ علیہ
و علی آلہ وصحبہ اجمعین

حوالہ جات

۱......ابوداؤد سلیمان بن اشعث بحستانی، سنن ابو داؤد، فرید بک سٹال اردو بازار لاہور، باب الادب، باب فی بر الوالدین

۲......ایضاً

۳......ابن الاثیر عزالدین ابوالحسن علی بن محمد الجزری، اُسد الغابة فی معرفة الصحابة، دارالکتب العلمیہ، بیروت، (س ن) جلد ۷، صفحہ ۲۹۱

۴......مسلم، ابوالحسین بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم، داراحیاء التراث العربی، بیروت، (س ن)، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنها

۵......ہیثمی، نورالدین علی بن ابی بکر، مجمع الزوائد، مؤسسہ المعارف، بیروت، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء، جلد ۹، صفحہ ۲۵۹، ۲۶۰

٦......حاکم ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری، المستدرک، مکتبہ الریاض، (س ن)
جلد ا، صفحہ ۳۷۵

۷......ایضاً

۸......بخاری ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح ، دارالمعرفۃ بیروت، (س ن)
کتاب الادب، باب قول اللّٰہ و صینا الانسان بوالدیہ

۹......سنن ابی داؤد، کتاب الادب، فی بر الوالدین

۱۰......الصحیح البخاری، کتاب الادب، باب من احق الناس بحسنِ الصحبۃ،
صحیح مسلم، کتاب البر و الصلۃ والادب، باب بر الوالدین و انھما احق بہ

۱۱......صحیح مسلم، ایضاً

۱۲......صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف بدء الوحی

۱۳......سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب فی صلوٰۃ اللیل

۱۴......ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، جامع الترمذی ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی (س ن)،
کتاب المناقب، باب فضل ازواج النبی

۱۵......صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب غیرۃ النساء و وجدھن

۱۶......ایضاً، کتاب المناقب، باب تزویج النبی خدیجۃ و فضلھا

۱۷......ایضاً

۱۸......القسطلانی احمد بن محمد، المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، المکتب الاسلامی
بیروت، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء، جلد ۲، صفحہ ۷۸

۱۹......سنن ابوداؤد، کتاب الجھاد، باب فداء الاسیر بالمال

۲۰......بخاری، کتاب النکاح، موعظۃ الرجل ابنتہ لحال زوجھا

۲۱......ایضاً، باب غیرۃ النساء و وجدھن

۲۲......ایضاً، باب الغیرۃ

۲۳......ابو داؤد، کتاب الادب، باب الغیبۃ

۲۴......بخاری، کتاب النکاح، باب المدارۃ مع النساء

۲۵......بخاری، کتاب النکاح، باب ھل یرجع اذا رأی منکراً............

۲۶......ابوداؤد، کتاب الادب، باب الغیبۃ

۲۷......سورۃ النساء:۳

۲۸......بخاری، کتاب النکاح، باب القرعة بین النساء اذا اراد سفراً

۲۹......ایضاً، باب اذا استاذن الرجل نساء ہ فی ان یمرض فی بیت بعضھن

۳۰......ابو داؤد، کتاب النکاح باب القسم بین النساء

۳۱......مسلم، کتاب الرضاع، باب قدر ما تستحقه البکر و الثیب من اقامة............

۳۲......ابو داؤد، ایضاً

۳۳......بخاری، کتاب الاذان، باب من کان فی حاجة اھله فاقیمت الصلوٰۃ فخرج............

۳۴......ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین، ابوالفضل احمد بن علی، فتح الباری، دارالمعرفۃ، بیروت (س،ن) جلد۲، صفحہ۱۶۳

۳۵......الحلبی، علی بن برہان الدین، السیرۃ الحلبیة، دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء، جلد۳، صفحہ۳۹۳-۳۹۴

۳۶......بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ انا بک لمحزونون

۳۷......مسلم، کتاب فضائل الصحابه، باب فضائل فاطمة بنت النبی علیها الصلوٰۃ و السلام

۳۸......ابو داؤد، کتاب النکاح، باب ما یکرہ ان یجمع بینھن النساء



وفیات

گزشتہ دنوں:

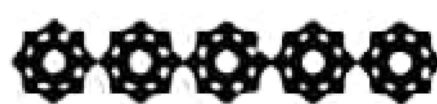
مولانا حافظ محمد یونس، پاک پتن شریف کے بڑے بھائی ---اور

مولانا محمد احمد نوری، لدھیوال کے فرزند قضائے الٰہی سے وفات پا گئے---

انا للّٰہ و انا الیه راجعون

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحب زادہ مفتی محمد محبّ اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللّٰہ و سلم علیه و علیٰ آله و اصحابه اجمعین



سیّدہ صدّیقۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا

مولانا ڈاکٹر ضیاء الحبیب صابری

حضرت اُمّ المؤمنین سیّدہ صدیقۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کے خصائل وفضائل وشمائل کا سلسلہ لامتناہی ہے، تاہم چند حروف شکستہ کے ساتھ اپنی ماں کا ذکر خیر کرتے ہیں:

ولادت

بعثت نبوی کے پہلے سال ماہ شوال (جولائی 606ء) مکہ مکرمہ میں آپ کی ولادت ہوئی۔

نام

آپ کے والد نے آپ کا نام "عائشہ" رکھا، حضور نبی کریم ﷺ نے کنیت "اُمّ عبداللہ" عطا فرمائی، اُمّ المؤمنین کے علاوہ آپ کے مزید القابات درج ذیل ہیں:

1......صدّیقہ، یعنی سچی اور ہمیشہ سچ بولنے والی۔

2......طاہرہ، جس کی قرآن پاک نے طہارت کی گواہی دی۔

3......طیّبہ، اللہ اور رسول کے نزدیک جس کا ظاہر وباطن خوب پاکیزہ تھا۔

4......حمیرا، نہایت ملیح۔

طفولت

شرفاء عرب کے قدیم دستور کے مطابق آپ کا بچپن دیہات میں وائل کی اہلیہ کے پاس گزرا۔ بچپن سے ہی بلا کی ذہانت رکھتی تھیں، یہی وجہ ہے کہ بچپن کا ایک ایک واقعہ آپ کو اچھی طرح یاد تھا۔ جھولے جھولنا اور گڑیاں کھیلنا آپ کے پسندیدہ مشاغل تھے۔ ایک دن گڑیوں سے کھیل رہی تھیں کہ حضور نبی کریم ﷺ تشریف لائے، گڑیوں پہ نظر پڑی تو ایک گڑیا ایسی تھی جس کے دائیں بائیں دو پنکھ سے لگے ہوئے تھے، فرمایا: "عائشہ! یہ کیا ہے؟" بولیں گھوڑا ہے۔ فرمایا: "گھوڑوں کے تو پر نہیں ہوتے" تو عرض کرنے لگیں، واہ! سلیمان نبی علیہ السلام کے گھوڑوں کے تو پر

تھے،اس فی البدیہہ جواب پر حضور ﷺ مسکرا دیے۔

خاندان

والد گرامی کا نام عبداللہ، کنیت ابوبکر اور لقب صدیق تھا۔ان کا سلسلۂ نسب ساتویں پشت میں ''کعب'' تک جا کر حضور نبی کریم ﷺ سے ملتا ہے، جب کہ والدہ اُمّ رومان زینب کا سلسلۂ نسب سرکارِ دو عالم ﷺ سے حضرت ''کنانہ'' پر جا کر ملتا ہے۔آپ کے والدین مسلمان ہو چکے تھے۔

نکاح

صحیحین کی روایت کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا کا عقد مبارک حضور نبی کریم ﷺ سے حظیرۃ القدس میں کیا گیا تھا اور اس کا زمین پر انعقاد حضرت خولہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بنت حکیم کی درخواست پر ماہِ شوال 10 نبوی میں عمل میں لایا[۱] گیا، تب ان کی عمر 14 سال تھی اور رخصتی بعد ہجرت 2ھ شوال (اگست 624ء) میں ہوئی۔آپ کا حق مہر 500 درہم مقرر کیا گیا،تب آپ کی عمر 18 سال تھی۔

تعلیم و تربیت

سیدہ صدیقہ الکبریٰ سلام اللہ تعالیٰ علیہا نے رخصتی کے بعد اس مقدس گھر میں قدم رکھا جس سے بڑھ کر تعلیم و تربیت کا گہوارہ چشمِ فلک نے کبھی نہ دیکھا تھا، یہاں آ کر اس کندن میں اور بھی چمک پیدا ہو گئی اور آپ عالمِ انسانی خصوصاً عالمِ نسواں کے لیے شمعِ راہ بن گئیں۔حضور کریم ﷺ نے آپ کی تربیت بڑی کریمانہ شفقت سے کی، کیوں کہ انھی کے ذریعہ دین کا نصف حصہ

۱......ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر کے بارے میں کافی اختلاف ہے،شارح مسلم علامہ غلام رسول سعیدی رقم طراز ہیں:

''نبوت کے دسویں سال میں حضور ﷺ نے آپ کو اپنے حبالۂ عقد میں داخل کر لیا۔عام روایات میں یہ تصریح ہے کہ اس وقت آپ کی عمر چھ سال تھی لیکن اگر اس بات پر غور کیا جائے کہ صاحب اکمال فی اسماء الرجال کی تصریح کے مطابق آپ کی بہن اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ سے دس سال بڑی تھیں اور اصابہ اور اسد الغابہ میں تصریح ہے کہ ہجرت کے وقت حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ستائیس سال تھی۔ اس حساب سے ہجرت کے وقت ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر سترہ سال قرار پاتی ہے اور نکاح کے وقت چودہ سال۔دو ہجری میں آپ کی رخصتی عمل میں آئی''۔--[شرح مسلم،جلد ا،صفحہ ۲۶۷]

انسانوں کی نصف آبادی تک پہنچنا تھا۔

صبر وشکر کی مجسمہ

سیّدہ صدیقہ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کی پرورش والد گرامی کے ہاں بڑے ناز ونعم کے ساتھ ہوئی تھی، لیکن صبر وشکر کی بندی نے سرکار کریم ﷺ کے گھر رضائے الٰہی پر پوری طرح کار بند ہو کر دکھایا۔ گھر پورا پورا مہینہ آگ تک نہ جلتی (یہ فقر اختیاری تھا) چند کھجوروں اور پانی کے سوا کوئی غذا نہ تھی، خود بھوکی رہنا گوارا کر لیتیں لیکن حضور انور ﷺ کی بھوک دیکھی نہ جاتی۔ آپ فرماتی ہیں کہ مجھے حضور کریم ﷺ کی بھوک دیکھ کر ترس آ جایا کرتا تھا، کبھی کبھی اس قدر رنج ہوتا تھا کہ رو پڑتی تھی اور حضور کریم ﷺ کے شکم اطہر پر ہاتھ پھیر کر کہتی، یارسول اللہ! اتنا تو کھا لیجیے کہ طاقت بنی رہے، ایک بار اُکتا کر کہہ دیا، آپ کیوں نہیں دعا فرماتے کہ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو پیٹ بھر کر کھانا تو دیا کرے، حضور کریم ﷺ نے فرمایا:

"عائشہ! اللہ کی قسم میں دعا کروں تو یہ مدینہ کی پہاڑیاں سونے چاندی کے ڈھیر بن جائیں، لیکن میں نے بھوک کو سیری پر ترجیح دی ہے"---

انداز کریمانہ

جن دنوں سیّدہ کی رخصتی ہوئی، سہیلیوں کے ساتھ جھولے جھولنا اور گڑیاں کھیلنا ان کا محبوب مشغلہ تھا، حضور نبی کریم ﷺ سیدہ صدیقہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ان مشاغل میں کبھی مخل نہیں ہوئے، بلکہ صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق ایک بار سیّدہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ گڑیوں سے کھیل رہی تھیں کہ اچانک حضور نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے، تمام سہیلیاں بھاگ گئیں، چنانچہ حضور انور ﷺ باہر نکلے اور خود لڑکیوں سے فرمایا، "جاؤ عائشہ کے ساتھ کھیلو"۔

سیدہ صدیقہ الکبریٰ فرماتی ہیں کہ میں اور حضور کریم ﷺ ایک مرتبہ دوڑے، میں آپ سے آگے نکل گئی، پھر جب کچھ عرصہ بعد میرا بدن بھاری ہو گیا تو حضور کریم ﷺ کے ساتھ دوڑی تو حضور ﷺ مجھ سے آگے نکل گئے اور فرمایا "عائشہ! یہ اس دن کا جواب ہے"۔

سنن ترمذی میں ہے، سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک بار میں حضور ﷺ کے پاس تھی کہ باہر سے لڑکوں کے شور کی آواز آئی، حضور ﷺ باہر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ کچھ حبشی لوگ فوجی کرتب دکھا رہے ہیں، چنانچہ سرکار نے پکارا، "عائشہ! تم بھی آؤ" میں چلی گئی اور اپنی ٹھوڑی حضور کریم ﷺ کے کندھے مبارک پر رکھ کر شانے اور سر کے درمیان سے تماشہ دیکھنے لگی، یہ بازی گر دیر تک تلواروں، نیزوں اور ڈھالوں کے کمالات دکھاتے رہے، یہاں تک کہ میں تھک گئی، چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا: "عائشہ! اب تم جا کر آرام کر لو"۔

مقدس شوہر کی فرماں بردار بیوی

سیّدہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ اپنی نعل مبارک کو پیوند لگا رہے تھے اور میں چرخہ کات رہی تھی کہ میں نے دیکھا حضور کریم ﷺ کی پیشانی مبارک پر پسینہ آ رہا ہے اور اس پسینے کے اندر ایک نور ہے جو اُبھر رہا اور بڑھ رہا ہے، یہ ایسا نظارہ تھا کہ میں سراپا حیرت بن گئی۔ نبی کریم ﷺ کی نظر مبارک مجھ پر پڑی تو فرمایا "عائشہ! تو حیران سی کیوں ہو رہی ہے؟" میں نے کہا، یا رسول اللہ! میں نے دیکھا کہ حضور کی پیشانی پر پسینہ ہے اور پسینے کے اندر چمکتا دمکتا نور ہے۔ (اس پاک نظارے نے مجھے سراپا چشم کر دیا ہے)

اے خنک چشمے کہ او حیران اوست
وے ہمایوں دل کہ آں قربان اوست

بخدا اگر ابو کبیر ہذلی حضور ﷺ کو دیکھ پاتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ اس کے اشعار کے صحیح مصداق حضور ﷺ ہی ہو سکتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اس کے شعر کیا ہیں؟" میں نے یہ شعر پڑھ کر سنائے:

و مبرئ من کل غُبّر حیضۃ   و فساد مرضعۃ و داء معضلِ
و اِذا نظرت اِلیٰ اَسِرَّۃِ وَجْھِہٖ   بَرَقَتْ کَبَرْقِ الْعَارِضِ الْمُتَھَلِّلِ

"وہ ولادت و رضاعت کی آلودگیوں سے مبرا ہیں، ان کے درخشاں چہرے پر نظر کرو تو معلوم ہوگا کہ نورانی اور روشن برق جلوہ دے رہی ہے"---

(یہ اشعار سن کر) نبی کریم ﷺ کے ہاتھ میں جو کچھ تھا اسے رکھ دیا، پھر میری پیشانی کو بوسہ دیا اور زبان مبارک سے فرمایا:

مَا سَرَرْتِ مِنِّیْ کَسُرُوْرِیْ مِنْکِ---

"جو سرور مجھے تیرے کلام سے حاصل ہوا اس قدر سرور تجھے میرے نظارہ سے نہ ہوا ہوگا"---

گویا آپ ﷺ اپنے نعتیہ کلام سے محظوظ ہوتے ہیں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک سفر میں امّ المؤمنین سیدہ صدیقۃ الکبریٰ اور اُمّ المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضور کریم ﷺ کے ہم سفر تھیں، اس روز حضرت حفصہ نے اپنی سواری کا اونٹ حضرت عائشہ کے اونٹ سے تبدیل کر لیا، راستے میں نبی کریم ﷺ، حضرت عائشہ کے اونٹ کی طرف گئے جس پر حضرت حفصہ سوار تھیں اور آپ ﷺ ان ہی کے ساتھ چل پڑے۔ حضرت صدیقۃ الکبریٰ کو اس مفارقت کی برداشت نہ ہوئی، جب منزل پر پہنچ کر سواری سے اتریں تو انہوں نے اپنا پاؤں گھاس کے اندر ڈال دیا اور زبان سے کہنے لگیں:

یَا رَبِّ سَلِّطْ عَلَیَّ عَقْرَبًا اَوْ حَیَّۃً تَلْدِغُنِی ، رَسُوْلُکَ وَ لَا اَسْتَطِیْعُ اَنْ اَقُوْلَ لَہٗ شَیْئًا---

''اے رب! کسی بچھو یا سانپ کو بھیج کہ مجھے کاٹ کھائے اور وہ تو تیرے رسول ہیں، ان کی شان میں تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی''---

کتب سیر و سوانح، سیّدہ صدیقہ الکبریٰ حضرت عائشہ سلام اللہ علیہا کے فضائل و کمالات سے بھری پڑی ہیں۔ اس مقدس ہستی کے مقام و فضیلت کا اندازہ کون کرسکتا ہے جس کو خدا کی طرف سے سلام آتا ہو اور جس کے خصائص ایسے ہوں جو کسی دوسری ہستی میں ڈھونڈے سے نہ ملیں، خود اماں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

''دس اوصاف مجھ میں ایسے ہیں جن میں دیگر ازواجِ مطہرات میں سے کوئی میری ہم سر نہیں:

1......صرف میں ہی باکرہ حضور ﷺ کے نکاح میں آئی۔

2......میرا نکاح عالم بالا میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے کیا اور اس کی بذریعہ حضرت سیدنا جبرئیل امین علیہ السلام حضور ﷺ کو اطلاع دی۔

3......اللہ تعالیٰ نے میرے لیے آیہ براءت نازل فرمائی۔

4......میرے والدین مہاجر ہیں۔

5......میں حضور ﷺ کے سامنے ہوتی تھی اور حضور ﷺ نماز میں مصروف ہوتے تھے۔

6......میں اور رسول کریم ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے۔

7......نزولِ وحی میں صرف میں ہی آپ ﷺ کے پاس ہوتی تھی۔

8......جس شب کو میری باری تھی اسی رات کو رسول اللہ ﷺ نے رحلت فرمائی۔

9......جب سرورِ کائنات ﷺ کی روح پاک نے عالم قدس کی طرف پرواز کی تو حضور پاک ﷺ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔

10......میرے ہی حجرے کو رحمۃ للعالمین ﷺ کا مدفن بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔

سیّدہ کا علمی مقام

سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دو ہزار دو سو دس (2210) احادیث روایت کی گئی ہیں اور دین کا نصف سرکار کریم ﷺ سے روایت کرنے کا شرف آپ ہی کو حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم مسائل دریافت کرنے کے لیے امّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کے پاس حاضر ہوا کرتے، خصوصاً جب کسی مسئلے کا حل کوئی پیش نہ کرسکتا تو آپ ہی کی طرف رجوع کیا جاتا۔

عمومی حالات

سیّدہ کی عمر مبارک 28 برس تھی جب سرکار کریم ﷺ نے وصال فرمایا، بقیہ زندگی امت کی تعلیم و تربیت اور دین کی ترویج و تدریس میں بسر فرمائی۔ اکثر روزہ دار ہوتیں۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ دیگر ازواج مطہرات کو دس دس ہزار درہم سالانہ دیتے تھے لیکن سیّدہ کو بارہ ہزار درہم سالانہ پیش کیے جاتے، مگر سبحان اللہ! سیّدہ کا کمال استغناء تھا کہ سارے کا سارا فقراء و مساکین میں بانٹ دیتیں اور سورج غروب ہونے سے قبل بارہ ہزار درہم انفاق فی سبیل اللہ کی سعادت پا چکا ہوتا۔

وصال مبارک

ام المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ الکبریٰ سلام اللہ علیہا اوائل رمضان 57ھ میں بیمار ہوئیں، آپ کے مرض کی خبر پورے عالم اسلام میں بجلی کی تیزی سے پھیل گئی۔ دور دراز سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ کی بیمار پُرسی کو حاضر ہوئے۔

بالآخر 17/رمضان المبارک 57 ہجری القدس بمطابق 13/جون 678ء کو رسول اللہ ﷺ کی لاڈلی بیوی، امت کی محترم ماں، اپنے فرزندوں پر بے شمار احسانات کی بارشیں فرما کر ملاء اعلیٰ کی طرف مراجعت فرما گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

تدفین

آپ کی نماز جنازہ مشہور صحابی، آپ کے شاگرد رشید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ نماز جنازہ میں دور دراز سے لوگ شریک ہوئے۔ جنازے کا اجتماع تاریخی اہمیت کا حامل تھا۔ آپ کی وصیت کے مطابق نماز وتر کے بعد جنت البقیع میں آپ کو دفن کیا گیا۔

چند اقوال

یوں تو آپ کی پوری زندگی تبلیغ دین اور رشد و ہدایت کے پرچار کے لیے وقف تھی اور آپ کا ہر قول اور ہر عمل امت کے لیے منارۂ نور کا درجہ رکھتا ہے، تاہم آپ کے بے شمار ارشادات سے چند اقوال قارئین کے لیے سپرد قرطاس ہیں:

1..... قرآن مجید ٹھہر ٹھہر کر اور خوب سمجھ کر پڑھو۔

2..... جنت کی طلب ہے تو پیٹ بھر کر مت کھاؤ۔

3..... جب یہ گمان ہو جائے کہ میں بُرا ہوں تو سمجھ لو کہ تم نیک ہو۔

4..... جب یہ گمان ہو جائے کہ میں نیک ہوں تو سمجھ لو کہ تم بُرے ہو۔

5..... بولنے سے پہلے بہت سوچو۔



رمضان المبارک میں

وصال فرمانے والی امہات المومنین

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی

حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام خویلد بن اسد تھا۔ سال فیل سے پندرہ سال پہلے پیدا ہوئیں، پہلے ابو ہالہ اور اس کے بعد عتیق بن عابد مخزومی کے عقد میں آئیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نہایت امیر کبیر خاتون تھیں اور تجارت کرتی تھیں۔ باپ اور شوہر کی وفات کے بعد اپنے مختلف اعزہ کے ہاتھ مختلف علاقوں میں سامان تجارت بھیجا کرتی تھیں۔ ان دنوں مکہ میں حضور ﷺ کی صداقت اور امانت کا بہت چرچا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کو تجارتی سامان لے جانے کی پیش کش کی۔ حضور ﷺ نے اس پیش کش کو قبول فرمالیا اور پہلے سے کہیں زیادہ نفع پیش کیا، حضور ﷺ کی شرافت اور دیانت سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بہت متاثر ہوئیں اور اپنے چچا کی معرفت نکاح کا پیغام بھیجا جس کو حضور ﷺ نے قبول فرمالیا۔ ابو طالب نے نکاح پڑھایا۔

نکاح کے وقت حضور ﷺ کی عمر پچیس سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس برس تھی۔

حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نہ صرف یہ کہ سب سے پہلے اسلام قبول کیا بلکہ حضور ﷺ کی تبلیغِ اسلام میں کافی مدد کی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر ابوہالہ سے دولڑکے پیدا ہوئے، جن کا نام ہالہ اور ہند تھا۔ دوسرے شوہر عتیق سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، جس کا نام ہندہ تھا۔

حضور ﷺ سے ان کے چھ بچے ہوئے، سب سے پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے، انہیں کی وجہ سے حضور ﷺ کی کنیت ابوالقاسم تھی، ان کا صغر سنی میں مکہ مکرمہ میں انتقال ہو گیا تھا۔ اس کے بعد حضرت زینب، پھر حضرت عبداللہ پیدا ہوئے۔ حضرت عبداللہ چوں کہ زمانہ اسلام میں پیدا ہوئے، اس لیے ان کا لقب طیب و طاہر تھا۔ ان کے بعد علی الترتیب حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ زہرا پیدا ہوئیں۔ رضی اللہ عنہم

شیعہ حضرات سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا حضور ﷺ کی باقی صاحب زادیوں کا انکار کرتے ہیں، اس لیے مستند اور معتبر کتب شیعہ سے چند حوالے پیش خدمت ہیں:

تزوج خدیجة و هو ابن بضع و عشرین سنة فولد له منها قبل مبعثه القاسم و رقیة و زینب و ام کلثوم و ولد له بعد المبعث الطیب و الطاهر و فاطمة---

[محمد بن یعقوب کلینی، متوفی ۳۲۹ھ، اصول کافی مع کتاب الشافی، جلد ا، صفحہ ۵۴۴]

در قریب الاسناد از حضرت صادق علیہ السلام روایت شدہ است کہ از برائے رسول خدا ﷺ از خدیجہ متولد شدند طاہر و قاسم و فاطمہ و ام کلثوم و رقیہ و زینب---

[شیخ عباس قمی، منتہی الامال، صفحہ ۱۰۸]

"بسند معتبر حضرت صادق سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی اولاد امجاد جناب خدیجہ کے بطن سے طاہر، قاسم، فاطمہ، ام کلثوم، رقیہ اور زینب ہیں"---

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نکاح کے بعد پچیس برس تک زندہ رہیں اور گیارہ رمضان کو نبوت کے دسویں سال میں فوت ہوئیں۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سوا حضور ﷺ کی تمام اولاد حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔ حضور ﷺ کو ان سے بہت محبت تھی۔ ان کی زندگی میں آپ نے دوسری شادی نہیں کی اور ان کے وصال کے بعد اکثر ان کو یاد کرتے رہتے تھے۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما عظیم المرتبت صحابیہ ہیں۔

فقاہت میں آپ کا بہت بلند مقام تھا اور مسائل دینیہ میں عموماً صحابہ کرام آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ نبوت کے دسویں سال میں حضور ﷺ نے آپ کو اپنے حبالہ عقد میں داخل کر لیا۔ عام روایات میں یہ تصریح ہے کہ اس وقت آپ کی عمر چھ سال تھی، لیکن اگر اس بات پر غور کیا جائے کہ صاحب الکمال فی اسماء الرجال کی تصریح کے مطابق آپ کی بہن اسماء رضی اللہ عنہا آپ سے دس سال بڑی تھیں اور اصابہ اور اسد الغابہ میں تصریح ہے کہ ہجرت کے وقت حضرت اسماء کی عمر ستائیس سال تھی۔ اس حساب سے ہجرت کے وقت حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر سترہ سال قرار پاتی ہے اور نکاح کے وقت چودہ سال! دو ہجری میں آپ کی رخصتی عمل میں آئی۔ تمام ازواج مطہرات میں آپ تنہا زوجہ ہیں جو کنواری تھیں اور آپ ہی وہ منفرد زوجہ ہیں جن کے بستر پر قرآن عظیم کی آیات نازل ہوتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کو آپ ہی سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ آپ ہی کے گھر حضور ﷺ نے اپنی آخری بیماری کے ایام گزارے۔ آپ ہی کے سینہ پر سر مبارک رکھ کر حضور ﷺ "رفیق اعلیٰ" سے جا ملے اور آپ ہی کا حجرہ مبارکہ گنبد خضرا بنا اور اس نے وہ رفعتیں پائیں جو عرش عظیم کو بھی حاصل نہیں ہیں۔

آپ کی برکت سے امت کو تیمم کی سہولت حاصل ہوئی۔ آپ ہی کی پاک دامنی بیان کرنے کے لیے سورۂ نور کی متعدد آیات نازل ہوئیں اور حد قذف کا قانون بنا۔ حضور ﷺ نے آپ کے حق میں فرمایا:

لَا تُؤْذِیْنِیْ فِیْ عَائِشَۃَ---[بخاری، جلد۱، صفحہ۳۵۱]

یعنی حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اذیت دینا حضور ﷺ کو اذیت دینا ہے۔ ثرید (گوشت کا سالن جس میں روٹی کے ٹکڑے ڈالے جائیں)، گوشت سے بننے کی بنا پر از روئے حدیث تمام کھانوں سے افضل ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا، عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسی ثرید کی تمام کھانوں پر۔

[بخاری، جلد۱، صفحہ۵۳۲]

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سترہ رمضان اٹھاون ہجری میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں آپ کو دفن کر دیا گیا۔ آپ کو بکثرت احادیث محفوظ تھیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ رسول کو جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کے حل کا علم تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دو ہزار دو سو دس احادیث روایت کی ہیں۔

[عمدۃ القاری، جلد۱، صفحہ۳۸]



بحضور

اہلِ بیتِ سرورِ موجودات حضرات ازواج مطہرات

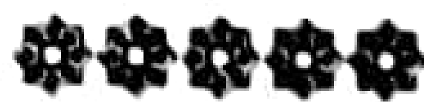
مقصود دراصل تو ہے ازواج رضی اللہ عنہن کی ذات
شامل اِسی حکم میں ہیں ابناء و بنات
ہے آیۂ تطہیر کی تفسیر یہی
ازواجِ مطہرات ہیں معصومات

•••••

جو منکرِ قرآں ہے مسلمان نہیں
مومن تو وہ کیا ہو سکے ، انسان نہیں
ازواجِ نبی کو ماں نہ مانا جس نے
اس شخص کا کوئی دین ایمان نہیں

•••••

سید نصیر الدین نصیر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ



حضرت سیدہ فاطمہ زہراء

سلام اللہ علٰی ابیہا و علیہا

پروفیسر علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ

فاطمہ نام، زہرا اور بتول لقب ہیں۔ جمال و کمال کے سبب سے زہراء کہلاتی تھیں اور ماسوا سے انقطاع کی وجہ سے بتول تھیں۔ بعثت کے پہلے سال یا بعثت سے ایک سال پہلے یا پانچ سال پہلے بنابر اختلاف روایات پیدا ہوئیں۔

ہجرت کے دوسرے سال آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ آپ ﷺ نے حضرت علی سے پوچھا کہ ادائے مہر کے واسطے تمہارے پاس کچھ ہے؟ حضرت علی نے جواب دیا کہ ایک گھوڑا اور زرہ ہے۔ فرمایا کہ گھوڑا جہاد کے لیے ضروری ہے، زرہ کو فروخت کر ڈالو۔ چناں چہ وہ زرہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ۴۸۰ درہم کو خریدی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قیمت لا کر حضور ﷺ کے آگے ڈال دی۔ حضور نے اس میں سے کچھ بلال (رضی اللہ عنہ) کو دیا کہ خوشبو خرید لائیں اور باقی جہیز وغیرہ کے لیے ام سلیم کے حوالہ کیا۔ اس طرح عقد ہو گیا۔ جہیز میں یہ چیزیں تھیں [طبقات ابن سعد، جز ثامن، ترجمہ زہراء] ایک لحاف، ایک چمڑے کا تکیہ جس میں درخت خرما کی چھال بھری ہوئی تھی، دو چکیاں، ایک مشک، دو گھڑے۔

اسی سال ماہ ذوالحجہ میں رسم عروسی ادا کی گئی۔ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے ادائے رسم کے لیے مکان کرایہ پر لیا، پھر حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے دے دیا۔ [وفاء الوفاء للسمہودی]

آنحضرت ﷺ کو اپنے اہل میں فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سب سے پیاری تھیں۔ جب سفر پر جایا کرتے

تو اخیر میں حضرت فاطمہ سے ملتے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

"فاطمہ میرا پارۂ گوشت ہے، جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا"---

فاطمہ ہی کی نسبت حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

خَیْرُ نِسَاءِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ سَیِّدَۃُ نِسَاءِ الْعَالَمِیْنَ سَیِّدَۃُ نِسَاءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ سَیِّدَۃُ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَفْضَلُ نِسَاءِ الْجَنَّۃِ---

صاحب زادیوں میں صرف حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سلسلہ نسل جاری ہے اور قیامت تک رہے گا۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو گھر کا تمام کام کرنا پڑتا تھا۔ ایک روز خبر لگی کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لونڈی، غلام آئے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم اس موقع پر اپنے والد بزرگوار سے خدمت کے لیے ایک کنیز مانگ لو۔ جب وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے پوچھا کہ کس لیے آئی ہو؟ عرض کیا کہ سلام کرنے آئی ہوں۔ بپاسِ حیا اظہار مطلب نہ کیا اور واپس آکر حضرت علی سے یہی عذر بیان کر دیا۔ پھر دونوں حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ حضرت علی نے عرض کیا، یارسول اللہ! آب کشی کرتے کرتے میرے سینے پر نیل پڑ گئے ہیں۔ حضرت فاطمہ نے عرض کیا کہ چکی پیستے پیستے میری ہتھیلیوں پر آبلے پڑھ گئے ہیں۔ آپ خدمت کے لیے ایک کنیز عنایت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا:

"اللہ کی قسم! یہ نہیں ہونے کا کہ میں تم کو خادمہ دوں اور اہل صفہ بھوکے مریں۔ ان کے خرچ کے لیے میرے پاس کچھ نہیں، میں ان اسیرانِ جنگ کو بیچ کر ان کی قیمت اہل صفہ پر خرچ کروں گا"---

رات ہوئی تو آپ حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کے گھر تشریف لے گئے۔ دونوں ایک پرزہ دار چادر میں تھے کہ اگر اس سے سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے اور پاؤں ڈھانپتے تو سر ننگے رہتے۔ آپ کو دیکھ کر دونوں اٹھنے لگے۔ آپ نے فرمایا، اپنی جگہ پر رہو۔ پھر ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں کنیز سے بہتر چیز بتاتا ہوں اور وہ وہ کلمات ہیں جو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے سکھائے ہیں۔ یعنی ہر نماز کے بعد سبحان اللّٰہ دس بار، الحمد للّٰہ دس بار، اللّٰہ اکبر دس بار اور سونے کے وقت سبحان اللّٰہ ۳۳ بار، الحمد للّٰہ ۳۳ بار اور اللّٰہ اکبر ۳۴ بار پڑھ لیا کرو۔

خانگی معاملات میں بعض دفعہ حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما میں رنجش ہو جایا کرتی تھی تو حضور ﷺ دونوں میں مصالحت کروا دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ

کے دولت خانہ پر تشریف لے گئے۔ حضرت علی کو وہاں نہ پایا۔ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ زہراء سے (محاورہ عرب کے موافق) پوچھا کہ تیرے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم دونوں میں کچھ ان بن ہو گئی ہے، وہ ناراض ہو کر نکل گئے ہیں اور میرے ہاں قیلولہ نہیں فرمایا۔ حضور ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا کہ دیکھو تو کہاں ہیں؟ اس نے آ کر عرض کی یا رسول اللہ! وہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں۔ حضور ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ پہلو کے بل لیٹے ہوئے ہیں۔ چادر پہلو سے گری ہوئی ہے اور خاک آلود ہو رہے ہیں۔ حضور ﷺ خاک جھاڑنے لگے اور فرمایا: اے ابو تراب! اٹھ بیٹھ۔ اس حدیث کے راوی حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس نام سے پیارا کوئی نام نہ تھا۔ [صحیحین]

فتح مکہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا چاہا، حضرت سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا نے سنا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کہنے لگیں:

''آپ ﷺ کی قوم کہتی ہے کہ آپ اپنی صاحبزادیوں کے لیے ناراض نہیں ہوتے، یہ دیکھیے کہ علی، ابو جہل کی لڑکی سے نکاح کرنے لگے ہیں''---

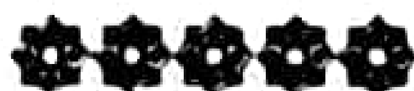
یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا:

''امابعد! میں نے ابو العاص سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا، اس نے مجھ سے بات کہی اور سچ کر دکھائی، مجھ سے وعدہ کیا اور پورا کیا۔ فاطمہ میرا گوشت پارہ ہے، میں پسند نہیں کرتا کہ اسے تکلیف پہنچے۔ اللہ کی قسم! رسول خدا ﷺ کی لڑکی اور دشمن خدا کی لڑکی ایک شخص کے ہاں جمع نہ ہوگی''---

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خواستگاری چھوڑ دی۔

آنحضرت ﷺ کے وصال کے شریف کے بعد حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کبھی ہنستی نہ دیکھی گئیں اور وصال شریف کے چھ ماہ بعد ۳ ر رمضان ۱۱ھ میں انتقال فرما گئیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بقیع میں رات کے وقت دفن ہوئیں۔ حضرت علی و عباس و فضل رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتارا۔

حضرت سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد تین لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ امام حسن و امام حسین جو اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ محسن و رقیہ جو بچپن میں انتقال کر گئے۔ ام کلثوم جن کی شادی حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہوئی، زینب جن کا نکاح عبد اللہ بن جعفر سے ہوا، ان میں سے سوائے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے کسی سے نسل نہیں رہی۔



حکم زوجۂ مفقود الخبر

حضرت صدرالافاضل سید
محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ زوجہ مفقود الخبر کے نکاح ثانی کرنے کے بارے میں، خلاصۃ المسائل میں جو مسئلہ خبر میں ہے کہ زوجہ مفقود الخبر کی بعد انتظاری چار سال چار مہینا کے نکاح ثانی کرسکتی ہے، جس کے صحیح ہونے میں تقریباً تیس مولویوں کے دستخط درج ہیں، تو ہمارے حنفی المذہب کے علماء کی کیا رائے ہے؟ حنفی مذہب کے سب علماء اس مسئلہ میں متفق ہیں یا مختلف، اور یہ مسئلہ کس مذہب کا ہے؟ حنفی اس مسئلہ پر عمل کرسکتے ہیں یا نہیں۔ مفصل تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا

المستفتی، ارشاد حسین

رام پور، ۵/ جمادی الاول، ۱۳۴۷ھ

الجواب بعون الملک الوہاب

مفقود الخبر کی زوجہ اس وقت تک نکاح نہیں کرسکتی جب تک کہ قاضی اس کی موت کا حکم نہ کرے

اور وہ موت کی عدت نہ گزارے۔ عینی شرح کنز میں ہے:

و تعتد امراة و ورث منه ای من المفقود حینئذ ای حین حکم بموته لا یکون حجة---

اب رہی یہ بات کہ قاضی کب حکم کرے؟ ظاهر الروایة میں یہ ہے:

اس کی موت کا اندازہ اس کے ہم وطن اقران کی موت سے کیا جائے گا، جب وہاں اس کے ہم عمر مرچکیں تو قاضی اس کی موت کا حکم کرسکتا ہے۔

علامہ شیخ مصطفیٰ شرح کنز میں فرماتے ہیں:

و فی ظاهر الروایة بقدر یموت اقرانه من اهل بلدة علی المذاهب---

قران (ہم عمر لوگوں) کی موت کتنے عرصہ میں ہوتی ہے، اس میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ نوے سال کی عمر ہونے تک، ایک سو تیس برس ہونے تک، متاخرین نے ساٹھ برس اختیار کیے۔ امام ابن ہمام نے ستر برس کو مختار فرمایا، یہ تو علماء حنفیہ کا مسلک ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چار سال گزرنے پر قاضی ان دونوں میں تفریق کردے اور عورت وفات کی عدت گزار کر چاہے تو نکاح کرلے۔ عینی شرح کنز میں ہے:

قَالَ مَالِكٌ إِذَا مَضٰی أَرْبَعُ سِنِیْنَ یُفَرَّقُ بَیْنَهُمَا وَ تَعْتَدُّ عِدَّةَ الْوَفَاةِ ثُمَّ تَتَزَوَّجُ إِنْ شَاءَتْ---

اگر ضرورت شدیدہ ہو اور تفریق نہ کرنے سے کسی فتنۂ قویہ کا اندیشہ ہو تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے پر عمل کیا جائے۔ رد المحتار میں ہے:

لٰكِنْ قَدَّمْنَا أَنَّ الْكَلَامَ عِنْدَ تَحَقُّقِ الضَّرُوْرَةِ حَیْثُ لَمْ یُوْجَدْ مَالِكِیٌّ یَحْكُمُ بِهٖ--- و الله سبحٰنه اعلم---

کتبہ المعتصم بحبل اللہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

۱۵/ جمادی الآخر، ۱۳۴۷ھ

[فتاویٰ صدر الافاضل، مکتبہ برکات المدینہ کراچی، صفحہ ۵۸۷، ۵۸۸]



تحفظِ حقوقِ نسواں بل

علمائے اہل سنت کا متفقہ موقف

مرتب: مولانا مفتی منیب الرحمٰن

پاکستان کی پارلیمنٹ نے جو تحفظِ خواتین بل ۲۰۰۶ء منظور کیا ہے، وہ اپنے مقاصد، مابعد مرتب ہونے والے اثرات و نتائج اور متن کے اعتبار سے قرآن و سنت اور مقاصدِ شریعت کے منافی ہے۔ چوں کہ آئین، پارلیمنٹ کو اس بات کا پابند بناتا ہے کہ قانون سازی قرآن و سنت کے مطابق ہو، لہٰذا یہ اصولی طور پر آئین کے بھی منافی ہے اور قراردادِ مقاصد کے بھی منافی ہے، جسے آئین کا مؤثر حصہ قرار دیا جا چکا ہے۔

ہماری رائے میں جو اُمور قرآن و سنت اور مقاصدِ شریعت کے منافی ہیں، وہ یہ ہیں:

1) قرآن و سنت کی رُو سے زنا، ایک سنگین جرم ہے۔ اس کا مفہوم ہر شخص کے ذہن میں واضح ہے، لیکن قانونی تقاضوں کی تکمیل کے لیے اس کی باقاعدہ قانونی اور شرعی تعریف کر دی گئی ہے

اور یہ جرم اگر شرعی معیار (یعنی چار عینی گواہ یا مجرم کا اقرار و اعتراف جرم) کے مطابق ثابت ہو جائے، تو ''موجب حد'' ہے اور اس پر حدِ شرعی نافذ ہوگی، جو غیر شادی شدہ کے لیے سو کوڑے ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''زانیہ عورت اور زانی مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ، اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر (حقیقت میں) ایمان لاتے ہو تو تمھیں اللہ کے دین کی خاطر ان دونوں پر (حدِ شرعی نافذ کرنے میں) کسی نرمی (و رعایت) کا برتاؤ نہیں کرنا چاہیے'' ---[النور:۲]

اور شادی شدہ کے لیے اس فعلِ خبیث کی سزا رجم (سنگ سار کرنا) ہے۔ رجم کی سزا سورۃ المائدہ: ۴۳ سے اشارۃ النص کے طور پر اور احادیثِ مبارکہ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ رجم ۵۳/احادیثِ مرفوعہ، ۱۴/احادیثِ مرسلہ، ۱۴/آثار تابعین اور ۵/فتاوائے تابعین رحمہم اللہ سے ثابت ہے، جو حدِ تواتر کو پہنچ جاتا ہے، چناں چہ حضرت سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''ایک مسلمان شادی شدہ شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہاں پر اس نے اعترافی بیان دیا کہ اس نے زنا کیا ہے، پھر اس نے چار بار اپنے اوپر اقرارِ جرم کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ اسے رجم (سنگسار) کر دیا جائے'' ---

[صحیح بخاری، کتاب الحدود، جلد ۴، صفحہ ۲۵۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت]

ہم اختصار کے پیش نظر تمام احادیثِ مبارکہ درج نہیں کر رہے۔

اور اس حد کے بارے میں قرآن و سنت میں زنا بالرضا اور زنا بالجبر (Rape) کی کوئی تقسیم نہیں ہے، بلکہ فرق صرف یہ ہوگا کہ زنا بالرضا میں فریقین پر حد جاری ہوگی اور زنا بالجبر کی صورت میں وہ فریق جس کا مجبور کر دیا جانا پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے، اسے باعزت بری کر دیا جائے گا۔ لہٰذا جہاں تک اس الزام کا تعلق ہے کہ مزنیہ بالجبر (Raped Victim) کو بھی حدود آرڈیننس کے تحت زنا کا مجرم گردانا جاتا تھا، یہ صریح بہتان اور کذب و افتراء ہے۔ حدود آرڈیننس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے، البتہ جبر کو عدالت میں ثابت کرنا ہوگا۔ خود رسول اللہ ﷺ کے سامنے جب زنا بالجبر کا مقدمہ پیش ہوا، تو آپ ﷺ نے مزنیہ بالجبر (Raped Victim) کو باعزت بری کر دیا۔ ہم اختصار کی بناء پر حدیث درج نہیں کر رہے۔

جب کہ پارلیمنٹ کے منظور کردہ ''تحفظِ خواتین بل'' میں زنا بالجبر کو حد سے نکال کر تعزیراتِ پاکستان کے تحت محض ایک تعزیری جرم قرار دے دیا گیا ہے۔ یہ امر پارلیمنٹ میں پیش کردہ بل میں ایکٹ نمبر ۴۵، بابت ۱۸۶۰ء میں نئی دفعہ کی شمولیت کے تحت دفعہ نمبر ۳۷۶،

بعنوان ''زنا بالجبر کے لیے سزا'' میں موجود ہے، جو یہ ہے:

''جو کوئی زنا بالجبر کا ارتکاب کرتا ہے، اسے سزائے موت یا کسی ایک قسم کی سزائے قید، جو کم سے کم پانچ سال یا زیادہ سے زیادہ پچیس سال تک ہو سکتی ہے اور جرمانے کی سزا کا بھی مستوجب ہوگا'' ---[بحوالہ روزنامہ جنگ، جمعرات، ۱۶؍نومبر ۲۰۰۶ء]

مذکورہ بالا سزا، قرآن وسنت کے صریح منافی ہے، کیوں کہ اس میں زنا بالجبر کی سزا، سزائے موت یا پانچ سے پچیس سال کی قید بمع جرمانہ رکھی گئی ہے، جب کہ قرآن وسنت میں ''زنا بالجبر'' اگر شرعی معیار کے مطابق ثابت ہو جائے، تو اس کی سزا شادی شدہ کے لیے متعین طور پر رجم ہے۔[ملاحظہ ہو، سنن ترمذی، جلد۲، صفحہ ۴۱۲، رقم الحدیث: ۱۴۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت] اور غیر شادی شدہ کے لیے سو کوڑے ہیں[ملاحظہ ہو، سورۃ النور: ۲] اس سلسلے میں قرآن وسنت کے حوالے سے ہم اپنے موقف کو شروع میں ثابت کر چکے ہیں، زنا بالجبر کو مطلقاً حد سے نکال دینا، قرآن وسنت کا صریح انکار ہے۔

جو لوگ یہ پروپیگنڈا کر رہے تھے کہ زنا بالجبر شدید ترین جرم ہے، لہٰذا اس کی سزا بھی شدید ترین اور عبرت ناک ہونی چاہیے، انھوں نے اس موجودہ پاس کردہ بل میں یہ سزا، سزائے موت یا پانچ سے پچیس سال قید بمع جرمانہ رکھ کر اسے جج کی صواب دید پر چھوڑ دیا ہے، یعنی اگر جج چاہے تو زنا بالجبر کے سنگین جرم کے مرتکب شخص کو صرف پانچ سال قید اور جرمانہ کی سزا دے کر بری کر دے اور یہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود سے کھلی بغاوت ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''اور جو اللہ تعالیٰ کی حدود سے آگے بڑھیں (یعنی مخالفت کریں) تو وہی لوگ ظالم ہیں'' ---[البقرہ: ۲۲۹]

جب قانون میں زنا بالجبر کی سزا میں لچک رکھ دی گئی ہے اور اسے جج کی صواب دید پر چھوڑ دیا گیا ہے، تو دراصل یہ بااثر لوگوں کے لیے ایک رعایت کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔

پارلیمنٹ کے منظور کردہ اس بل میں زنا بالجبر کے سنگین جرم کے مرتکب شخص سے جرمانہ وصول کرنے کا ذکر بھی سطور بالا میں درج ہے، جو کہ قرآن وسنت کی صریح مخالفت ہے، چناں چہ حضرت سیدنا ابو ہریرہ اور حضرت سیدنا خالد الجہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ ہمارے مابین کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ فرمائیں'' ---

اس کا فریقِ مخالف کھڑا ہوا اور یہ شخص پہلے شخص سے زیادہ سمجھ دار تھا، کہنے لگا:

"اس نے سچ کہا، ہمارے مابین کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ فرمائیں اور مجھے بھی کچھ کہنے کی اجازت عطا فرمائیں"---

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کہو"---

تو فریقِ ثانی نے کہا:

"میرا بیٹا اس کے اہلِ خانہ میں مزدوری کرتا تھا اور اس نے اس کی بیوی سے زنا کر لیا تو میں نے اس کے فدیہ کے طور پر اس کو سو بکریاں اور ایک غلام دیا، پھر میں نے اہلِ علم سے پوچھا تو انھوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے پر سو کوڑوں کی سزا اور ایک سال کے لیے جلاوطنی ہے اور اس کی بیوی پر سنگسار کی سزا ہے"---

پس حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مجھے قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں ضرور تمہارے درمیان کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ کروں گا۔ سو بکریاں اور غلام تجھے واپس کر دیے جائیں گے اور تیرے بیٹے پر سو کوڑوں اور جلاوطنی لازم ہے"---

"(پھر آپ ﷺ نے ایک قریب بیٹھے صحابی سے فرمایا) اے انیس! صبح کو اس عورت کے پاس جاؤ اور اس سے پوچھو، اگر وہ اعتراف جرم کرے تو اسے رجم کر دو۔ (راوی کہتا ہے کہ) اس عورت نے اعتراف جرم کر لیا اور اسے رجم کر دیا گیا"---

[صحیح بخاری، کتاب الحدود، جلد ۴، صفحہ ۲۶۴، رقم الحدیث: ۶۸۵۹، ۶۸۶۰]

اس حدیثِ مبارک سے ثابت ہوا کہ زنا "موجبِ حد" میں جسمانی سزا ہے، مالی جرمانہ نہیں۔

2) قرآن و سنت کی روشنی میں حدِ زنا کے قیام کے لیے چار عینی گواہوں یا اقرار و اعتراف کا پایا جانا ضروری ہے، جب کہ پارلیمنٹ کے منظور کردہ تحفظِ خواتین بل میں زنا بالجبر کی سزا میں عینی گواہی کو قطعاً نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس امر کو پارلیمنٹ کے منظور کردہ بل کی دفعہ ۳۷۶ر کے متعلق ٹیبل نمبر ۴ر میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ قرآن و سنت اور اسلام سے کھلی بغاوت ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"اور جس نے غیر اسلامی قانون چاہا، تو (وہ) اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا"---[آلِ عمران: ۸۵]

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ کافر ہیں'' ---[المائدہ:۴۴]

''اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے موافق فیصلہ نہ کریں، سو وہی لوگ ظالم ہیں'' ---[لمائدہ۴۵]

''اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کریں، سو وہی لوگ فاسق ہیں'' ---[المائدہ:۴۷]

ان آیاتِ کریمہ کے مخاطب حکمران ہیں۔ کیوں کہ احکامِ الٰہی کو نافذ کرنا، فرد کی نہیں، اہلِ اقتدار کی ذمہ داری ہے۔ چناں چہ ان آیاتِ مبارکہ میں ان حکمرانوں کو جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں، بالترتیب کافر، ظالم اور فاسق قرار دیا گیا ہے۔ یعنی جو حکمران تساہل کی وجہ سے اللہ کے احکام کو نافذ نہ کریں، وہ فاسق ہیں اور جو تمرد اور سرکشی کے سبب اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ نہ کریں، وہ ظالم ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے احکام کا سرے سے انکار کردیں، وہ کافر ہیں۔

3) پارلیمنٹ کے منظور کردہ تحفظِ خواتین بل کی ترمیم نمبر ۱۴/ میں آرڈیننس نمبر ۷، مجریہ ۱۹۷۹ء کی دفعہ ۶ اور ۷ کو حذف کیا گیا ہے۔ چناں چہ منظور کردہ بل کی ترمیم نمبر ۱۴/ میں واضح طور پر موجود ہے کہ ''زنا کا جرم'' (نفاذِ حدود) آرڈیننس ۱۹۷۹ء، آرڈیننس نمبر ۷، مجریہ ۱۹۷۹ء کی دفعات ۶ اور ۷ کو حذف کردیا جائے گا۔ [بحوالہ روزنامہ جنگ، ہفتہ، ۱۸/نومبر ۲۰۰۶ء]

اس ترمیم کے مطابق آرڈیننس نمبر ۷، ۱۹۷۹ء کی دفعہ کو کلی طور پر منسوخ کردیا گیا ہے۔ حالاں کہ حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء کی دفعہ ۶ میں زنا بالجبر کے لیے درجِ ذیل سزائیں مقرر کی گئی تھیں:

الف)......اگر مرد یا عورت محصن (یعنی شادی شدہ) ہے تو اس کو کسی جائے عام پر رجم (سنگسار) کرکے ہلاک کردیا جائے گا۔

ب)......اگر مرد یا عورت محصن نہیں ہے (یعنی غیر شادی شدہ ہے) تو جائے عام پر کوڑوں کی سزا، جس کی تعداد سو (۱۰۰) کوڑے ہوگی، دی جائے گی اور کوئی دیگر سزا، جس میں سزائے موت بھی شامل ہے، دی جائے گی، جو کہ عدالت حالاتِ مقدمہ کے مدِنظر مناسب سمجھے۔

[نیو اسلامک لاز ۱۹۷۹ء، صفحہ ۶۱، منصور بک ہاؤس، لاہور]

حدود آرڈیننس کی دفعہ ۶/ میں موجود ان سزاؤں (یعنی الف اور ب) کو پڑھنے کے بعد ایک باشعور انسان اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ اس دفعہ کو کلی طور پر منسوخ کرنے کا مقصد اس دفعہ میں موجود حدودِ الٰہی کو ختم کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔

4) پارلیمنٹ کے منظور کردہ تحفظِ خواتین بل میں زنا بالرضا ''موجبِ حد'' کو قابلِ دست اندازیٔ پولیس جرم سے خارج کر دیا دیا گیا ہے۔اس امر کو پارلیمنٹ کے منظور کردہ بل کے ٹیبل نمبر ۸ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ زنا بالرضا کو قابل دست اندازیٔ پولیس جرم سے خارج کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ملزم کو پکڑ کر عدالت میں لانا، گواہوں کو پکڑ کر عدالت میں پیش کرنا اور موقع پر موجود قرائن وشواہد کو جمع کرنے کی ذمہ داری سے حکومت دست بردار ہو گئی ہے اور مستغیث پر یہ ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ وہ مقدمات جو براہِ راست جج کی عدالت میں دائر ہوتے ہیں، ہفتوں اور مہینوں ان کی سماعت کی نوبت نہیں آتی اور اس دوران میں قرائن و واقعات کی شہادت (Circumtancial Ecidence) تلف ہو جائے گی اور کسی بھی درجے میں ثبوتِ جرم کے لیے کچھ نہیں بچے گا۔

5) پارلیمنٹ کے منظور کردہ بل میں زنا بالرضا کی سزا محصن (شادی شدہ) ہونے کی صورت میں موت تک سنگسار کرنا اور اگر محصن نہ ہو تو ایک سو کوڑوں تک کی سزا رکھی گئی ہے۔اس امر کو قومی اسمبلی میں منظور کردہ بل کے ٹیبل نمبر ۸ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ قرآن وسنت کی رو سے غیر شادی شدہ زانی کے لیے متعین سزا، سو کوڑے ہے، جب کہ بل میں موجود غیر شادی شدہ کی سزا 'سو کوڑے' نہیں، بلکہ 'سو کوڑے تک' بیان کی گئی ہے، جس سے یہ بات واضح ہے کہ جج سو کوڑوں سے کم کی سزا بھی دے سکتا ہے۔مثلاً پچاس کوڑے مار کر باعزت بری کر دیا جائے۔یہ قرآنی حکم میں صریح تحریف ہے۔

6) پارلیمنٹ کے منظور کردہ تحفظِ خواتین بل میں آرڈیننس نمبر ۷، مجریہ ۱۹۷۹ء کی دفعہ ۳ کو حذف کیا گیا ہے، اس امر کو قومی اسمبلی کے منظور کردہ بل کی ترمیم نمبر ۱۲ میں دیکھا جا سکتا ہے، جو یہ ہے:

''زنا کے جرم (نفاذِ حدود) آرڈیننس ۱۹۷۹ء (آرڈیننس نمبر ۷، مجریہ ۱۹۷۹ء) کی دفعہ ۳ کو حذف کر دیا جائے گا''---[روزنامہ جنگ، ۱۸/نومبر ۲۰۰۶ء]

مذکورہ آرڈیننس کی دفعہ ۳، کہ جس کو کلی طور پر حذف کیا گیا ہے، وہ یہ ہے:

''آرڈیننس دیگر قوانین پر غالب ہو گا، یعنی آرڈیننس ہٰذا کے احکام کسی دیگر نافذ الوقت میں درج کسی امر کے باوصف مؤثر ہوں گے''---

[نیو اسلامک لاز ۱۹۷۹ء، صفحہ ۵۵، منصور بک ہاؤس لاہور]

یہ دفعہ ۳ کہ جس کو حذف کر دیا گیا ہے، اس کے سبب حدود آرڈیننس کو ان جرائم سے متعلق

دوسرے کسی بھی قانون پر بالادستی (Ocer Riding Effect) دی گئی تھی، اس کو ختم کر دیا گیا ہے، جس کے نتیجے میں حدودِ الٰہی کی قانونی حیثیت (Legal Status) عام تعزیزی قوانین کے برابر ہو جائے گی۔ علماء کمیٹی نے یہ بھی مشورہ دیا تھا کہ مجوزہ بل میں مندرجہ ذیل دفعہ شامل کر دی جائے:

''اس قانون کی تعبیر و تشریح سے متعلق کسی بھی دوسرے قانون کے مقابلے میں قرآن و سنت کو بالادستی حاصل ہوگی''---

اسے شامل نہیں کیا گیا۔

7) پارلیمنٹ کے منظور کردہ تحفظِ خواتین بل میں آرڈیننس نمبر ۷، مجریہ ۱۹۷۹ء کی دفعہ ۴ میں لفظ ''جائز'' کو حذف کیا گیا ہے، اس امر کو پارلیمنٹ کے منظور کردہ بل کی ترمیم نمبر ۱۳ میں دیکھا جا سکتا ہے، جو یہ ہے:

''زنا کا جرم (نفاذِ حدود) آرڈیننس ۱۹۷۹ء، (آرڈیننس نمبر ۷، مجریہ ۱۹۷۹ء) میں دفعہ ۴ میں لفظ ''جائز طور پر'' اور مذکورہ دفعہ کے آخر میں تشریح کو حذف کر دیا جائے گا''---

[روزنامہ جنگ، بروز ہفتہ، ۱۸/نومبر ۲۰۰۶ء]

حدود آرڈیننس کی مذکورہ دفعہ ۴، جس سے لفظ ''جائز'' ختم کیا گیا ہے، وہ یہ ہے:

''ایک مرد اور ایک عورت زنا کے مرتکب کہلائیں گے، اگر وہ باہمی جائز شادی کے بغیر بالارادہ مباشرت کریں''---[نیو اسلامک لاز، ۱۹۷۹ء، صفحہ ۵۵، منصور بک ہاؤس لاہور]

مذکورہ بالا دفعہ میں لفظِ شادی کے ساتھ لفظ جائز ہے اور اس مقام پر جائز شادی سے مراد وہ نکاح ہے، جو شرعی تقاضوں کے مطابق ہو۔ جب اس سے لفظ جائز کو ختم کر دیا جائے گا تو مطلق دعویٰ نکاح ہی سزا سے بچنے کے لیے کافی ہوگا، چاہے وہ دعویٰ نکاح شریعت کے معیار کے مطابق جائز ثابت نہ ہو، زبانی دعویٰ یا جعلی کاغذی کارروائی کی بناء پر بھی مجرم چھوٹ جائے گا۔

8) پارلیمنٹ کے منظور کردہ خواتین بل میں موجود ایکٹ ۴۵، بابت ۱۸۶۰ء میں نئی دفعہ کی شمولیت کے تحت دفعہ ۳۷۵، بعنوان زنا بالجبر کی شق پنجم میں یہ درج ہے:

''اس کی رضامندی سے یا اس کے بغیر جب کہ وہ سولہ (۱۶) سال سے کم عمر کی ہو''---

[بحوالہ، روزنامہ جنگ، بروز جمعرات، ۱۶ نومبر ۲۰۰۶ء]

مذکورہ دفعہ کے تحت سولہ (۱۶) برس سے کم عمر (مثلاً پندرہ سال، ۱۱/ماہ، ۲۹/دن) کی عاقلہ بالغہ خاتون کے ساتھ اس کی رضامندی سے زنا کیا گیا ہو تو مرد کو زنا بالجبر (Rape) کا مرتکب قرار دے کر سزا دی جائے گی اور اپنی مرضی سے زنا کرنے والی عاقلہ بالغہ عورت کو ارتکاب و ثبوتِ جرم

کے باوجود باعزت بری کر دیا جائے گا اور وہ سزا سے مکمل طور پر محفوظ رہے گی۔ یہ قرآن وسنت اور شریعت کی صریح خلاف ورزی ہے اور اس سے فحاشی کو فروغ ملے گا۔ یہ وہی قانونی پوزیشن ہے، جو اس وقت امریکہ اور یورپ میں ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اور جو اللہ اور کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے اور اس کی (قائم کردہ) حدود سے تجاوز کرے، تو اللہ تعالیٰ اسے (جہنم کی) آگ میں داخل کرے گا، جس میں (وہ) ہمیشہ رہے اور اس کے لیے ذلت کا عذاب ہے''---[النساء:۱۴]

(9) حدود آرڈیننس کے تحت اگر کسی شخص کے خلاف زنا ''موجبِ حد'' کا الزام ہو اور مقدمے میں حد کی شرائط پوری نہ ہوں، لیکن فی الجملہ جرم ثابت ہو جائے تو اسے دفعہ ۱۰ (۳) کے تحت تعزیری سزا دی جاسکتی تھی، لیکن منظور کردہ بل کی رو سے ضابطہ فوج داری میں دفعہ ۲۰۳ سی کا جو اضافہ کیا گیا ہے، اس کی شق نمبر ۶ رمیں یہ لکھ دیا گیا ہے:

''جو زنا ''موجبِ حد'' کے الزام سے بری ہو گیا ہو، اس کے خلاف فحاشی کا کوئی مقدمہ درج نہیں کرایا جاسکتا''---

اس سے یہ بات واضح ہے کہ کسی شخص کے خلاف عورت نے زنا بالجبر کا الزام عائد کیا ہو اور جبر کے ثبوت میں کوئی شک رہ جائے تو ملزم بری ہو جائے گا اور اس کے خلاف فحاشی کی دفعہ کے تحت بھی کوئی کارروائی نہیں کی جاسکے گی۔

اب یہاں یہ بات تو ثابت ہے کہ جرم ہوا ہے اور مستغیثہ نے پولیس کے پاس زنا بالجبر (Rape) کے مقدمے کا اندراج کرایا ہے، لیکن جبر ثابت نہیں ہو سکا، اس کی وجوہ دو ہو سکتی ہیں:

(۱) مجرم بااثر تھا اور اس نے موقع اور قرائن کی شہادتوں کو اپنی طاقت واثر سے تلف کر دیا، ضائع کرا دیا۔ پولیس نے بااثر شخص کے خوف سے حقائق کو تلف کر دیا یا چھپا دیا یا مجرم اتنا جابر اور طاقت ور ہے کہ اس کے خوف سے کوئی گواہ عدالت میں گواہی دینے کی ہمت ہی نہیں کر سکتا، لہٰذا مندرجہ بالا شق کی رو سے وہ زنا بالجبر کے الزام سے تو باعزت بری ہو جائے گا اور پھر اس کے خلاف فحاشی کا مقدمہ بھی درج نہیں ہو سکے گا تا کہ اسے قطعاً کوئی سزا نہ مل سکے، ہماری پارلیمنٹ کے فاضل ممبران کی اس دانش مندی سے عورت کو ''مثالی تحفظ'' ملے گا، کسی نے سچ کہا ہے:

ع جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

(۲) ابتداءِ جرم تو باہمی رضامندی سے ہوا تھا لیکن عزت بچانے کے لیے Rape کا دعویٰ کر دیا، اب چوں کہ عورت کو ہر قسم کی سزا سے بچانا مقصود ہے، لہٰذا اس کی خاطر مرد کو بھی

باعزت بری کر دیا گیا اور فحاشی (Lewdness) کے الزام میں جو کم تر سزا مجرمین کو مل سکتی تھی، اس قانون نے اس کے امکانات کو ختم کر دیا، اب اس سے فحاشی کو فروغ ملے گا۔

10) قذف آرڈیننس کی دفعہ ۱۴ میں قرآنِ کریم کے بیان کیے ہوئے لعان، یعنی اگر کوئی مرد اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور چار گواہ پیش نہ کر سکے تو عورت کے مطالبے پر اسے لعان کی کارروائی میں قسمیں کھانی ہوں گی اور میاں بیوی کی قسموں کے بعد ان کے درمیان نکاح فسخ کر دیا جائے گا۔ قذف آرڈیننس میں کہا گیا ہے کہ اگر شوہر لعان کی کارروائی سے انکار کرے تو اسے اس وقت تک حراست میں رکھا جائے گا، جب تک وہ لعان پر آمادہ نہ ہو۔ منظور کردہ بل میں یہ حصہ حذف کر دیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر شوہر لعان پر آمادہ نہ ہو تو عورت بے بسی سے لٹکی رہے گی، نہ ہی بے گناہی لعان کے ذریعے ثابت کر سکے گی اور نہ نکاح فسخ کرا سکے گی۔

یہ دفعہ اس لیے شامل کی گئی ہے کہ سیکولر فلسفۂ قانون میں کسی شخص کو کسی جرم کے اقرار یا انکار پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، وہ عدالت کو کسی سوال کے جواب میں نہ "ہاں" اور نہ ہی "ناں"، بلکہ کہہ دے کہ "No Comments"، تو عدالت اسے کچھ نہیں کہے گی۔ اس سیکولر فلسفۂ قانون کو اسلام کے قانونِ لعان پر بالادستی (Over Riding Effect) عطا کر دی گئی ہے۔

نیز قذف آرڈیننس میں کہا گیا ہے کہ اگر لعان کی کارروائی کے دوران عورت زنا کا اعتراف کر لے تو اس پر زنا کی سزا جاری ہوگی۔ منظور کردہ بل میں یہ حصہ بھی حذف کر دیا گیا ہے، حالاں کہ اعتراف کر لینے کے بعد سزائے زنا کے جاری نہ ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں، جب کہ لعان کی کارروائی عورت کے مطالبے پر ہی شروع ہوتی ہے اور اسے اعتراف کرنے پر کوئی مجبور نہیں کرتا۔

تحفظِ خواتین بل کے اثرات و نتائج

1...... اگر یہ بل تمام مراحل طے کر کے خدانخواستہ قانون کا درجہ حاصل کر لیتا ہے تو اسے "قانونِ تحفظِ خواتین" کے بجائے "قانون برائے فروغِ فحاشی" کا نام دینا زیادہ مناسب ہوگا۔

2...... عملاً پاکستان قرآن و سنت کے صریح احکام اور پاکیزہ سماجی اقدار کے ماحول سے نکل کر مغرب کے بے غیرتی اور بے حمیتی اور فروغِ فحاشی کے ماحول میں چلا جائے گا۔

3...... جب قانون، زنا اور فحاشی کو روکنے میں ناکام رہے گا، بلکہ قانون کا علامتی خوف بھی اُٹھ جائے گا تو پاکستان میں "کاروکاری"، "غیرت کے نام پر قتل" اور "ماوراءِ عدالت انتقامی کارروائیوں" کو فروغ ملے گا، کیوں کہ پاکستانی معاشرہ بالعموم اور مسلمان بالخصوص اس بے غیرتی کو ہضم نہیں کر پائیں گے۔

4......غیر شادی شدہ جوڑے، مغرب کی طرح اکٹھے رہنا چاہیں یا ہوٹل میں کمرہ بک کر کے سیاہ کاری کرنا چاہیں، تو انھیں قانون کا کوئی ڈر نہیں رہے گا۔

5......صدر امریکا جارج واکر بش اور وزیر اعظم برطانیہ ٹونی بلیئر نے برملا اس قانون کی تحسین کی ہے، اسے روشن خیالی، آزادروی اور جدت پسندی کا مظہر قرار دیا ہے۔

ہم آپ سے گزارش کرتے ہیں کہ ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ جس قانون کی تعریف و تحسین یہود و نصاریٰ کریں، امت مسلمہ پر ہر سو آگ برسانے والے بش اور ٹونی بلیئر کریں، کیا وہ قرآن و سنت کے مطابق ہو سکتا ہے؟ ان کی تحسین اس امر کی دلیل ہے کہ یہ مقاصدِ کفر کو پورا کر رہا ہے اور اس کے برعکس دین کا درد رکھنے والے تمام مسلمان اور علماء غم زدہ ہیں، رنجیدہ ہیں اور اس کے خلاف سراپا احتجاج ہیں۔

ہماری رائے میں پارلیمنٹ کے منظور کردہ بل کو "تحفظِ خواتین بل" کا نام دینا صریح مذاق ہے، اس میں خواتین کو غیر محفوظ تو کر دیا گیا ہے، ان کو تحفظ عطا نہیں کیا گیا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ کسی کالے کا نام "شمس الزمان" یا "نور الزمان" رکھ دیں۔

ایک ٹیکنیکل اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ۱۹۷۳ء کا دستور اسلامی ہے، اس پر علماء کرام نے دستخط کیے ہیں اور کوئی اعتراض نہیں کیا جب کہ حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء میں آیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں دو واضح تحدیدات (Bindings) تھیں:

(۱) یہ کہ قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا۔

(۲) یہ کہ تمام موجودہ قوانین کو دس سال کے اندر اسلام کے مطابق ڈھال لیا جائے گا۔

تو اگر ۱۹۷۳ء کے آئین پر لفظاً اور معناً عمل کیا گیا ہوتا، تو بھی ۱۹۸۳ء سے پہلے پہلے قوانینِ حدود اور قوانینِ قصاص کا نافذ کرنا لازمی، قانونی تقاضا تھا۔

علماء کی تجاویز

تحفظ خواتین بل کے لیے ہم نے حکومت کو جو تجاویز پیش کی تھیں، وہ یہ ہیں کہ:

1......خواتین کو وراثت سے محروم کرنے کو قابلِ تعزیر جرم قرار دیا جائے۔ جاگیردار معاشرے میں اگر کسی خاتون کے لیے خاندان کے اندر متوازی رشتہ موجود نہ ہو تو اس کی "قرآن سے شادی" کر دی جاتی ہے اور ہمیشہ کے لیے غیر شادی شدہ رہنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے، تاکہ اس کے ذریعے وراثت خاندان سے باہر نہ جائے۔

2......یہ کہ عاقلہ بالغہ عورت کی، اس کی مرضی کے خلاف جبراً شادی کرانے کو تعزیری جرم

قرار دیا جائے۔

3...... یہ کہ زمانہ جاہلیت کی طرح ''نکاحِ شغار''، جسے آج کل ''وٹہ سٹہ'' کہا جاتا ہے، اگر اس میں کسی بھی جانب سے عورت کی رضامندی نہ ہو یا ان کا مہر مقرر نہ کیا جائے، بلکہ ایک شخص اپنی بہن کا نکاح اپنی بیوی کے بدل مہر میں کردے، اسے تعزیری جرم قرار دیا جائے۔

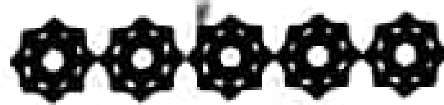
4...... یہ کہ ایک وقت میں تین طلاقیں (طلاقِ مغلظہ) دینے کو تعزیری جرم قرار دیا جائے تاکہ اس کی حوصلہ شکنی ہو اور اس سلسلے میں شوہر کے ساتھ وثیقہ نویس، اوتھ کمشنر، نوٹری پبلک اور گواہوں کو بھی شریکِ جرم سمجھا جائے۔

5...... یہ کہ ''ونی'' کی رسم کو تعزیری جرم قرار دیا جائے، جس میں قصاص کے مالی بدل کے طور پر قاتل کے خاندان کی چھوٹی بچیوں کا نکاح مقتول کے خاندان کے مردوں سے کردیا جاتا ہے اور بعض اوقات عمروں میں بے انتہا تفاوت ہوتا ہے، اس سے اسلام اور پاکستان کی بدنامی ہوتی ہے۔

6...... کاروکاری، غیرت کے نام پر قتل اور ماورائے عدالت قتل و دیگر جرائم کا خاتمہ مقصود ہے تو قانون میں متاثرینِ جرائم اور مظلومین کو تحفظ دیا جائے، عدل کو یقینی بنایا جائے اور قانون کی حکمرانی قائم کی جائے، ورنہ محض وعظ و تذکیر یا اسمبلیوں میں تقاریر سے ان جرائم کو روکا نہیں جاسکے گا اور موجودہ قانون نے ان جرائم کے امکانات میں اضافہ کردیا ہے۔

نوٹ

پارلیمنٹ کے منظور کردہ قانون کے بارے میں ہماری یہ رائے خالص دینی اصولوں پر مبنی ہے، اس سے سیاست کا کوئی تعلق نہیں ہے، نہ ہی ہماری کسی جماعت سے سیاسی وابستگی ہے اور نہ ہی حال یا مستقبل میں کوئی سیاسی مقاصد ہیں۔ کوئی دلائل کی بنیاد پر ہماری کسی رائے سے اختلاف کرے تو یہ اس کا حق ہے، لیکن جس طرح ہر شعبۂ زندگی میں اس شعبے کے ماہرین رائے دینے کا حق رکھتے ہیں اور انھی کی رائے کو قابلِ توجہ سمجھا جاتا ہے، اسی طرح دین کو اتنا مظلوم نہ بنادیا جائے کہ قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کے ماہرانہ علم کے بغیر ہر شخص اسلام پر اتھارٹی بننے کا دعویٰ کرے اور اپنی رائے کو حرفِ آخر سمجھے۔



اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

قسط اوّل

تفویض طلاق کا بیان

تفویض طلاق کا مسئلہ نکاح نامہ کے کالم ۱۸، ۱۹ کی وجہ سے آج کل زیر بحث ہے، پنجاب اسمبلی میں بھی اس سلسلے میں ایک بل زیر غور ہے--- زیر نظر مضمون میں مولانا مفتی محمد رفیق الحسنی نے مسئلہ کی شرعی نوعیت پر مفصل بحث کی ہے--- نکاح خواں اور نکاح رجسٹرار حضرات کو بالخصوص اس کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے---[ادارہ]

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَ اُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ۝ وَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ فَاِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا﴾---[احزاب،۳۳: ۲۹،۲۸]

"اے نبی اپنی ازواج سے فرما دو اگر تم دنیا کی زندگی اور دنیا کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال دوں اور تمہیں اچھی طرح چھوڑ دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) اور آخرت کا گھر چاہتی ہو پس بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے احسان کرنے والیوں کے لیے اجر عظیم تیار کیا ہے"---

صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا، اے عائشہ! میں تجھ پر ایک

بات پیش کرتا ہوں اس میں جلدی نہ کرنا اور جب تک اپنے والدین سے مشورہ نہ کر لینا جواب نہ دینا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا بات ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے سورۃ احزاب کی مذکورہ آیات کی تلاوت فرمائیں تو سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا آپ کے بارے میں والدین سے مشورہ کروں، مجھے مشورہ کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو اختیار کرتی ہوں۔ یارسول اللہ! میں چاہتی ہوں دیگر ازواج مطہرات کو آپ میرے جواب کی خبر نہ دیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جو مجھ سے پوچھے گی کہ عائشہ نے کیا جواب دیا ہے، میں اُسے ضرور خبر دوں گا، اللہ تعالیٰ نے مجھے مشقت میں ڈالنے والا اور مشقت میں پڑنے والا بنا کر نہیں بھیجا، اس نے مجھے معلم اور آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

صحیح بخاری میں سیدہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اختیار دیا، ہم نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا اور اس کو طلاق شمار نہیں کیا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی کو طلاق کا اختیار دینا قرآن مجید سے ثابت اور جائز ہے اور اگر بیوی طلاق اختیار کر لے تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

تفویض طلاق کے مسائل اور احکام

شوہر کا اپنی بیوی کو طلاق دینے کا اختیار دینا یا کسی دوسرے آدمی کے ذریعہ طلاق دلوانے اور کسی دوسرے کو اپنی بیوی کی طلاق کا حق دینے کے تین طریقے ہوتے ہیں:

۱.....تفویض ۲.....توکیل اور ۳.....ترسیل

ان تینوں میں فرق ہوتا ہے اور ان کے احکام مختلف ہوتے ہیں۔

- تفویض تملیک کے معنی میں ہے، تفویض سے شوہر دوسرے آدمی کو طلاق کا مالک بنا دیتا ہے اور مالک کی تعریف یہ ہے کہ وہ اپنے ملک میں حسب خواہش تصرف کر سکتا ہے، اس لیے جس آدمی کو طلاق تفویض کی گئی ہے وہ مالکانہ حقوق کے ساتھ طلاق کے تصرفات کا حق دار ہو جاتا ہے۔
- توکیل میں مؤکل وکیل کو اپنی بیوی کی طلاق کا مالک تو نہیں بناتا لیکن طلاق میں تصرف کا حق سپرد کر دیتا ہے اور وکیل صرف طلاق میں بقدر وکالت تصرف کا مالک ہو جاتا ہے، اصل طلاق کا مالک نہیں ہوتا۔ اور

● ترسیل میں شوہر کی جانب سے پیغام رساں اور رسول، نہ طلاق کا مالک ہوتا ہے اور نہ طلاق میں تصرف کا مالک ہوتا ہے بلکہ شوہر کی جانب سے دی گئی طلاق کی خبر پہنچاتا ہے۔ تفصیل ان شاء اللہ آئندہ ذکر کی جائے گی۔

پاکستان میں چونکہ نکاح ناموں کے کالم نمبر ۱۸ میں تفویض طلاق کا ذکر ہے، اس لیے ہم تفویض کے مسائل پہلے ذکر کرتے ہیں:

● شریعت مطہرہ میں نکاح منعقد ہو جانے کے بعد شوہر اپنی منکوحہ کو آزاد کرنے کے حوالہ سے تین مرتبہ طلاق دینے کا اس طرح مالک ہو جاتا ہے جس طرح کوئی شخص خریدی گئی چیز کا مالک ہو جاتا ہے، لہٰذا جس طرح مال کا مالک اپنے مال کا دوسرے آدمی کو مالک بنا سکتا ہے، اسی طرح شوہر بھی طلاق کا کسی دوسرے آدمی کو مالک بنا سکتا ہے اور شوہر کا کسی کو اپنی بیوی کی طلاق کے مالک بنانے کا نام تفویض طلاق ہے۔ لیکن طلاق کی تملیک اور دوسری تملیکات میں متعدد وجوہ سے فرق ہے، اوّل طلاق کی تملیک میں، دوسرے آدمی کا قبول کرنا شرط نہیں ہوتا، دوسرا آدمی قبول کرے یا نہ کرے مالک ہو جاتا ہے، بخلاف بیع وشراء کے، وہاں تملیک کے لیے مشتری کا قبول کرنا شرط ہوتا ہے۔ دوم مال کی تملیک میں مال مالک کے ملک سے نکل جاتا ہے، دوبارہ اصل مالک اس مال میں تصرف کرنے کا مجاز نہیں رہتا، لیکن طلاق کی تملیک میں شوہر بھی طلاق کا حسب سابق مالک رہتا ہے، دوسرے آدمی کو اپنی بیوی کی طلاق کا مالک بنا دینے سے شوہر کے ملک سے طلاق کا ملک خارج نہیں ہوتا اور شوہر تفویض کے بعد بھی طلاق دینے کے حق سے محروم نہیں ہوتا۔ سوم مال کی تملیک اگر بلا معاوضہ ہو یعنی ہبہ اور گفٹ ہو تو مالک رجوع کر کے مال واپس لے سکتا ہے لیکن طلاق کی تملیک اور تفویض میں شوہر رجوع نہیں کر سکتا، جس آدمی کو شوہر نے طلاق کا مالک بنا دیا وہ مالک ہو گیا، اب اگر شوہر نادم ہو کر کہتا ہے میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں یا طلاق کا حق واپس لیتا ہوں، وہ ایسا نہیں کر سکتا۔

● زمانہ قدیم کے عربی عرف میں بیوی کو طلاق تفویض اور تملیک کرنے کے لیے عموماً تین لفظ استعمال ہوتے تھے، طلقی، اختیاری اور امرک بیدک مثلاً شوہر نے بیوی کو اگر طلاق تفویض کرنا ہوتی تو شوہر کہتا تھا، طلقی نفسک یعنی تو اپنے نفس کو مالکانہ حقوق کے ساتھ طلاق دے دے یا شوہر کہتا تھا، اختاری یعنی تو طلاق لینے میں مختار ہے یا شوہر کہتا تھا، امرک بیدک

یعنی تیرا امر تیرے ہاتھ ہے۔ ان تینوں الفاظ سے شوہر اپنی بیوی کو طلاق تفویض کرتا تھا اور بیوی کو طلاق کا مالک بنا دیتا تھا، لیکن ان تینوں الفاظ کے ساتھ تفویض طلاق کے احکام مختلف ہوتے ہیں۔

اوّل یہ کہ اختاری اور امرک بیدک میں بیوی کو طلاق بائن کا مالک بنایا جاتا ہے، جب بیوی اخترت نفسی یا طلقت نفسی وغیرھا الفاظ کہے گی تو بیوی طلاق بائن سے آزاد ہو جائے گی، لیکن طلقی نفسک میں بیوی کو طلاق رجعی کا مالک بنایا جاتا ہے، اس لیے بیوی طلاق رجعی کی مالک ہوگی اور طلاق واقع کرنے سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔ اس فرق کی وجہ ظاہر ہے کہ اختاری اور امرک بیدک کنایات تفویض سے ہیں اور کنایات سے طلاق بائن کا اختیار دیا جاتا ہے اور طلقی نفسک میں صریح طلاق کی تفویض ہے، اس میں طلاق رجعی تفویض کی گئی ہے۔

دوم یہ کہ اختاری اور امرک بیدک میں تفویض تب ہوگی جب شوہر طلاق کے تفویض کی نیت کرے گا اور اگر شوہر حالت رضا میں اور خوشی میں یہ الفاظ کہتا ہے اور حلف کے ساتھ تفویض کی نیت سے انکار کرتا ہے تو اس کی قسم کا اعتبار ہوگا، بیوی کو طلاق کا اختیار نہیں ہوگا، مگر شوہر غصہ یا مذاکرہ اور مطالبہ طلاق کی حالت میں اگر یہی الفاظ کہے گا تو شوہر کا طلاق تفویض کرنے کی نیت کا انکار معتبر نہیں ہوگا اور طلقی نفسک میں طلاق کی تفویض کے لیے نیت کرنا شرط نہیں ہے، کیوں کہ یہ صریح تفویض ہے اور صریح خود نیت کے قائم مقام ہوتا ہے، لہٰذا طلقی میں شوہر کا کہنا کہ میری نیت تفویض طلاق کی نہیں تھی، معتبر نہیں ہوگا۔ یہاں طلقی میں حالت رضا اور غصہ اور مذاکرہ اور مطالبہ طلاق کی حالت سب برابر ہوں گی۔

- پھر تفویض کی دو قسمیں ہیں:

۱......تفویض مطلق اور ۲......تفویض معلق

یعنی تفویض غیر مشروط اور تفویض مشروط۔ پھر ان میں سے ہر ایک کے دو دو قسم ہیں:

۱......تفویض غیر مشروط موقت ۲......تفویض غیر مشروط غیر مؤقت

۳......تفویض مشروط مؤقت ۴......تفویض مشروط غیر مؤقت

پھر تفویض مؤقت مشروط ہو یا غیر مشروط، ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں:

۵......مؤقت بالوقت المحدود ۶......مؤقت بالوقت الغیر المحدود

پہلی قسم تفویض غیر مشروط سے مراد یہ ہے کہ تفویض کے الفاظ میں شرط کا ذکر نہ ہو اور دوسری

قسم تفویض مشروط سے مراد یہ ہے کہ اس میں شرط کا ذکر ہو۔ پہلی کی مثال طلقی نفسک اور دوسری کی مثال اذا جاء زید طلقی نفسک، یہ دونوں مشروط اور غیر مشروط تفویض غیر مؤقت ہیں، یعنی ان میں وقت کا ذکر نہیں اور تفویض غیر مشروط مؤقت اور تفویض مشروط مؤقت سے مراد وہ تفویض ہے جن میں وقت کا ذکر ہو، مثلاً طلقی نفسک الیٰ ثلثة ایام اور اذا جاء زید فطلقی نفسک الیٰ ثلثه ایام، پہلی مثال غیر مشروط مؤقت کی ہے، کیوں کہ اس کا ترجمہ ہے تو تین دن تک اپنے نفس کو طلاق دے دے اور دوسری مثال مشروط مؤقت کی ہے، کیوں کہ اس میں وقت کے ذکر کے ساتھ زید کے آنے کی شرط کا ذکر بھی ہے، لیکن یہ دونوں مثالیں مؤقت بالوقت المحدود کی ہیں اور تفویض مشروط یا غیر مشروط بالوقت الغیر المحدود کی مثال طلقی نفسک اذا ما شئت، ''جب تو چاہے طلاق دے دے'' اور اذا جاء زید طلقی نفسک اذا ما شئت، ''جب زید آ جائے تو جب چاہے طلاق لے لے'' پہلی مثال میں شرط کا ذکر نہیں اور دوسری میں شرط کا ذکر ہے، لیکن دونوں میں زمانہ کی تحدید اور تعیین نہیں ہے بلکہ دائمی اور کل وقت مراد ہے۔

- تفویض مشروط مؤقت اور غیر مشروط مؤقت میں زمانہ کا ذکر ہوتا ہے اور زمانہ اور وقت کے ذکر کے مختلف استعمالات کی وجہ سے احکام بھی مختلف ہوتے ہیں۔ جیسے عنقریب ذکر ہو گا، لیکن مکمل بحث کتب فقہ کے باب اضافة الطلاق میں ہے۔

- طلاق کی تفویض کے الفاظ میں اگر زمانہ کا ذکر نہ ہو اور تفویض غیر مشروط ہو تو بیوی کو تفویض کا علم ہو جانے کی پہلی مجلس میں اپنے نفس پر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہو گا، مجلس کے ختم ہونے کے بعد بیوی کو طلاق لینے کا اختیار نہیں رہے گا۔ مثلاً شوہر نے کہا، طلقی نفسک ''تو اپنے نفس کو طلاق دے دے'' یا اختاری ''تجھے طلاق لینے کا اختیار ہے'' یا امرک بیدک ''تیرا امر تیرے اختیار میں ہے'' ان تینوں صورتوں میں بیوی کو تفویض کا علم جس مجلس میں ہو گا کہ مجھے طلاق تفویض کی گئی ہے، اسی مجلس تک اس کو طلاق حاصل کرنے کا اختیار ہو گا، اگر مجلس نکاح اور مجلس علم دونوں ایک ہی ہیں تو مجلس نکاح کے ختم ہونے پر اختیار ختم ہو جائے گا۔

- اگر تفویض مشروط ہو، جب شرط پائی جائے گی، وجود شرط کی پہلی مجلس علم میں بیوی کو طلاق لینے کا اختیار ہو گا، مثلاً شوہر نے بیوی سے کہا، اذا جاء زید طلقی نفسک ''جب زید آ جائے تو اپنے اوپر طلاق واقع کر لو'' جس دن زید آ گیا اور بیوی کو پہلے تفویض مشروط

کا علم تھا، تو زید کے آنے کی پہلی مجلس میں بیوی طلاق لے سکتی ہے، اگر اس مجلس علم میں طلاق نہیں لی تو بعد میں اُسے طلاق لینے کا حق نہیں ہوگا۔

- مشروط یا مطلق تفویض، جس میں زمانے کا ذکر نہ ہو، میں تفویض کی پہلی مجلس تک اختیار کے محدود ہونے سے عام آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ علم کی پہلی مجلس تک اختیار کے محدود ہونے پر اور مجلس کے بدلنے سے اختیار ختم ہونے پر فقہاء کا اجماع بھی ہے اور عقلی دلائل بھی مذکور ہیں، جس کے لیے فقہ کی کتب دیکھی جا سکتی ہیں۔

فائدہ

مجلس نہ بدلنے کا مفہوم یہ ہے کہ مخیّرہ (اختیار دی گئی) اس تفویض کی مجلس میں ایسا کام نہ کرے جو طلاق لینے کے انکار پر دلالت کرتا ہو۔ اگر ایسا عمل کرے گی تو مجلس بدل گئی اور اس کے ہاتھ سے طلاق کا اختیار نکل گیا۔ مثلاً مجلس میں مخیّرہ بیٹھی تھی اور اختیار کا علم ہو جانے کے بعد کھڑی ہو گئی تو مجلس بدل گئی، اختیار ختم ہو گیا۔

- ہمارے زمانہ کے نکاح خواں بے چاروں کی اکثریت جاہل ہوتی ہے یا پھر تفویض طلاق کے مسائل کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ نکاح فارم کے کالم نمبر ۱۸ کے جواب میں "ہاں دیا" کی عبارت لکھ دیتے ہیں، حالانکہ اس عبارت سے بے چاری بیوی کو یا تو طلاق کا حق ہی نہیں ملتا یا پھر وہ حق صرف مجلس نکاح تک ہوتا ہے، کیوں کہ بالفرض تفویض کی عبارت نکاح کے لیے ایجاب وقبول سے پہلے لکھ دی گئی اور شوہر نے ایجاب وقبول کے بعد اس کا اعادہ نہیں کیا تو بیوی کو طلاق کا حق نہیں ملا اور اگر نکاح کی مجلس میں ایجاب وقبول کے بعد تفویض کی عبارت لکھی گئی اور شوہر نے وہ عبارت خود لکھی یا پڑھی اور بیوی کو اسی مجلس میں تفویض کا علم بھی ہو گیا تو بیوی کو صرف اسی مجلس نکاح میں طلاق لینے کا اختیار ہوگا، بعد میں ختم ہو جائے گا اور اگر بعد میں علم ہوا تو علم کی پہلی مجلس میں اختیار ہوگا، بعد میں ختم ہو جائے گا۔

- تفصیل یہ ہے کہ نکاح فارم کے کالم نمبر ۱۸ کی عبارت دو لائنوں میں ہے۔

پہلی لائن: آیا شوہر نے طلاق کا حق بیوی کو تفویض کر دیا ہے.................

دوسری لائن: اگر کر دیا ہے تو کون سی شرائط کے تحت.................

- عام طور پر اکثر مولوی صاحب ایجاب وقبول کرانے سے پہلے پہلی لائن کے جواب

میں لکھ دیتے ہیں، ہاں کر دیا ہے اور دوسری لائن کے جواب میں لکھ دیتے ہیں بغیر کسی شرط کے، حالانکہ مسئلہ یہ ہے کہ نکاح کے انعقاد سے پہلے تفویض طلاق لغو ہوتی ہے، الا یہ کہ تفویض طلاق نکاح یا ملک نکاح کی شرط کے ساتھ معلق ہو۔ چونکہ نکاح ایجاب وقبول سے ہی منعقد ہوتا ہے، نکاح فارم فل کرنے سے اور دستخط کرا لینے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، کیوں کہ نکاح فارم تو معلوماتی فارم ہیں، ان میں ایجاب وقبول کا ذکر نہیں ہے، اس لیے نکاح فارموں پر دستخط کرا لینے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا اور اگر بالفرض نکاح فارموں میں ایجاب وقبول کے الفاظ بھی تحریر ہوتے تب بھی دستخطوں سے نکاح نہ ہوتا، کیوں کہ ہم شرائط نکاح میں ذکر کر چکے ہیں کہ نکاح کے لیے ایجاب وقبول کے الفاظ کا تلفظ شرط ہوتا ہے۔ عاقدین کی طرف سے ایجاب وقبول کی صرف کتابت سے یا دستخطوں سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، لہٰذا صرف فارموں پر دستخط کرنے سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، لہٰذا ایجاب اور قبول سے پہلے جب نکاح ہی نہیں ہے تو کسی دوسرے کو تفویض طلاق اور فسخ نکاح کا اختیار دینا لغو ہے۔

- اور اگر ایجاب وقبول کے بعد تفویض طلاق کے کالم فل کیے گئے مگر شوہر کو علم ہی نہیں کہ مولوی صاحب نے کیا لکھا ہے یا علم کے باوجود اس نے تفویض کے الفاظ نہ دہرائے اور نہ ہی تفویض کے تحریر شدہ الفاظ پر دستخط کیے تو بھی تفویض لغو ہے، کیوں کہ طلاق کی تفویض اور تملیک شوہر کی جانب سے ہوتی ہے اور جب شوہر کو اس کا علم ہی نہیں ہے تو تفویض کیسے ہوگی اور اگر اس کو علم تو ہو گیا تھا کہ تفویض کی عبارت کالم نمبر ۱۸ کے جواب میں لکھ دی گئی ہے لیکن اس نے اس پر دستخط نہیں کیے اور تفویض کے الفاظ بھی نہیں ادا کیے تو تفویض کیسے ہوگی؟

- اور اگر بالفرض کالم نمبر ۱۸ کی سوالیہ عبارت پڑھی گئی اور "شوہر نے ہاں کر دیا ہے" کے لفظ بول دیے یا تحریر شدہ لفظوں پر دستخط کر دیے تو تفویض صحیح ہے، کیوں کہ طلاق اور تفویض طلاق کے لیے تلفظ شرط نہیں ہوتا، کتابت سے بھی طلاق اور تفویض طلاق نافذ ہو جاتی ہے، تلفظ صرف نکاح کے انعقاد کے لیے شرط ہے۔ لیکن ان الفاظ سے بیوی کو صرف ایک طلاق رجعی کا حق حاصل ہوگا اور وہ بھی الفاظ کے تلفظ یا دستخطوں کے بعد اسی وقت اختیار ختم ہو جائے گا جس وقت بیوی کی مجلس بدل گئی، کیوں کہ تفویض غیر مؤقت میں اختیار علم کی پہلی مجلس تک ہوتا ہے۔

فرض کریں مجلس نکاح تک عورت کی مجلس نہیں بدلی تو مجلس نکاح تک اختیار رہا، جب بے چاری شوہر کے گھر کے لیے روانہ ہوئی، وہ اختیار ختم ہو گیا۔ بے چاری بیوی جو تحفظات چاہتی تھی وہ تحفظ

کہاں؟ کیوں کہ دلہن اور اس کے ولی تفویض طلاق کا مطالبہ اس لیے کر رہے تھے کہ جب حالات اس نہج کو پہنچ جائیں گے کہ بیوی کے لیے آزاد ہونا ضروری ہوگا، اس وقت بیوی آزاد ہو سکے، لیکن مذکورہ صورت میں یہ نہیں ہو سکے گا، لہٰذا تفویض طلاق کا صحیح اور مفید طریقہ یہ ہے کہ نکاح خواں حضرات پہلے کالم کے جواب میں شوہر سے درج ذیل الفاظ ایجاب وقبول کے بعد لکھوائیں یا کہلوائیں "میں نے اپنی بیوی کو ہمیشہ کے لیے طلاق بائن کا حق تفویض کر دیا ہے، میری بیوی جب چاہے طلاق بائن حاصل کر کے آزاد ہو جائے" اور اگر تفویض مشروط ہو تو شرط کے ذکر کے بعد مذکورہ الفاظ لکھیں، مثلاً "اگر میں نے بیوی کو نفقہ نہ دیا تو میری بیوی کو ہمیشہ طلاق بائن......الخ"

اب مذکورہ الفاظ کی صورت میں بیوی کو یہ حق حاصل ہوگا کہ جب حالات خراب ہوں گے وہ طلاق بائن غیر مغلظ لے کر آزاد ہو جائے۔

تنبیہ

شوہر کو چاہیے کہ بیوی کو تین طلاق کا حق تفویض نہ کرے اور بیوی کے لیے بھی مناسب ہے کہ وہ تین طلاق کا حق نہ مانگے، کیوں کہ تین طلاق کے واقع کرنے سے بیوی کو طلاق بائن مغلظ ہو جائے گی اور مصالحت کا امکان باقی نہیں رہے گا اور طلاق بائن غیر مغلظ میں تجدید نکاح سے مصالحت کا امکان باقی رہتا ہے اور تین طلاقوں کے بعد مصالحت کا امکان بغیر تحلیل شرعی کے نہیں رہتا۔ یاد رکھیں ایجاب وقبول کے بولنے اور تلفظ کے بغیر ان لوگوں کا نکاح منعقد نہیں ہوتا جو گونگے نہیں ہیں، یعنی صرف ایجاب اور قبول کی کتابت یا دستخطوں سے بھی نکاح منعقد نہیں ہوتا، لہٰذا مروجہ نکاح فارموں کے کالم فل کر کے صرف دستخطوں سے شرعاً نکاح منعقد نہیں ہوگا، ایجاب وقبول کے الفاظ کا تلفظ نکاح کے انعقاد کے لیے ضروری ہے اور تفویض طلاق کا انعقاد نکاح کے بعد ہو سکتا ہے۔ باقی رہا نکاح بالخط کا مسئلہ تو ہم اس کا طریقہ پہلے ذکر چکے ہیں۔ خط کے ذریعہ نکاح اس قبیل سے نہیں ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ اس مسئلہ کی باریکی کو واضح کرنے کے لیے درمختار اور بحر الرائق میں مذکور دو فرضی مسائل کا ذکر ضروری ہے تا کہ آپ کے لیے درج بالا تفصیل واضح ہو جائے۔

- پہلا مسئلہ یہ ہے کہ زوج نے ہونے والی بیوی سے نکاح سے پہلے کہا، میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں اس شرط پر کہ تجھے اپنے نفس کو طلاق بائن دینے کا اختیار ہوگا، جب چاہے طلاق حاصل کر لینا۔ بیوی نے کہا، مجھے قبول ہے، تو بیوی کو اپنی ذات کو طلاق دے کر آزاد کرنے کا

حق حاصل نہیں ہوگا۔

● دوسرا مسئلہ یہ کہ عورت نے یہی الفاظ کہے، مثلاً عورت نے مرد سے کہا، میں نے تجھ سے نکاح کیا اس شرط پر کہ مجھے طلاق بائن دینے کا اختیار ہوگا، جب چاہوں طلاق دے سکوں۔ شوہر نے کہا، مجھے قبول ہے، تو عورت کو اپنی ذات کو طلاق بائن دینے کا حق حاصل ہو جائے گا۔ دونوں مسائل میں عبارتیں ایک جیسی ہیں، لیکن پہلی عبارت میں شوہر کی جانب سے ایجاب ہے اور دوسری عبارت میں بیوی کی جانب سے ایجاب ہے۔

وجہ فرق یہ ہے کہ پہلے مسئلہ میں شوہر کی طرف سے ایجاب کے ساتھ تفویض طلاق کا بھی ذکر ہے، جب کہ ابھی تک نکاح منعقد نہیں ہوا، کیوں کہ نکاح کا دوسرا رکن قبول ابھی تک نہیں پایا گیا، لہٰذا شوہر کی جانب سے انعقاد نکاح سے پہلے تفویض طلاق کا ذکر لغو ہے۔ جب عورت نے کہا مجھے قبول ہے تو نکاح تو منعقد ہو جائے گا لیکن تفویض طلاق نہیں ہوگی، اگرچہ عورت کے جواب میں تفویض کے الفاظ کا اعادہ قبول کے بعد ہوگا، کیوں کہ جو عبارت سوال میں ہوتی ہے جواب میں اس کا اعادہ ہوتا ہے، لیکن بیوی کی طرف سے تفویض کے الفاظ لغو ہوتے ہیں، وہ تفویض کا حق نہیں رکھتی، لہٰذا اس کی جانب سے تفویض کے الفاظ معتبر نہیں ہوں گے اور دوسرے مسئلہ میں ایجاب کے الفاظ عورت کی طرف سے ہیں اور ساتھ ہی تفویض کے الفاظ کا ذکر ہے، جب شوہر نے کہا مجھے قبول ہے، تو نکاح منعقد ہو گیا اور شوہر کے جواب میں تفویض کے الفاظ کا اعادہ بھی ہو گیا، اگرچہ تفویض کے الفاظ کا ذکر عورت کی جانب سے ایجاب کی عبارت میں تھا، کیوں کہ ایجاب کے جواب میں قبول اسی عبارت پر شامل ہوتا ہے جس کا ذکر ایجاب میں ہو، گویا قبول کے بعد شوہر نے تفویض کے وہی لفظ دہرائے جو عورت نے ذکر کیے تھے، تفویض کے الفاظ شوہر کی جانب سے نکاح کے انعقاد بعد ہونے کی وجہ سے معتبر ہوں گے اور بیوی کو طلاق کا حق حاصل ہو جائے گا۔ ان دو مسئلوں سے واضح ہو گیا کہ تفویض کے الفاظ کا اعتبار اس وقت ہوگا جب ایجاب اور قبول سے نکاح منعقد ہو چکا ہوگا۔

● دوبارہ گزارش ہے، ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ اگر تفویض کے الفاظ میں وقت کا ذکر نہ ہو تو تفویض سے بیوی کو تفویض کا علم ہو جانے کی مجلس قائم رہنے تک طلاق کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ اگر مجلس علم میں عورت نے طلاق کا حق استعمال نہیں کیا، مثلاً علم ہونے کے بعد عورت

نے مجلس بدل لی، مثلاً بیٹھی تھی اور کھڑی ہوگئی یا چلی گئی یا علم ہو جانے کی مجلس میں بیٹھنے کی حالت میں عورت نے ایسا کام یا کلام شروع کر دیا جس سے طلاق اختیار کرنے سے اعراض کا پتہ چلتا ہے تو اب عورت کو طلاق کا اختیار نہیں رہے گا۔ اگر مجلس علم اور مجلس تفویض دونوں ایک ہوں، جس طرح اکثر ہوتا رہتا ہے تو صرف مجلس تفویض میں بے چاری عورت کو اختیار حاصل ہوگا اور اگر نکاح پہلے کسی مجلس میں ہو چکا ہو اور تفویض طلاق کا علم ہونے کی مجلس بعد میں ہو یا تفویض ہی کسی بعد کی مجلس میں ہو تو اسی مجلس میں موصوفہ کو اختیار رہے گا جس میں موصوفہ کو طلاق کا حق ملنے کا علم حاصل ہوا، اختتام مجلس کے بعد اختیار نہیں رہے گا۔

عام طور پر اہل علم حضرات بھی تفویض غیر مؤقت، جس میں وقت کا ذکر نہ ہو، کو تفویض عمری (جب چاہے عورت طلاق دے سکے) سمجھتے ہیں اور ہمارے معاصر بعض علماء کو غلط فہمی اس لیے ہوئی کہ چونکہ فریقین کے درمیان تفویض کا معاملہ اس لیے ہوتا ہے کہ عورت اپنی مرضی سے جب چاہے آزاد ہو سکے، شوہر، بیوی اور ان کے اقرباء بھی یہی سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ تفویض مطلق جس میں وقت کا ذکر نہیں ہے، میں عورت کو ہمیشہ کے لیے طلاق کا حق حاصل ہو جاتا ہے، اس لیے علماء نے سمجھا کہ تفویض غیر مؤقت میں دائمی اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ کتب فقہ میں مذکور ہے کہ ایک تو فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ تفویض غیر مؤقت میں مخیّرہ کو صرف مجلس علم میں اختیار ہوتا ہے، دوم یہ کہ تفویض میں طلاق کی تملیک ہوتی ہے اور تملیکات میں مجلس کے اندر جواب دینا ضروری ہوتا ہے، جب مجلس ختم ہو جائے یا بدل جائے اور اس کا جواب پہلی مجلس میں نہ دیا جائے تو تملیک باطل ہو جاتی ہے اور تملیک کی مجلس کے بعد جواب دینا لغو ہو جاتا ہے، مثلاً بائع نے کہا، بِعْتُ یعنی میں نے فلاں چیز کو فروخت کیا، اگر مشتری نے اس مجلس میں جواب نہیں دیا اور مجلس چھوڑ کر چلا گیا تو بائع کا بِعْتُ (میں نے فروخت کیا) کہنا باطل ہو گیا۔ مجلس کے بعد اگر مشتری واپس آ کر کہے، میں نے خرید کر لیا تو بیع منعقد نہیں ہوگی، اسی طرح تملیک طلاق بھی مجلس علم میں جواب نہ ہونے سے باطل ہو جاتی ہے اور بعض علماء کو غلط فہمی یہ ہوتی ہے کہ چونکہ کسی خاص وقت کا غیر مؤقت تفویض میں ذکر نہیں ہوتا اس لیے کل وقت اور دائمی وقت مراد ہے، حالانکہ کل وقت اور دائمی وقت کے لیے تفویض تب ہوتی ہے جب تفویض میں صراحت کے ساتھ ایسے الفاظ مذکور ہوں جن کی وقت کے عموم پر دلالت ہو، جیسے مَتٰی شِئْتِ وغیرہ میں ہے۔

● تفویض مطلق کے مسئلہ میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اگر چہ دائمی وقت کے الفاظ ذکر نہیں کیے لیکن ہماری نیت یہی تھی کہ ہمیشہ کے لیے موصوفہ کو اختیار ہوگا، بلکہ شوہر بھی کہتا ہے میری نیت ہمیشہ کے لیے اختیار دینا تھا، اُن سے گزارش ہے کہ صرف نیت کر لینے سے دائمی وقت کے لیے تفویض کا مراد ہونا شرعاً باطل اور غیر معتبر ہے۔ نیز یہ بھی غلط فہمی ہوتی ہے کہ تفویض طلاق میں یہ سمجھ لیا جائے کہ فارم کے کالم نمبر ۱۸ کے جواب میں صرف ''ہاں دیا'' لکھ دینے سے عورت کو طلاق بائن کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے، حالانکہ بائن طلاق کا اختیار اس وقت ہوتا ہے جب تفویض بھی طلاق بائن کی ہو یا کنائی طلاق کی ہو، ورنہ صریح طلاق کے ساتھ تفویض سے عورت کو صرف طلاق رجعی کا حق حاصل ہوتا ہے۔ طلاق بائن یا طلاق مغلظہ کا عورت کو اس وقت حق حاصل ہوگا جب صراحت کے ساتھ طلاق بائن یا کنائی الفاظ یا طلاق مغلظہ ثلاثہ کا تفویض کے الفاظ میں ذکر موجود ہو، کیوں کہ فارم کے کالم نمبر ۱۸ کی سوالیہ عبارت میں طلاق صریح کا ذکر ہے، لہٰذا ''ہاں دیا'' لکھنے یا کہنے سے طلاق رجعی کا اختیار ہوگا۔

نکاح خواں حضرات کے لیے خصوصی ہدایت

مروج نکاح فارموں کے کالم نمبر ۱۸ کی سوالیہ عبارت کے جواب میں (ایجاب اور قبول سے نکاح منعقد ہو جانے کے بعد) اگر تفویض طلاق میں شوہر دلہن کا مطالبہ تسلیم کرتا ہے تو شوہر سے درج ذیل عبارت لکھوائیں یا دستخط کروائیں ''ہاں! شوہر اپنی منکوحہ فلانہ بنت فلاں کو طلاق بائن کا حق تفویض کرتا ہے، منکوحہ جب چاہے طلاق بائن لے سکتی ہے'' اور اگر تفویض مشروط ہو تو یوں عبارت ہونی چاہیے، مثلاً ''ہاں! نان ونفقہ نہ دینے یا مار پٹائی کی حالت کے بعد شوہر اپنی منکوحہ فلانہ بنت فلاں کو طلاق بائن کا حق تفویض کرتا ہے، منکوحہ عدم ادائیگی نان ونفقہ یا مار پٹائی کی حالت کے بعد جب چاہے طلاق بائن حاصل کر سکتی ہے''۔

● ہم نے طلاق کی تفویض کے وقت بائن طلاق کے لکھنے کا مشورہ دیا ہے اور رجعی اور مغلظہ تین طلاق کے لکھنے کا مشورہ نہیں دیا، کیوں کہ بائن طلاق سے نکاح ختم ہو جاتا ہے، اس سے بیوی کو فائدہ ہوگا کہ وہ آزاد ہو جائے گی اور پھر صلح ہو سکے گی اور رجعی طلاق سے یعنی ایک یا دو صریح طلاق سے عدت تک نکاح ختم نہیں ہوگا، اگر شوہر عدت میں رجوع کر لے تو نکاح باقی رہے گا، اس میں بیوی کو کوئی فائدہ نہیں، وہ آزاد نہیں ہو سکے گی اور طلاق مغلظہ یعنی تین طلاق سے

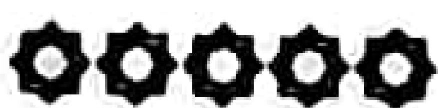
تجدید نکاح بغیر تحلیل شرعی بھی نہیں ہوسکتا، اس سے دوبارہ مصالحت کا امکان مشکل ہو جاتا ہے، اس لیے درمیانہ راستہ اختیار کیا جائے کہ ایسی تفویض ہونی چاہیے جس میں نکاح ختم ہو سکے اور تجدید نکاح سے دوبارہ صلح بھی ہو سکے اور یہ تب ہوگا کہ طلاق بائن کی تفویض ہو۔ اگر طلاق رجعی کی تفویض ہوگی تو بیوی کے طلاق اختیار کر لینے کے بعد عدت میں شوہر رجوع کر لے گا، بیوی کا مقصد شوہر سے آزاد ہونا تھا، وہ حاصل نہیں ہوگا اور اگر طلاق مغلظہ کی تفویض ہوگی تو اگر بیوی تین طلاق حسب تفویض اپنے اوپر واقع کر لے تو آئندہ بغیر تحلیل شرعی دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکے گا۔

حالانکہ بعض حالات میں زوجین دوبارہ صلح کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، اس لیے نکاح خواں حضرات کے لیے ہمارا مشورہ یہ ہے کہ نکاح فارم کے کالم نمبر ۱۸ کے جواب میں شوہر سے طلاق بائن کی تفویض لکھوائیں اور ساتھ ہی "بیوی جب چاہے طلاق واقع کر لے" جیسی عبارت ضرور لکھوائیں، کیوں کہ بیوی کو "جب چاہے" کی عبارت کے بغیر طلاق کا اختیار صرف تفویض طلاق کے علم ہو جانے کی پہلی مجلس میں ہوگا، بعد میں اختیار نہیں رہے گا۔ حالانکہ دلہن اور اس کے وارث تفویض کا مطالبہ اس لیے کر رہے تھے کہ نامساعد حالات میں بیوی کی گلو خلاصی ہو سکے، لیکن جب چاہے جیسے لفظوں کے نہ ہونے سے وہ گلو خلاصی حاصل نہیں کر سکے گی۔

لہٰذا نکاح خواں حضرات کے لیے مناسب ہے کہ وہ شوہر سے نکاح فارم کے کالم نمبر ۱۸ کے جواب میں خطبہ اور ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد درج ذیل عبارت یا اس جیسی کوئی عبارت لکھوائیں یا کہلوائیں کہ میں فلاں بن فلاں نے اپنی بیوی مسماۃ فلانہ بنت فلاں کو ہمیشہ کے لیے طلاق بائن کا مالک بنا دیا ہے، میری بیوی جب چاہے طلاق بائن اختیار کر کے آزاد ہو جائے۔

تفویض اگر مذکورہ الفاظ کے ساتھ ہوگی تو بیوی نامساعد حالات میں جب چاہے گی طلاق بائن اختیار کر کے شوہر سے آزاد ہو جائے گی اور اگر دوبارہ ازدواجی زندگی گزارنے کے لیے مصالحت ہو گئی ہے تو بغیر تحلیل شرعی، عدت میں یا عدت کے بعد سابق شوہر سے کم از کم دو مرد گواہوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول سے نکاح کر لینے کے بعد فریقین میاں اور بیوی کی حیثیت سے زندگی کا سفر جاری رکھ سکیں گے۔

[جاری ہے]



دوسری قسط

تفویض طلاق کا بیان

مولانا مفتی محمد رفیق الحسنی

- اگر طلاق کی تفویض مشروط اور معلق بالشرط کرانا مقصود ہو تو شرط کے ذکر کے ساتھ طلاق بائن کا ذکر ہونا چاہیے اور دائمی وقت کا مذکور ہونا یا ملفوظ ہونا ضروری ہے، مثلاً لکھا جائے اگر میں فلاں ابن فلاں نے اپنی مسماۃ فلانہ بنت فلان کو زدوکوب کیا تو میری بیوی کو ہمیشہ کے لیے طلاق بائن لینے کا حق ہوگا۔
- تفویض غیر مشروط مطلق/ غیر موٴقت میں اگر بیوی اسی تفویض کی مجلس میں شوہر کو اختیار کر کے طلاق کا حاصل شدہ حق رد کر دے تو دوبارہ اسی مجلس میں بھی اس کو طلاق کا حق نہیں رہے گا۔
- تفویض مشروط یا معلق بالشرط غیر موٴقت سے مراد یہ ہے کہ تفویض کے الفاظ میں تفویض کو کسی شرط کے ساتھ معلق کیا گیا ہو اور اس تفویض میں زمانے کا ذکر نہ ہو، مثلاً شوہر بیوی سے کہتا ہے، اگر میں نے تجھے مارا تو تجھے طلاق بائن کا اختیار ہوگا یا اس طرح کہتا ہے کہ اگر میں نے تیرے بعد دوسرا نکاح کیا تو تجھے طلاق بائن کا اختیار ہوگا۔
- تفویض مشروط یا معلق بالشرط غیر موٴقت کا حکم یہ ہے کہ شرط کے پائے جانے کے وقت کی مجلس میں بیوی کو طلاق حاصل کر کے آزاد ہونے کا اختیار ہوگا۔ مجلس کے بدل جانے یا ختم ہونے کے بعد اختیار نہیں ہوگا، کیوں کہ تفویض مشروط جس میں وقت کا ذکر نہ ہو، شرط کے پائے جانے کے وقت مرسل اور غیر مشروط تفویض کے حکم میں ہوتی ہے۔

مثلاً مذکورہ مثالوں سے پہلی مثال میں شوہر کے مارنے کی مجلس میں عورت کو طلاق لے کر آزاد ہونے کا اختیار حاصل ہوگا۔ اگر مضروب ہونے کی مجلس میں بیوی نے طلاق نہیں لی تو اس کا اختیار ختم ہوگیا، اسے دوسری مجلس میں طلاق لینے کا اختیار نہیں ہوگا۔

دوسری مثال میں دوسرا نکاح کرنے کے وقت کی مجلس میں یا دوسرے نکاح کا علم ہو جانے کی مجلس میں پہلی بیوی کو آزاد ہونے کا اختیار حاصل ہوگا، اس مجلس کے بعد اختیار ختم ہو جائے گا، کیوں کہ مشروط تفویض میں جب وقت کا ذکر نہ ہو تو وجود شرط کے وقت ہی تملیک اور تفویض ہوتی ہے، لہٰذا وجود شرط کی مجلس کا اعتبار ہوتا ہے اور بیوی کو وجود شرط کی مجلس میں تفویض کا علم ہو جائے یا شرط کے موجود ہونے کے بعد کسی دوسری مجلس میں بیوی کو مشروط تفویض اور شرط کے موجود ہونے کا علم ہو جائے تو علم ہو جانے کی مجلس میں بیوی کو طلاق کا اختیار رہوگا۔

● تفویض مشروط یا معلق بالشرط مؤقت سے مراد یہ ہے کہ تفویض کے الفاظ میں تفویض کو کسی شرط کے ساتھ مقید کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ کسی وقت معین یا دائمی کا بھی ذکر ہو۔ وقت معین کی مثال جیسے شوہر بیوی سے کہتا ہے، اگر میری طرف سے تجھے تکلیف پہنچی تو تجھے ایک ماہ تک طلاق بائن کا اختیار رہوگا اور وقت غیر معین دائمی کی مثال جیسے کوئی شخص بیوی سے کہتا ہے، اگر میں نے تیرے علاوہ دوسری بیوی رکھی تو جب چاہے طلاق بائن لے لینا۔ وقت معین اور غیر معین کی تقسیم کی وجہ سے تفویض معلق بالشرط مؤقت کے دو قسم ہو گئے، تفویض معلق مؤقت بالوقت المعین اور بالوقت الغیر المعین جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔

فائدہ

تفویض مؤقت جس میں وقت کا ذکر مطلق ہو یعنی جس میں وقت کے سوا کسی دوسری شرط کا ذکر نہ ہو یا معلق بالشرط ہو، دونوں صورتوں میں بیوی کو ذکر شدہ وقت میں آزاد ہونے کا اختیار ہو گا، اگر دائمی وقت مذکور ہوگا تو انتہائے وقت تک اختیار رہے گا اور اگر دائمی وقت مذکور نہیں ہوگا تو وقت کے شروع ہونے کے پہلے حصہ میں اختیار ہوگا، بعد میں اختیار ختم ہو جائے گا۔

مثلاً کسی نے کہا، تجھے طلاق کا اس دن میں اختیار رہوگا جس دن زید گھر آئے گا، یہاں دن سے مراد مطلق وقت، دن اور رات کو شامل ہے، لہٰذا جس دن یا رات زید واپس آیا، اس وقت کی پہلی جزء میں عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا، بعد میں اختیار نہیں رہے گا، کیوں کہ دن سے مراد استیعاب اور پورا وقت مراد نہیں ہے۔[عالم گیری]

لغت عرب کے عرف کے مطابق اگر زمانہ اور وقت حرف "فی" کا مدخول ہو اور فعل کے حق میں وقت متجزی ہو سکتا ہو تو زمانہ اور وقت سے وقت کا ایک مبہم غیر معین جزء مراد ہوتا ہے، استیعاب اور کل وقت مراد نہیں ہوتا اور اگر زمانہ اور وقت کا استعمال حرف "فی" کے بغیر ہو تو وقت سے کل وقت اور استیعاب مراد ہوتا ہے، مثلاً و اللّٰہ لاصومن عمری "اللہ کی قسم عمر بھر روزہ رکھوں گا" اور و اللّٰہ لاصومن فی عمری "اللہ کی قسم اپنی عمر میں روزہ رکھوں گا" اور ان صمت شہرا فَعَبْدِیْ حر "اگر میں نے پورا مہینہ روزہ رکھا، میرا عبد آزاد ہوگا اور ان صمت فی ھذا الشھر فعبدی حر "اگر میں نے اس مہینہ میں روزہ رکھا تو میرا عبد آزاد ہوگا"۔

و اللّٰہ لاصومن عمری سے کل عمر مراد ہے، کیوں کہ حرف فی مذکور نہیں ہے۔ اگر ساری عمر روزے نہیں رکھے گا تو حانث ہو جائے گا اور فی عمری میں حرف فی مذکور ہے، اس لیے عمر کے کسی حصہ میں روزہ رکھنے سے حالف قسم سے بری ہو جائے گا۔ اسی طرح ان صمت شھرا میں پورا مہینہ مراد ہے اور ان صمت فی ھذا الشھر میں ایک دن روزہ رکھنے سے عبد آزاد ہو جائے گا۔ اسی طرح سرت فرسخا "ایک فرسخ چلا" اور سرت فی فرسخ "میں ایک فرسخ میں چلا" میں فرق ہے۔ پہلی صورت میں استیعاب اور کل فرسخ مراد ہے، کیوں کہ حرف فی مذکور نہیں ہے اور دوسری صورت میں فرسخ کا کوئی ایک جزء مراد ہے، کیوں کہ اس میں حرف فی مذکور ہے۔ چونکہ طلاق اور تفویض طلاق کے حق میں زمانہ متجزی ہوتا ہے، اس لیے طلاق اور تفویض طلاق میں اگر وقت کا ذکر حرف فی کے بغیر ہے تو کل زمانہ بالاستیعاب مراد ہوگا اور اگر حرف فی کا مدخول ہے تو وقت کی کوئی ایک جزء مراد ہوگی، اسی ضابطہ کی بنیاد پر عالم گیری کی عبارت ملاحظہ ہو:

ان کان امرک بیدک یوماً او شھراً او سنۃ او قال الیوم او الشھر او السنۃ او قال ھذا الیوم او ھذا الشھر او ھذا السنۃ لا یتقید بالمجلس و لھا الامر فی الوقت کلہ---[عالم گیری، مکتبہ ماجدیہ، جلدا، صفحہ۳۹۲]

"اگر شوہر نے بیوی سے کہا تیرا امر تیرے ہاتھ ہے، ایک دن یا ایک ماہ یا ایک سال یا یوں کہا، اس دن یا اس ماہ یا اس سال، تو یہ تفویض مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوگی اور بیوی کے لیے سارے وقت میں اختیار ہے، مذکورہ عبارت میں دن یا مہینا یا سال کے ذکر میں حرف فی کا واسطہ نہیں ہے، اس لیے کل وقت مراد ہے"---

پھر فرمایا:

و لو قال امرک بیدک فی هذا الیوم فهو علی مجلسها و هو صحیح موافق لقوله انت طالق غدا او انت طالق فی الغد کذا فی محیط السرخسی---[جلد۱، صفحہ۲۹۳]

''اور اگر شوہر نے بیوی سے کہا تیرا امر اس دن میں تیرے ہاتھ ہے، پس یہ عورت کی مجلس پر منحصر ہوگا اور یہی صحیح اور موافق ہے اس کے قول انت طالق غداً اور انت طالق فی الغد کے، اسی طرح امام سرخسی کی محیط میں ہے''---

چونکہ مذکورہ عبارت میں زمانے کا استعمال فی کے واسطہ سے ہے، اس لیے یہاں کل وقت مراد نہیں ہوگا بلکہ دن کا کوئی ایک حصہ مراد ہوگا اور تفویض کے لیے علم کی پہلی مجلس ہی معین ہوگی اور طلاق حاصل کرنے کا اختیار اسی مجلس علم تک ہوگا۔

- اگر بالفرض تفویض میں شرط کے طور پر زمانہ ذکر کیا جائے، مثلاً کہا جائے:

اذا جاء الغد فامرک بیدک یا اذا جاء شعبان فامرک بیدک---

''جب کل ہوگی، تیرا امر تیرے ہاتھ ہوگا یا جب شعبان آئے گا، تیرا امر تیرے ہاتھ ہوگا''---

ایسی تفویض کو بھی معلق بالشرط اور مؤقت کہہ سکتے ہیں، یہاں بھی مفتی بہ قول کے مطابق غد اور شعبان کی پہلی جزء میں خیار ہوگا، غد کی آخری جزء اور شعبان کی آخر جزء تک اختیار باقی نہیں رہے گا، اگر مخیّرہ نے ذکر شدہ زمانہ کی پہلی جزء میں طلاق واقع کرلی تو طلاق واقع ہوجائے گی، بعد میں واقع نہیں ہوگی۔ اسی طرح انت طالق غدا میں صبح ہوتے ہی پہلی جزء میں طلاق واقع ہو جائے گی، یہی قول مختار ہے۔

- اگر بالفرض تفویض میں زمانے کی انتہا کا ذکر ہو، تفویض مشروط ہو یا غیر مشروط ہو، زمانے کی انتہا تک مخیّرہ کو طلاق حاصل کرنے کا حق ہوگا، مثلاً شوہر کہتا ہے، امرک بیدک الی ثلثة ایام ''تیرا امر تیرے ہاتھ تین دن تک ہے'' تو بیوی کو تین دن تک طلاق حاصل کرنے کا اختیار ہوگا۔

تنبیه

حرف الی کا مدخول کبھی خارج ہوتا ہے اور کبھی داخل، اس لیے ہر زبان میں اسی زبان کا عرف مراد ہوگا، مثلاً اگر کوئی شخص بیوی سے کہتا ہے تجھے طلاق کا اختیار دیتا ہوں آج رات تک، تو

رات خارج ہوگی، اختیار صرف دن میں ہوگا، اگر کوئی شخص رمضان میں کہتا ہے، تجھے طلاق کا اختیار ہے عید تک، تو عید کا دن خارج ہوگا، عید کے دن سے پہلے ایام میں اختیار ہوگا، اگر عرف اسی طرح ہے، اگر عرف بالعکس ہے تو حکم بالعکس ہوگا۔

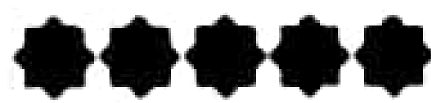
● اگر تفویض مشروط یا غیر مشروط میں کل وقت اور دائمی تفویض کا ذکر ہو جس کو ہم نے تفویض مؤقت عام کا نام دیا ہے، ایسی صورت میں مخیّرہ کو ہمیشہ طلاق حاصل کرنے کا اختیار ہوگا، مشروط تفویض میں وجود شرط کے وقت دائمی اختیار ہوگا اور غیر مشروط میں ہر وقت دائمی اختیار ہوگا، مثلاً تفویض مشروط میں شوہر کہتا ہے اذا مرض زید فامرک بیدک متی شئت" جب زید مریض ہوگا، تیرا امر تیرے ہاتھ ہوگا، جب تو چاہے" یہاں حالت مرض کے جمیع اوقات میں مخیّرہ کو اختیار حاصل ہوگا اور تفویض غیر مشروط میں اگر شوہر کہتا ہے امرک بیدک متی شئتِ، تو اس میں ہمیشہ موصوفہ کو اختیار حاصل رہے گا۔

فائدہ

تفویض مؤقت میں اگر پورا وقت مراد ہو اور عورت حاصل کردہ اختیار کو وقت ختم ہونے سے پہلے رد کردے، یہ کہ شوہر کو اختیار کرلے اور طلاق کو رد کردے تو پھر انتہا وقت تک دوبارہ بیوی کو طلاق حاصل کرنے کا اختیار نہیں رہے گا۔ [عالم گیری]

مثلاً شوہر نے ایک ماہ تک بیوی کو طلاق سے آزاد ہونے کا حق تفویض کیا تھا لیکن دوسرے تیسرے دن بیوی کہتی ہے، میں طلاق کے اختیار کو رد کرتی ہوں اور شوہر کو اختیار کرتی ہوں، تو طلاق کا اختیار مردود اور ختم ہوجائے گا۔ مساۃ کو دوبارہ ایک ماہ کے اندر طلاق لینے کا حق باقی نہیں رہے گا اور اسی طرح اگر تفویض میں وقت کا ذکر نہیں تھا یا وقت سے مراد پورا وقت مراد نہیں تھا اور عورت نے مجلس اختیار میں اختیار کو رد کردیا اور کہہ دیا کہ میں طلاق کا حق واپس کرتی ہوں اور شوہر کو اختیار کرتی ہوں، تو بیوی کو دوبارہ طلاق کا حق نہیں رہے گا۔ [شامی]

[جاری ہے]



تیسری و آخری قسط

تفویض طلاق کے ضروری مسائل

مولانا مفتی محمد رفیق الحسنی

مسئلہ: ایک شخص نے بیوی سے کہا اگر میں نے تیرا نفقہ تجھے اس ماہ نہ بھیجا تو تجھے طلاق بائن کا اختیار ہوگا۔ شوہر نے اسی ماہ کسی آدمی کے ہاتھ بیوی کو نفقہ بھیجا لیکن نفقہ پہنچنے سے پہلے لے کر جانے والے آدمی کے ہاتھ سے وہ نفقہ ضائع ہوگیا تو بیوی کو طلاق کا اختیار حاصل نہیں ہوگا، کیوں کہ شوہر نے حسب وعدہ نفقہ بھیج دیا تھا۔

مسئلہ: اگر بیوی کو خوف ہے کہ میرا شوہر نکاح ہو جانے کے بعد طلاق کا اختیار نہیں دے گا تو بیوی ایجاب کے لفظوں سے اس طرح ابتداء کرے کہ میں نے بمعاوضہ مہر مبلغ اتنا اتنا تجھ سے نکاح کیا اس شرط کے ساتھ کہ مجھے اپنے نفس کو طلاق بائن دینے کا حق ہوگا، جب میں چاہوں گی، اپنے نفس کو طلاق بائن دے کر آزاد ہو جاؤں گی۔ شوہر کہے، میں نے یہ نکاح بمع شرائط قبول کیا۔ اگر لڑکی کے نکاح کا وکیل ایجاب کے لفظ کہہ رہا ہے تو وکیل کہے، میں نے اپنی مؤکلہ فلانہ بنت فلاں کا نکاح بمعاوضہ مہر مبلغ اتنا اتنا تجھ سے کر دیا اس شرط کے ساتھ کہ میری مؤکلہ کو اپنے نفس کو جب چاہے طلاق بائن دینے کا حق ہوگا۔ شوہر کہے، میں نے یہ نکاح بمع شرائط قبول کیا۔ درج بالا الفاظ کے ساتھ ایجاب و قبول کرنے سے بیوی کو ہمیشہ کے لیے آزاد ہونے کا حق حاصل ہو جائے گا۔ اگر انہی الفاظ سے شوہر ایجاب کی ابتداء کرے

اور بیوی قبول کرے تو بیوی کو طلاق کا اختیار حاصل نہ ہوگا، اس کی وجہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

فائدہ

تحلیل شرعی میں مبتلی خاتون ذکر کردہ طریقہ سے زوج ثانی کے ساتھ نکاح کر لینے کے بعد محلل (زوج ثانی) سے اس کی رضا کے بغیر آزاد ہو سکتی ہے۔ یعنی مذکورہ شرط کے ساتھ ایجاب کی ابتداء اگر لڑکی کی جانب سے ہو۔

مسئلہ: تفویض طلاق میں شوہر کی جانب سے طلاق کی تملیک ہوتی ہے لیکن یہ تملیک دیگر تملیکات سے بعض وجوہ سے مختلف ہے۔ اول یہ کہ اگر بیوی مجلس تفویض سے غائب ہو تو مجلس کے ختم ہونے سے تملیک ختم نہیں ہوتی بلکہ بیوی کو جس مجلس میں تفویض کا علم حاصل ہوگا اس مجلس میں بیوی کو طلاق کا اختیار رہوگا۔ لیکن بیع و شرائط کی وجہ سے تملیک اور دیگر تملیکات میں مجلس ختم ہوتے ہی تملیک منسوخ اور ختم ہو جاتی ہیں۔ مثلاً اگر خریدار نے مجلس ختم ہونے کے بعد قبول کیا تو بیع منعقد نہیں ہوگی۔ دوم طلاق کی تملیک میں بیوی کی جانب سے قبول کرنا شرط نہیں ہے بلکہ شوہر کی تفویض سے تملیک مکمل ہو جائے گی، طَلِّقِیْ نَفْسَکِ کے جواب میں بیوی کا قَبِلْتُ کہنا ضروری نہیں ہے، جب کہ دیگر تملیکات میں ایسا نہیں ہوتا، دوسرے فریق کا قبول کرنا شرط ہوتا ہے۔

مسئلہ: تفویض میں چونکہ شوہر کی جانب سے تملیک مکمل ہو جاتی ہے، فریق ثانی یا بیوی قبول کرے یا نہ کرے اور معنی اور مفہوم کے اعتبار سے تفویض میں تملیک کے علاوہ شرط کے ساتھ تعلیق بھی ہوتی ہے کہ اگر تو چاہے تو طلاق کو اختیار کر لے، گویا تفویض کی عبارت میں تملیک اور تعلیق دونوں موجود ہوتی ہیں، اس لیے تملیک کے اعتبار سے تفویض مجلس تفویض یا مجلس علم تک محدود ہوگی اور تعلیق کے اعتبار سے تملیک سے رجوع نہیں ہو سکے گا، کیوں کہ تعلیقات میں رجوع نہیں ہو سکتا، لہٰذا وہ تفویض طلاق جس میں وقت کا ذکر نہ ہو اس میں مجلس تک عورت کو اختیار ہوگا اور شوہر تفویض سے رجوع نہیں کر سکے گا، یعنی الفاظ واپس لینے سے تفویض باطل نہیں ہوگی، بلکہ تفویض قائم اور باقی رہے گی۔

مسئلہ: اگر تفویض کے الفاظ مثلاً تو اپنے نفس کو طلاق دے کی عبارت مشیت اور ارادہ اور محبت اور رضا جیسے الفاظ کے ساتھ اذا یا اذا ما یا متی شِئتِ وغیرہ کا ذکر ہو تو ان میں دوام اور عموم وقت مراد ہوتا ہے، مثلاً جب تو چاہے، جب تیرا ارادہ ہو، طلاق لینے کا تجھے

اختیار ہوگا۔ جب تو پسند کرے، جب تیری رضا ہو، میں بیوی کو ہمیشہ کے لیے طلاق لینے کا اختیار حاصل ہو جائے گا۔[بحرالرائق]

مسئلہ: تملیک اور توکیل میں ایک فرق یہ ہوتا ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو طلاق تفویض کرے تو یہ ہمیشہ تملیک ہوگی توکیل نہیں ہوگی، کیوں کہ تفویض کے بعد بیوی اپنے لیے طلاق میں تصرف کی مالکہ ہو جاتی ہے، اپنے لیے وکیل نہیں بن سکتی، وکیل وہ ہوتا ہے جو دوسرے کے لیے دوسرے کی اجازت سے تصرف کرے، اپنے لیے عمل نہ کرے اور اگر شوہر بیوی کے علاوہ کسی دوسرے آدمی کو اپنی بیوی کی طلاق کا حق تفویض کرتا ہے اور تفویض کی عبارت میں جب تو چاہے جیسی عموم پر دلالت کرنے والی عبارت ذکر نہیں کرتا تو یہ توکیل ہو گی، کیوں کہ وکیل وہ شخص ہوتا ہے جو دوسرے کے لیے دوسرے کی اجازت سے کام کرے، اپنے لیے نہ کرے، ایسا اجنبی آدمی ہی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اجنبی آدمی وکیل ہو سکتا ہے اور بیوی اپنی طلاق کی تفویض میں وکیل نہیں ہو سکتی۔[بحر]

مسئلہ: تملیک یعنی تفویض اور توکیل میں چار وجہ سے فرق کیا جاتا ہے، اول تملیک اور تفویض جس میں وقت کا ذکر نہ ہو، تفویض کی مجلس کے ساتھ مقید ہوتی ہے اور توکیل وکیل بنانے کی مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوتی۔ دوم تملیک سے رجوع نہیں ہو سکتا اور توکیل میں رجوع ہو سکتا ہے۔ سوم تملیک میں مالک بنانے والا عزل کا حق نہیں رکھتا اور توکیل میں مؤکل وکیل کو معزول کر سکتا ہے۔ چہارم تملیک شوہر کے جنون سے باطل نہیں ہوتی اور توکیل مؤکل کے جنون سے باطل ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: اگر شوہر کسی آدمی کو کہتا ہے میری بیوی کو طلاق دے دے تو یہ توکیل ہے اور شوہر اس میں رجوع کر سکتا ہے، مثلاً وکیل کی جانب طلاق دینے سے پہلے مؤکل اور شوہر کہہ دے میں نے وکیل سے طلاق کی وکالت واپس لے لی، تو وکالت منسوخ ہو جائے گی، لیکن تفویض میں رجوع کر کے تفویض شدہ حق طلاق کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا اور توکیل مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوگی۔ وکیل بنانے کی مجلس کے بعد بھی وکیل طلاق دے سکے گا، لیکن "اگر تو چاہے" کی عبارت طلاق کے ساتھ لگا کر شوہر اجنبی آدمی کو یوں کہتا ہے کہ میری بیوی کو طلاق دے دے اگر تو چاہے تو یہ تملیک ہو جائے گی، اب شوہر رجوع نہیں کر سکتا اور تفویض کی مجلس کے ساتھ یہ تملیک مقید ہوگی، کیوں کہ وکیل کو اپنی مشیت اور ارادہ سے کسی چیز میں تصرف کرنے کا حق دینا تملیک کہلاتا ہے، لہٰذا اجنبی بھی طلاق کا مالک ہو جائے گا[بحر] گویا شوہر کی

جانب سے اجنبی طلاق دینے کا مالک بھی ہو سکتا ہے اور وکیل بھی ہو سکتا ہے، لیکن بیوی صرف اپنی طلاق کی مالکہ بن سکتی ہے، وکیل نہیں بن سکتی۔

مسئلہ: اگر شوہر نے بیوی کو طلاق بائن تفویض کی لیکن بیوی نے طلاق رجعی لے لی تو طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر شوہر نے طلاق رجعی تفویض کی لیکن بیوی نے بائن لے لی تو طلاق رجعی واقع ہوگی، کیوں کہ شوہر جس طلاق کا بیوی کو مالک بنا رہا ہے وہی واقع ہوگی، اگرچہ بیوی نے اس کا عکس کیا۔[بحر]

مسئلہ: اگر بیوی سے کہا تجھے ایک طلاق کا اختیار ہے، بیوی نے تین طلاق لے لیں یا بیوی سے کہا تجھے تین طلاق کا اختیار ہے، بیوی کہتی ہے میں نے ایک ہزار طلاق لے لی تو طلاق واقع نہیں ہوگی، کیوں کہ تملیک کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر مامور آمر کے اصل حکم میں سے اختلاف کرے تو مامور کا تصرف نافذ نہیں ہوتا اور اگر وصف میں اختلاف کرے تو تصرف نافذ ہو جاتا ہے اور وصف لغو ہو جاتی ہے[بحر] پہلے مسئلہ طلاق رجعی اور بائن میں وصف کا اختلاف تھا اور دوسرے مسئلہ میں آمر اور مامور کا اصل حکم میں اختلاف ہے۔

مسئلہ: اگر شوہر بیوی سے کہے تجھے طلاق کا اختیار ہے جتنی مرتبہ چاہے تو خود کو طلاق دے سکے گی، تو بیوی تین مجالس میں تین مرتبہ تین طلاق الگ الگ کر کے لے سکتی ہے اور اگر شوہر کہے تجھے طلاق کا اختیار ہے جب چاہے تو طلاق لے سکتی ہے تو صرف ایک طلاق لے سکے گی۔[بحر]

مسئلہ: اگر شوہر سے بندوق کی نوک پر جبراً لکھوایا گیا کہ اس کی بیوی کو طلاق ہے یا اس کی بیوی کو طلاق کا اختیار ہے، شوہر نے مجبور ہو کر لکھ دیا یا دستخط کر دیے لیکن زبان سے نہیں کہا اور طلاق اور تفویض کی نیت نہیں کی تو بیوی کو طلاق واقع نہیں ہوگی اور نہ ہی اس کو طلاق کا اختیار ہوگا، کیوں کہ جبری طلاق اور تفویض کی کتابت سے طلاق اور تفویض واقع اور نافذ نہیں ہوتیں۔

مسئلہ: نکاح ہونے سے پہلے ایک عورت سے کہا اگر میں تجھ سے نکاح کروں یا تیرا مالک بنوں تو تجھے طلاق کا اختیار ہوگا، پھر نکاح کر لیا تو عورت کو نکاح ہو جانے کے بعد طلاق کا اختیار ہوگا، کیوں کہ طلاق یا تفویض کی اضافت نکاح یا ملک کی طرف ہو تو تعلیق معتبر ہوتی ہے۔

مسئلہ: اجنبیہ سے کہا، اگر میں نے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو تجھے طلاق کا اختیار ہوگا، تو یہ تفویض نہیں ہوئی، کیوں کہ یہاں تفویض کی نسبت نکاح یا ملک نکاح کی

طرف نہیں۔[بہارِ شریعت]

الحاصل: تفویض طلاق کا صحیح طریقہ جو کہ عورت کے لیے مفید ثابت ہوسکتا ہے وہ یہ ہے کہ ایجاب وقبول شرعی سے نکاح منعقد ہو جانے کے بعد طلاق بائن غیر مغلظہ کی تفویض کا شوہر انشاء کرے اور تفویض کے الفاظ میں عموم وقت پر دلالت کرنے والے الفاظ کا ذکر بھی ہو۔ مثلاً تفویض کے الفاظ کے بعد "میری بیوی جب چاہے خود کو طلاق دے دے" وغیرھا الفاظ کا اضافہ کرے، مثلاً نکاح ہو جانے کے بعد شوہر کہے "میں نے اپنی بیوی فلانہ بنت فلاں کو طلاق بائن کا حق تفویض کیا، وہ جب چاہے خود کو طلاق دے دے" اور اگر شوہر مشروط تفویض کا حق دینا چاہتا ہے تو اس شرط کا ذکر کیا جائے جو مطلوب ہے، مثلاً شوہر نکاح ہو جانے کے بعد کہے "اگر میں نے اپنی بیوی فلانہ بنت فلاں کو مارا تو اس کو طلاق بائن کا اختیار ہوگا، جب چاہے خود کو طلاق دے کر آزاد ہو جائے"۔

مسئلہ: طلاق مشروط میں اگر وقت کا ذکر نہ ہو تو شرط کے پائے جانے کی صرف پہلی مجلس میں بیوی کو طلاق کا اختیار ہوگا، مجلس کے ختم ہونے کے بعد اختیار ختم ہو جائے گا، مثلاً شوہر نے کہا، "اگر میں نے بیوی کو مارا تو بیوی کو طلاق کا اختیار ہوگا" پھر ایک دن بیوی کو مارا تو بیوی کو اُسی مجلس ضرب کی انتہاء تک طلاق کا اختیار ہوگا، جب وہ مجلس ختم ہوئی، اختیار باقی نہیں رہے گا، دوبارہ مارنے کے وقت بھی اختیار نہیں ہوگا، اس لیے دائمی اختیار کے لیے مشروط تفویض ہو یا غیر مشروط، جب چاہے یا ہمیشہ یا تازندگی جیسے الفاظ کا ذکر ہونا چاہیے۔[عالم گیری]

نکاح خوان کی جانب سے شوہر کو مذکورہ الفاظ کہلوانے اور اقرار کرانے کے بعد نکاح فارم کے کالم نمبر ۱۸ کے جواب میں کہلوائے گئے الفاظ لکھ دیے جائیں اور بہتر یہ ہے کہ ان کے ساتھ دستخط بھی کرا دیے جائیں تا کہ انکار کی گنجائش نہ رہے۔

مسئلہ: بالفرض شوہر بیوی کو دیے گئے دائمی یا مؤقت اختیار کو ختم کرانا چاہتا ہے تو اُسے چاہیے کہ بیوی سے ایک مرتبہ کہلوائے کہ میں شوہر کو اختیار کرتی ہوں، طلاق نہیں چاہتی، تو اس کے بعد بیوی کو اپنے نفس کو طلاق دینے کا اختیار نہیں رہے گا۔ یہی طرفین کا قول ہے اور علامہ شامی نے اسی کو صحیح کہا ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

و لو قالت اخترت زوجی او قالت لا اختار الطلاق ذکر فی بعض المواضع ان علی قول ابی حنیفة و محمد یخرج الامر من یدھا

فی جمیع الوقت حتی لا تملک ان تختار نفسها بعد ذالک و ان بقی الوقت .... الخ ---[بدائع، جلد۴، صفحہ ۲۵۲، مکتبہ عباس احمد باز، مکہ مکرمہ]

''اگر بیوی نے کہا میں نے اپنے زوج کو اختیار کیا یا اس نے کہا میں طلاق اختیار نہیں کرتی (تو کتب فقہ میں) بعض جگہوں میں یہ مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے قول پر سارے وقتوں میں طلاق کا امر بیوی کے ہاتھ سے نکل جائے گا، حتیٰ کہ اس کے بعد اپنے نفس کو اختیار کرنے کی مالک نہیں رہے گی، اگرچہ وقت باقی ہو''---

تفویض مؤقت کے دو قسم تھے: (۱)......مؤقت بوقت خاص اور (۲)......مؤقت بوقت مطلق

پہلے کی مثال جیسے امرک بیدک الی الشھر یعنی تیرا امر تیرے ہاتھ ہے ایک ماہ تک اور دوسرے کی مثال جیسے امرک بیدک متی شئت یعنی تیرا امر تیرے ہاتھ ہے جب تو چاہے۔ ان دونوں صورتوں میں طرفین کا قول یہ ہے کہ اگر بیوی اوقات مذکورہ میں طلاق اختیار کرنے سے پہلے ایک مرتبہ کہتی ہے میں شوہر کو اختیار کرتی ہوں یا میں طلاق نہیں چاہتی تو اسے دوبارہ کسی وقت اپنے نفس کو اختیار کرنے کا حق نہیں رہے گا۔

بدائع میں تفویض کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے، یہ کہ تفویض منجز ہوگی یا معلق بالشرط ہوگی یا مضاف الی الوقت ہوگی۔ پھر تفویض منجز مطلق ہوگی یا مؤقت ہوگی، پھر مؤقت دو قسم ہوگی:

(۱)......مؤقت بوقت خاص اور مؤقت بوقت عام یا (۲)......مؤقت بوقت مطلق

اور تفویض معلق بالشرط کے تین قسم ہوں گے:

(۱)...... معلق بالشرط غیر مؤقت یعنی معلق بالشرط مطلق یا معلق بالشرط

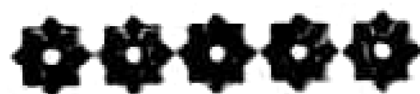
(۲)......مؤقت بوقت خاص اور

(۳)......مؤقت بوقت عام

اور تفویض مضاف کی ایک ایک قسم ہے:

تفویض مضاف کی مثال جیسے امرک بیدک غدا یعنی تیرا امر تیرے ہاتھ ہوگا کل کے دن، اس کا حکم یہ ہے کہ غد اور کل کے دن میں صرف پہلی مجلس میں بیوی کو اختیار ہوگا، سارا دن اختیار نہیں ہوگا اور مؤقت بوقت عام کی مثال امرک بیدک متی شئت یعنی تیرا امر تیرے ہاتھ ہے جب تو چاہے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

[بشکریہ ماہ نامہ فقہ اسلامی، کراچی]



شوہر پر بیوی کے حقوق

دوسری و آخری قسط

جہیز کا حکم

مفتی محمد رفیق حسنی

ہمارے عرف میں جہیز اس سامان کو کہا جاتا ہے جو لڑکی کو باپ کے گھر سے رخصتی کے وقت دیا جاتا ہے اور اکثر سامان ماں باپ کی طرف سے ہوتا ہے اور دلہن کے لیے جو سامان دولہا والوں کی طرف سے ہوتا ہے، وہ تحفہ، گفٹ اور ہدیہ کہلاتا ہے۔ والدین پر اپنی بیٹیوں کو جہیز دینا واجب یا سنت مؤکدہ تو نہیں لیکن افضل ہے کیوں کہ حضور ﷺ نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک تکیہ اور ایک گدا، جن میں کھجور کی کھال بھری ہوئی تھی اور پانی کے لیے کھال کے ایک یا دو مشکیزے اور لباس اور ایک لوٹا، بعض روایات میں بچھانے کے لیے دنبہ کی کھال اور چادر عطا فرمائی تھی اور سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے مہر ادا کرنے کے لیے اپنی زرہ فروخت کی، جس کے پانچ سو درہم یا چار سو اسی درہم حاصل ہوئے۔ تفصیل سیرت کی کتابوں میں ہے، وہ یہ کہ جب حضور ﷺ نے سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا

رشتہ قبول کرلیا تو آپ ﷺ نے حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مہر فراہم کرنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے پاس تو صرف ایک گھوڑا اور ایک زرہ ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''گھوڑا تو جہاد کی ضرورت ہے، لہٰذا زرہ فروخت کردو''---

زرہ فروخت کرنے کے لیے جب حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بازار جانے لگے تو راستہ میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی، حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ زرہ کیوں فروخت کرتے ہو؟ تو حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مہر کی رقم ادا کرنے کے لیے حضور ﷺ نے زرہ فروخت کرنے کا حکم دیا ہے۔ وہ زرہ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے خرید لی اور چار سو اسی درہم حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دے دیے اور پھر زرہ بھی واپس کی دی۔ [البدایہ والنہایہ، سبل الھدیٰ]

صحابہ کرام سے روایت ہے کہ مہر کے دراہم سے کچھ درہم آپ ﷺ نے حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو دیے تاکہ بازار سے خوشبو لے آئیں۔

جہیز دینا جائز ہے، منع نہیں ہے لیکن جہیز کو ناک کا مسئلہ بنا کر بھاری جہیز دینے کی غرض سے جائداد یا مکان فروخت کرنا یا بھاری قرض اٹھا لینا تاکہ جہیز دیا جائے، جائز نہیں ہے۔ حسبِ توفیق بغیر ریاکاری اپنی بیٹی کو جہیز دینا ایک ہدیہ ہوتا ہے جو کہ مستحب ہے۔ یہی حکم دولہا والوں کی طرف سے ہدایا کا ہے کہ یہ لڑکی کے لیے تحفہ اور ہدیہ ہوتا ہے، لہٰذا مستحب ہے۔ دولہا والوں کی طرف سے تحائف اور والدین کی جانب سے جہیز کی تمام اشیاء ہمارے عرفِ عام میں بیوی کی ملکیت ہوتی ہیں، اس لیے طلاق ہو جانے یا شوہر یا بیوی کی وفات کے بعد دولہا والوں اور دلہن والوں کا تنازع مناسب نہیں، البتہ اگر صراحتہً تحریر کر دیا گیا ہو یا گواہ بنا لیے گئے ہوں کہ فلاں فلاں اشیاء دلہن کو عاریۃً اور صرف چند روز پہننے کے لیے دی گئی ہیں تو اس کا اعتبار ہوگا۔ جہیز کے سامان کی مقدار کے حوالہ سے اگرچہ اسلام میں کوئی تحدید اور تعیین نہیں ہے لیکن جناب رسول اکرم ﷺ کے دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی بیٹیوں کو معمولی سامانِ ضرورت دیا کرتے تھے۔ خود جنابِ رسولِ اکرم ﷺ نے جو جہیز اپنی پیاری شہزادی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عطا فرمایا، وہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ اتنی قلیل مقدار میں حضرت سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی میں ہمارے لیے درس اور پیغام تھا کہ اگر جہیز دینا ہو تو حقیقی ضرورتوں کے مطابق جہیز کی مقدار ہونی چاہیے۔ نمائش اور تفاخر اور

مقابلہ اگر جہیز کی مقدار کی کثرت کا باعث ہوا تو اللہ تعالیٰ ایسے والدین پر ناراض ہوگا۔

مؤرخہ ۲۱ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ، مطابق ۲۰۰۴ء، جمعہ کے دن پاکستان کی عدالت عالیہ سپریم کورٹ نے جہیز اور شادی کی رسومات کے حوالے سے ایک اچھا اور اسلامی فیصلہ فرمایا ہے۔

عدالت عالیہ سے جاری فیصلہ میں کہا گیا ہے:

''مائیوں، مہندی، کثیر جہیز اور بارات کی دھوم دھڑلے والی رسومات اور بے جا اخراجات نمود و نمائش اور غیر ضروری کھانے وغیرہا کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور یہ ساری رسومات ہندوانہ ہیں۔ آج کل جہیز میں دلہن کو رخصتی کے وقت ریفریجریٹر، ڈیپ فریزر، ایئر کنڈیشنر، واشنگ مشین، برقی پنکھے، کچن میں استعمال ہونے والی تمام الیکٹرک مشینیں اور نہایت مہنگے بیسیوں لباس کے جوڑے اور ایسے زیورات جن کی قیمت لاکھوں روپے ہو اور بعض لوگوں کی طرف سے کار اور بنگلہ وغیرہا بھی دینے کا عام رواج ہو گیا ہے، اس پر مستزاد یہ کہ ہزاروں لوگوں کی دلہن والوں کی جانب سے دعوت اور مہنگے ہوٹلوں میں یا لانوں اور شادی ہالوں میں بیسیوں قسم کی ڈشیں اور مشروبات یہ ساری سماجی برائیاں ہیں، ایسی رسم و رواج کی رسومات سے متوسط اور سفید پوش لوگ نہایت پریشان ہیں، اس لیے عدالت عالیہ نے کھانوں پر پابندی لگادی ہے، صرف گھر میں اپنے خاص مہمانوں کو کھانا دیا جا سکتا ہے اور دولہا کی طرف سے دعوت ولیمہ گھر میں کی جا سکتی ہے، کلبوں، ہوٹلوں اور شادی ہالوں میں صرف مشروبات، ٹھنڈے یا گرم سے ہی مہمانوں کی تواضع کی جا سکتی ہے''---

پاکستان کے آئین میں ایکٹ نمبر ۴۳ رمصدر ۱۹۷۶ء کو عدالت عالیہ نے نافذ کر دیا ہے، جس کی گیارہ دفعات ہیں اور نہایت مناسب ہیں اس میں کہا گیا ہے کہ:

۱ عروسی سے وہ تحفہ مراد ہے، جو دولہا یا اس کے والدین نے دلہن کو شادی سے پہلے یا بر موقع یا بعد میں شادی سے متعلقہ بطور تحفہ دیا ہو، مہر اس میں داخل نہیں ہے۔

۲ جہیز سے مراد وہ جائداد ہے جو دلہن کے والدین نے دلہن کو شادی سے پہلے یا شادی پر یا شادی کے بعد بلا واسطہ یا بالواسطہ تحفے میں دی ہو، اس میں وراثت میں پائی ہوئی جائداد شامل نہیں اور شادی سے مراد منگنی، نکاح اور رخصتی ہے۔

۳ دلہن کو والدین کی جانب سے دیے گئے جہیز کی قیمت پانچ ہزار روپے پاکستانی

سے زیادہ نہیں ہوگی۔

۴ دولہا کو دیے گئے تحائف کی قیمت پانچ ہزار سے متجاوز نہیں ہوگی اور دوستوں اور رشتہ داروں کے نذرانوں کی مالیت ایک سو روپے سے زیادہ نہیں ہوگی۔

● چوں کہ یہ ایکٹ ۱۹۷۶ء میں آئین کا حصہ بنا تھا اور عدالت عالیہ نے اس کو بحال کر دیا ہے لیکن ۱۹۷۶ء میں روپے کی قدر کی مناسبت آج ۲۰۰۵ء میں اضافہ کرنا چاہیے، بہر صورت اگر اس فیصلہ پر عمل ہو جائے تو نہایت احسن ہوگا۔ اس ایکٹ میں یہ بھی ہے کہ دلہن کو ملنے والے تحائف اور جہیز دلہن کی ملکیت ہوگا اور دیگر رسموں پر خرچ ہونے والی رقم اڑھائی ہزار سے زائد نہیں ہوگی اور اس قانون کی کسی شق کی خلاف ورزی پر چھ ماہ قید یا دس ہزار جرمانہ یا دونوں بطور سزا بھگتنا ہوں گی اور خلاف ورزی کی صورت میں تمام تحائف اور نذرانے بحق سرکار ضبط ہوں گے اور ان ضبط شدہ تحائف سے غریب لڑکیوں کے جہیز کا بندوبست کیا جائے گا۔

● اور وہ تحائف اور ہدایا جو دوستوں اور عزیزوں کی طرف سے دلہن کو پیش کیے جاتے ہیں، بعض برادریوں میں یہ ہدایا اور تحائف بظاہر دلہن کو دیے جاتے ہیں لیکن عرف میں دلہن کے سرپرست والد یا بھائی وغیرہ کو دینا مقصود ہوتا ہے کیوں کہ دلہن کے گھر والوں نے اپنی بیٹی کی شادی سے پہلے تحائف دینے والے دوستوں اور رشتہ داروں کو ان کی بیٹیوں کی رخصتی کے وقت اتنے ہی تحائف دیے ہوتے ہیں، گویا یہ تحفے بطور معاوضہ ہوتے ہیں اور بعض لوگ تو اس کو قرضہ بھی کہتے ہیں، حتیٰ کہ رجسٹرز میں بطور ریکارڈ لکھ لیتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت واپس کیے جائیں۔ یہی رواج عقیقہ اور ختنہ وغیرہ کے موقع پر ہوتا ہے کہ عقیقہ اور ختنہ کے موقع پر ملنے والے تحائف اور رقم بچے کے والدین کی ملکیت ہوتی ہے۔

● شادی بیاہ اور عقیقہ میں اگر تحریر اور تصریح نہ ہو تو احکام شرعی کا مدار قوم کے رسم و رواج اور عرف پر ہوتا ہے، اس لیے بعض برادریوں میں عرف اور رواج میں شادی کے موقع پر دلہن کو اگر تحائف بطور قرض دیے جاتے ہوں جیسے دولہا کو عام عرف میں بعض افراد کی طرف سے سلامی یا نیندرا بطور قرض دیا جاتا ہے تو ان تحائف کے مالک کے تعین میں عرف کو حاکم بنائیں گے، اگر عرف اور رواج میں دلہن کے والدین کو تحائف دینا مقصود ہے تو ان تحائف کے مالک والدین ہوں گے اور وہی قرض واپس کریں گے اور اگر عرف میں دلہن کو دیے جاتے ہیں تو دلہن پر قرض ہوگا اور ان تحائف کی مالکہ دلہن ہوگی۔ شادی کے موقع پر برادری کے ہر فرد سے لین دین سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس

موقع پر دیا گیا تحفہ حقیقت میں قرض ہے یا حقیقت میں تحفہ ہے۔ اگر تحفہ ہے تو واپس کرنا ضروری نہیں ہوگا، اگر قرض ہے تو واپس کرنا ضروری ہوگا۔ ہماری اپنی برادری میں عموماً دولہا اور دلہن کو شادی کے موقع پر جو رقم یا کپڑے دوست دیتے ہیں، وہ تحفے کے طور پر دیتے ہیں، لیکن رشتہ دار واپسی کی نیت سے بطور قرض کپڑے یا رقم دیتے ہیں، حتیٰ کہ ہمارے لوگوں کے رجسٹر رکھے ہوئے ہیں، ہر ایک آدمی کی جانب سے دیے گئے سامان کی تفصیل لکھی جاتی ہے اور واپس کرنے کی فکر رہتی ہے۔ [رفیق حسنی]

● وہ سامان جو دلہن والے دلہن کو دیتے ہیں، آج کل اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ والدین مالکانہ حقوق کے ساتھ گفٹ کرتے ہیں یا پھر عاریۃً دیتے ہیں یعنی صرف استعمال کے لیے دونوں صورتوں میں ضروری ہے کہ سامان دیتے وقت اس کی وضاحت ہو جائے اور اسٹام پیپر پر گواہوں کی موجودگی میں تحریر ہو جائے یا نکاح فارم پر تمام اشیاء کی تفصیل لکھ دی جائے اور یہ لکھ دیا جائے کہ مذکورہ سامان مالکانہ حقوق کے ساتھ دیا جا رہا ہے یا عاریۃً دیا جا رہا ہے۔ اگر اتفاق سے کوئی تحریر نہیں یا گواہوں کی موجودگی میں کوئی بات نہیں کہی گئی تو پھر ہر قوم کا عرف اور رواج اس قوم کے متنازع معاملات کے لیے پر حکم ہوگا اور مختلف اشیاء کے مختلف احکام ہوں گے۔ مثلاً دلہن کے ناپ کے سلے ہوئے کپڑے دلہن کو مالکانہ حقوق کے ساتھ دیے جاتے ہیں، لہٰذا ان کی مالکہ دلہن ہوگی۔ بغیر سلائی کپڑوں میں بھی تقریباً یہی رواج ہوتا ہے، چوں کہ آج کل اشراف اور بڑے لوگ اپنی بیٹیوں کو سیکڑوں لباس کے جوڑے دیتے ہیں اور ایک ایک جوڑا لاکھوں روپے کا بھی ہوتا ہے۔ پھر طلاق یا موت کی صورت میں تنازع ہو سکتا ہے، یہاں بڑے لوگوں کے عرف کو حاکم بنایا جائے گا اور ان کے عرف کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ اسی طرح گھر میں استعمال ہونے والے برتن، فرنیچر، بستر، ٹی وی، فرج، استری، کھانے پینے کی اشیاء تیار کرنے کی جدید مشینیں، تعلیم و تعلم کے لیے کمپیوٹر وغیرہ گھر کی صفائی کے لیے مشینیں اور دیگر سامان اکثر برادریوں میں بیٹی کو مالکانہ حقوق کے ساتھ دیا جاتا ہے اس لیے ان کی مالکہ موصوفہ لڑکی ہوگی اور طلاق ہو جانے یا موت کی صورت میں وراثت کا حکم لڑکی کے مالک ہونے کی حیثیت سے ہوگا۔

● رخصتی کے وقت لڑکی کو زیورات کے ساتھ رخصت کرتے ہیں، زیورات میں گواہ اور تحریر نہ ہونے کی صورت میں بھی رواج کو دخل ہوگا، بڑے لوگ لاکھوں اور کروڑوں کے زیورات دیتے ہیں، میرے علم کے مطابق بڑے لوگوں کے عرف میں بیٹی کو مالکانہ حقوق کے ساتھ زیورات دیے جاتے ہیں۔ اس لیے اشراف کی بیٹیاں زیورات کی مالکہ ہوں گی لیکن چھوٹے

گھروں میں اکثر لوگ بیٹیوں کو صرف استعمال کے لیے زیورات دیتے ہیں، لہٰذا غیر اشرافیہ کی بیٹی ان کی مالکہ نہیں ہوگی اور طلاق اور موت کی صورت میں شوہر پر فرض ہوگا کہ وہ زیورات لڑکی والوں کو واپس کرے۔ اس حکم سے زکوٰۃ کا مسئلہ بھی واضح ہوگیا کہ ان زیورات کی زکوٰۃ ان لوگوں پر واجب ہوگی، جو ان زیورات کے مالک ہوں گے۔ اگر والد مالک ہے تو والد زکوٰۃ دے گا اور اگر لڑکی مالک ہے تو لڑکی زکوٰۃ دے گی۔ موجودہ دور میں لڑکی والے جو جہیز اپنی بیٹی کو دیتے ہیں تقریباً سب لوگ اپنی بیٹی کو ہی دیتے ہیں، اس جہیز میں دولہا کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، اس لیے دولہا بیوی کے جہیز کی اشیاء کو بغیر اذن استعمال نہیں کر سکتا۔ اگر بالفرض ان اشیاء کو بیوی اسٹور میں رکھ دے اور استعمال نہ کرے تو اس کو ایسا کرنا جائز ہے اور اس کو ملامت نہیں کی جا سکتی۔ بیوی کی اشیاء کو شوہر جبر کے ساتھ استعمال کرے تو حرام کا مرتکب ہوگا اور گناہ گار ہوگا جیسا پہلے گزر چکا ہے۔

- ہاں دلہن والے خصوصاً اشرافیہ اور بڑے لوگ انگوٹھی اور کچھ کپڑے دولہا کی ناپ کے سلوا کر دولہا کو بطور تحفہ دیتے ہیں تو وہ دولہا کے ہوں گے، لڑکی والے واپس نہیں لے سکتے۔

- لڑکے والے جو سامان دلہن کو دیتے ہیں اس سامان میں طلاق اور موت کی صورت میں کافی اختلافات واقع ہوتے ہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر تمام تفاصیل تحریر کر دی جائیں اور اس تحریر کی ایک ایک کاپی ہر فریق کے پاس ہو، فیصلہ کرنا آسان ہوگا، اگر کوئی تحریر عمل میں نہ آسکی ہو تو کم از کم گواہوں کے سامنے اقرار ہونا چاہیے۔ مثلاً دولہا والے بتا دیں کہ ہم نے جو اشیاء دلہن کے چڑھاوا میں دی ہیں وہ مالکانہ حقوق کے ساتھ دی ہیں یا وہ صرف استعمال کے لیے ہیں۔ اگر شرماشرمی میں کوئی تحریر عمل میں نہیں لائی گئی اور نہ کسی امر کے اقرار کا ثبوت ہے تو معاملہ عرف کے مطابق حل کیا جائے گا۔ برادری کے چند معمر اور عقل مند لوگ بیٹھ کر فیصلہ کر لیں، وہی فیصلہ شریعت کا ہوگا۔

- بعض والدین بیٹی کو جہیز دے دینے پر دوسری جائداد میں اس کو حصہ دار نہیں سمجھتے اور وراثت میں بھائی اس بہن کو کوئی حصہ نہیں دیتے، پوچھنے پر جواب دیا جاتا ہے کہ بہن یا بیٹی وراثتی حصہ جہیز میں لے چکی ہے۔ اس مسئلہ میں اگر بیٹی یا بہن نے جہیز ملنے کی شرط پر بقیہ جائداد سے دست برداری کا اقرار کیا ہوا ہو تو اس بیٹی یا بہن کو والد کی موت کے بعد والد یا بھائی کی جائداد سے کوئی حصہ نہیں ملے گا اور اگر بیٹی یا بہن وراثت سے دست بردار نہیں ہوئی تھی تو اس کو بطور وراثت جائداد سے حصہ ضرور ملے گا۔ اس معاملہ میں تحریر شدہ دستاویز تنازع کے حل میں مدد دے سکتی

ہے لہٰذا تحریر ہونی چاہیے یا پھر گواہ بنا لیے جائیں اور بہن یا بیٹی کا وراثتی حصہ سے دست بردار ہونا جائز ہے اور دست بردار ہونے میں والد یا بھائی گناہ گار نہیں ہوں گے۔ کیوں کہ بیٹی از خود جہیز وصول کرنے کی وجہ سے بقیہ جائداد سے لاتعلق ہو رہی ہے۔

- دلہن کو جہیز والد اور سرپرست کی طرف سے ہبہ (گفٹ) ہوتا ہے، اس لیے والد پر لازم ہے کہ جتنی مالیت کا جہیز ایک بیٹی کو دیا ہے دوسری بیٹی کو بھی اتنی مالیت کا مال ہبہ کرے، کیوں کہ حضور ﷺ نے اولاد کے متعلق فرمایا:

سَوُّوْا بَیْنَ اَوْلَادِکُمْ---[کنز الدقائق]

''اولاد میں برابری کرو''---

- حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے باپ نے مجھے ہدیہ دیا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری ماں نے میرے باپ سے کہا کہ میرے بیٹے کو ایک غلام عطیہ دو۔ حضرت نعمان فرماتے ہیں کہ میری ماں عمرہ بنت رواحہ نے (میرے باپ سے) کہا کہ میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گی جب تک تم جناب رسول اللہ ﷺ کو (اس عطیہ) پر گواہ نہیں بناؤ گے۔ میرے والد مجھے ساتھ لے کر جناب رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، کہ میں نے عمرہ بنت رواحہ سے ہونے والے اس بیٹے کو غلام عطیہ دیا ہے، مجھے بیوی عمرہ نے کہا ہے کہ میں آپ کو اس پر گواہ بناؤں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''باقی سب بچوں کو اس غلام کی مثل تو نے عطیہ دیا ہے؟''---

میرے والد عرض کی، نہیں یا رسول اللہ، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولادوں میں عدل کرو''---

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں ظلم اور جور پر گواہ نہیں بنتا''---

میرے والد نے وہ غلام واپس لے لیا۔

- اس حدیث کی روشنی میں اولاد مذکر اور مؤنث کے تحائف میں برابری کا حکم ہے۔ چوں کہ جور کا معنی ظلم کے علاوہ میل بھی ہوتا ہے تو اس لیے فقہاء نے فرمایا کہ اگر اعتدال سے ایک جانب میلان مراد ہو تو اولاد میں برابری نہ کرنا مکروہ ہوگا۔ احناف کا یہی مذہب ہے کہ والدین اگر اولاد میں سے بعض کو بلا وجہِ شرعی زیادہ عطیہ دیں اور بعض کو کم تو کراہت ہوگی اور کراہت کے باوجود

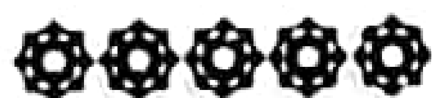
اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ

حکم نافذ ہو جائے گا اور اگر بالغ عاقل اولاد باہمی رضامندی سے والد کی غیر مساوی تقسیم کو قبول کر لیں تو کراہت بھی نہیں ہوگی۔ چناں چہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ﷛ نے ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اکیس وسق عطا فرمائے تھے لیکن دوسری اولاد کو نہیں دیے تھے۔ حضرت سیدنا عمر فاروق ﷛ اپنے بیٹے عاصم کو عطا میں زیادہ دیا تھا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷛ نے ام کلثوم کی اولاد کو زیادہ دیا تھا۔ ان حضرات کے اس عمل کو جناب رسول اکرم ﷺ نے دیکھ کر انکار نہیں فرمایا، اس لیے اولاد میں ہدایا میں عدم مساوات زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے۔[مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، صفحہ ۳۰۱۹،۲۰۰۹]

معلوم ہوا اگر کسی بیٹی کو ایک مخصوص مقدار میں جہیز دیا گیا تو دوسری بیٹیوں اور بیٹوں کو اتنی مقدار میں جہیز یا تحفہ دیا جائے۔ اَللّٰھم وَفِّقْنِیْ لِذَالِکَ

● بعض دفعہ ایک دو بیٹی کی شادی ہونے پر والدان بیٹیوں کو لاکھوں مالیت کا جہیز دے دیتے ہیں لیکن فوت ہو جانے پر دوسری بیٹیاں سابقہ بیٹیوں کے جہیز کی مقدار مالیت کا بھائیوں اور شادی شدہ بہنوں سے مطالبہ کرتی ہیں، اس صورت میں اگر مرحوم کے بیٹے اور بیٹیاں اور دیگر وارث بالغ اور عاقل ہیں اور مرحوم کی جائداد تقسیم کرنے سے پہلے غیر شادی شدہ بہنوں کا مطلوبہ جہیز الگ کرنے پر رضامند ہیں تو ایسا ہو سکتا ہے۔ اگر ان میں کوئی وارث رضامند نہیں تو ایسا نہیں ہو سکتا یا کوئی وارث نابالغ یا غیر عاقل ہے تو بھی غیر شادی شدہ بہنوں کا جہیز الگ کرنا جائز نہیں۔ البتہ نابالغ یا مجنوں اولاد کا حصہ کل جائداد سے الگ کر دیا جائے، اس کے بقیہ حصہ سے بالغ عاقل اولاد باہمی رضامندی سے غیر شادی شدہ بہنوں یا بھائیوں کے لیے جہیز کی وہ مقدار جو والد اپنی زندگی میں شادی شدہ اولاد کو دے گیا تھا، دینا جائز ہے۔ اگر مرحوم پہلے جہیز کے موقع پر سب بچوں کے لیے برابر رقم نکال کر الگ کر کے ہر ایک کے قبضہ میں دے دیتا تو بہتر ہوتا۔ اب متروکہ جائداد تقسیم کر دی جائے اور جو حصہ بطور وراثت غیر شادی شدہ بہنوں کو ملنا ہے وہی ان کا حق ہے اور شادی شدہ بہنوں کو سابق جہیز کے علاوہ جائداد سے بطور وراثت بھی حصہ ملے گا۔

ہاں ایسا ہو سکتا ہے کہ شادی شدہ بہنیں جہیز کی وجہ سے بقیہ جائداد سے دست بردار ہو جائیں لیکن ان پر جبر نہیں ہو سکتا کیوں کہ والد کی طرف سے جہیز شادی شدہ بہنوں کا مملوک ہے، اس لیے ان بہنوں سے بغیر رضا کوئی چیز واپس لینا یا اس کے معاوضہ کا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے۔



"مہر"

کیا یہ ایک بے معنی اور فضول رسم ہے؟

شارح بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی

مہر بے معنی اور فضول اخراجات کی دوسری رسموں کی طرح نہیں ہے۔ یہ جہیز کی طرح بھی نہیں ہے کیوں کہ جہیز کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ اس کا دینا' لینا جائز و مباح ہے' ضروری یعنی فرض وواجب نہیں ہے' اگر کوئی شخص جہیز نہیں دیتا' نہ دے لیکن مہر کا معاملہ بالکل الگ ہے' اس کی ادائیگی شوہر پر لازم وواجب ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

۱ فاتوھن اجورھن فریضة-----(النساء' پارہ: ۵)

"جن عورتوں سے نکاح کرنا چاہو' ان کے مقررشدہ مہر انہیں دو"

۲ و آتوا النساء صدقتھن نحلة-----(پارہ: ۴)

"اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو"

ان آیات سے واضح ہے کہ مہر خالص عورت کا حق ہے' جس کی ادائیگی بہر حال شوہر پر لازم وواجب ہے۔ شریعت اسلامیہ نے مہر کو عورت کا ایک ایسا اہم حق قرار دیا ہے کہ اگر بوقت نکاح مہر معین نہ کیا گیا یا مہر کی بالکل نفی کر دی گئی تو بھی مہر کی ادائیگی شوہر پر لازم وواجب ہے۔ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص نکاح کرے اور نیت یہ ہو کہ بیوی کو مہر میں کچھ نہ دوں گا تو وہ زانی مرے گا"-----(طبرانی)

یعنی اس کا حشر زانیوں کے ساتھ ہو گا۔ یہ وعید شدید بھی مہر کی شرعی پوزیشن کی وضاحت کے لئے کافی ہے' اس لئے مہر کو محض ایک رسم یا فضول کام سمجھنا اور کہنا قرآن و حدیث کی رو سے غلط ہے۔ البتہ حضور ﷺ نے یہ فرمایا ہے :

''بہتر مہر وہ ہے جو آسان ہو'' ----- (بیہقی)

اس ارشاد کا مطلب بھی یہ ہی ہے کہ بہتر یہی ہے کہ مہر کی رقم ایسی مقرر کی جائے جو آسانی سے ادا ہو سکے' لیکن اس کے باوجود قرآن نے گراں قدر مہر مقرر کرنے کی ممانعت نہیں فرمائی' آیت مبارکہ ''احداھن قنطارا ''(النساء' پارہ : ۵) سے گراں مہر کے تقرر کا جواز ثابت و واضح ہے۔

حضرت امام دوم خلیفہ رسول سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بر سر منبر یہ فرمایا! کہ عورتوں کے مہر گراں نہ باندھو' تو ایک عورت نے مذکورہ بالا آیت پڑھ کر عرض کی :

اے ابن خطاب! اللہ ہمیں دیتا ہے اور تم منع کرتے ہو ؟ اس پر حضرت عمر فاروق نے فرمایا' عمر تجھ سے ہر شخص زیادہ سمجھ دار ہے' اس کے بعد فرمایا' جو چاہو مہر مقرر کرو۔ یہ خلیفہ رسول کی انصاف پسندی اور نفس کی پاکی تھی کہ آپ نے اعلان کر دیا کہ جو چاہو جتنا چاہو مقرر کرو۔ میں اپنے مشورہ کو واپس لیتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ اسلام نے گراں مہر مقرر کرنے کی ممانعت نہیں کی' اس لئے یہ کہنا کہ ''بھاری بھر کم مہر کا مطالبہ کوئی شرعی و اخلاقی جواز نہیں رکھتا'' شریعت اسلامیہ پر افتراء محض کے مترادف ہے اور مہر کو مسرفانہ رسوم و رواج کی فہرست میں شامل سمجھنا سخت زیادتی ہے۔

مہر شرعی کی مقدار

شریعت نے کمی کی طرف مقدار مہر معین کی ہے' یعنی مہر دس درہم بھر چاندی سے کم نہیں ہو سکتا۔ ایک درہم (شرعی) تین ماشہ ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی ہے۔ یعنی دس درہم کی مقدار دو تولے سات ماشے چار رتی ہے' خواہ اتنی مقدار میں چاندی

دے دے یا اس کی مروجہ قیمت' کیونکہ چاندی کی قیمت بڑھتی گھٹتی رہتی ہے۔ غرضیکہ اس مقدار سے کم نہیں ہو سکتا اور زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے۔ جس قدر فریقین کے درمیان طے ہو جائے' شوہر پر اس کی ادائیگی لازم و واجب ہو گی کیوں کہ مقدار شرعی سے جس قدر بھی زیادہ معین کیا جائے جائز ہے۔

مہر تین قسم ہے

اول معجّل: وہ ہے کہ رخصتی سے پہلے دینا قرار پا لیا ہو۔ اس کے لئے عورت کو اختیار ہے کہ جب تک وصول نہ کرے' رخصت نہ ہو اور اگر رخصت ہو گئی تو اسے اب بھی اختیار ہے کہ جب چاہے مہر کا مطالبہ کرے اور اس کی وصولی تک اپنے نفس کو شوہر سے روک لے' اگرچہ رخصت کو بیس برس گزر گئے ہوں۔

دوم موجل: جس کی ادائیگی کی معیاد قرار پائی ہو۔ مثلاً دس برس بعد' پانچ برس یا پانچ مہینہ بعد یا پانچ دن بعد ادا کیا جائے گا۔ اس میں جب تک وہ معیاد نہ گزرے' عورت کو مطالبہ کا اختیار نہیں ہے اور جب معیاد پوری ہو جائے تو ہر وقت مطالبہ کر سکتی ہے۔

سوم موخر: کہ جس کی ادائیگی کے لئے نہ پیشگی شرط ٹھہری ہو' نہ کوئی معیاد معین کی گئی ہو' یونہی مطلق و مبہم طور پر بندھا ہو۔ یعنی اس میں معجّل یا موجل کی تصریح نہ ہو' یہ مہر موخر کہلاتا ہے۔ اس صورت میں جب تک شوہر کی موت یا طلاق واقع نہ ہو' عورت کو مہر کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

واضح ہو کہ مہر معجّل یا موجل کے لئے شریعت نے کوئی مقدار مقرر نہیں کی' جتنا پیشگی دینا ٹھہرے (معجّل) اسی قدر ہو گا' باقی کی اگر معیاد قرار پائی ہے' تو اتنا موجل قرار پائے گا' ورنہ موخر مثلاً:

۱ ایک ہزار روپے کل مہر مقرر ہوا اور یہ قرار پایا کہ پانچ سو معجّل اور پانچ سو موجل ہوں گے' تو پانچ سو معجّل کے متعلق عورت کو اختیار ہے کہ جب تک وصول نہ کرے رخصت نہ ہو اور باقی پانچ سو جو موجل ہیں' جب معیاد پوری ہو جائے گی تب

Jan 2014

عورت کو اس کے مطالبہ کا حق ہوگا۔

۲ ایک ہزار روپے کل مہر مقرر ہوا' پانچ سو روپے معجّل قرار پائے تو اس صورت میں عورت کو اختیار ہے کہ جب تک وصول نہ کرے' رخصت نہ ہو اور باقی پانچ سو کے متعلق معجّل یا موجل ہونے کی تصریح نہ ہو تو یہ موخر قرار پائیں گے۔ یعنی ان پانچ سو روپوں کا جو کہ موخر قرار پائے ہیں' عورت مطالبہ اس وقت کر سکتی ہے جب کہ شوہر طلاق دے دے یا اس کی موت واقع ہو جائے۔

فائدہ

اگر کسی قوم یا برادری کا یہ عرف ہو جائے (رواج عام) کہ معجّل یا موجل ہونے کی تصریح نہ ہونے کے باوجود مہر کا کچھ حصہ پیشگی دینا ہوتا ہے' تو بلا ذکر اور قرارداد صریح بھی اتنا معجّل قرار پائے گا اور باقی بدستور موجل یا موخر رہے گا۔ (در مختار و رد المحتار)

مہر میں مال متقوم ہونا ضروری ہے

جو چیز مال متقوم نہیں وہ مہر نہیں ہو سکتی مثلاً مہر یہ ٹھہرا کہ شوہر عورت کی سال بھر خدمت کرے گا یا اسے قرآن مجید یا علم دین پڑھائے گا یا حج وغیرہ کرا دے گا' تو ان سب صورتوں میں مہر مثلی واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر مہر میں شراب یا خنزیر کا ذکر کیا تو بھی مہر مثلی واجب ہوگا۔ (عالمگیری)

شغار کا حکم

شغار یعنی ایک شخص نے اپنی لڑکی یا بہن کا نکاح دوسرے سے کر دیا اور دوسرے نے اپنی لڑکی یا بہن کا نکاح اس سے کر دیا اور ہر ایک کا مہر دوسرے کے نکاح کو قرار دے دیا تو ایسا کرنا گناہ اور منع ہے اور اس صورت میں مہر مثلی واجب ہوگا۔

مہر معاف کرنا

عورت کل مہر یا اس کے جز کو معاف کرے تو معاف ہو جائے گا' مگر شرط یہ ہے کہ

شوہر نے اس معافی کو قبول کر لیا ہو' انکار نہ کیا ہو۔ (رد المحتار)

بلا تعین مہر نکاح درست ہے

اگر بوقت نکاح مہر کا تعین نہ کیا یا مہر کی بالکل نفی کر دی تو بھی نکاح صحیح و درست ہے' اس صورت میں مہر مثل دینا لازم ہو گا اسی طرح اگر بوقت نکاح مہر شرعی مقرر کیا' تو بھی نکاح ہو جائے گا اور مہر مثل لازم ہو گا۔ ہاں اگر کسی قوم یا برادری میں مہر شرعی بول کر اس سے کوئی خاص مقدار مراد لی جاتی ہو' جو اس قوم یا برادری میں رائج ہے' تو جو اُن کی اصطلاحِ معروف و مشہور ہو' وہی لازم ہو گی۔ مثلاً کسی قوم میں مہر شرعی کے لفظ سے ایک ہزار روپے مراد لیا جاتا ہے اور یہ بات ان کا عرف بن گئی ہے تو مہر ایک ہزار لازم وواجب ہو گا۔

32 روپے مہر شرعی نہیں ہے

عام طور پر 32 روپے یا اس سے کم و بیش کو مہر شرعی سمجھتے ہیں' یہ غلط ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ شریعت نے صرف کمی کی طرف مہر کی مقدار مقرر کی ہے' یعنی دس درہم ہونا ضروری ہے اس سے کم نہیں' البتہ اگر یہ سمجھ کر مہر باندھا کہ سب سے کم درجہ کا مہر جو شریعت میں مقرر ہے' تو اس صورت میں دو تولے سات ماشہ چار رتی چاندی یا اس کی مروجہ قیمت شوہر پر لازم وواجب ہو گی اور اگر یہ سمجھ کر باندھا کہ جو مہر جناب سیدہ فاطمۃ الزھراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تھا' تو اس صورت میں ڈیڑھ سو تولے یا اس کی مروجہ قیمت شوہر پر لازم ہو گی اور اگر صرف یہ کہا کہ مہر شرعی' مگر کوئی معنی ذہن میں نہیں تھے' خالی ایک لفظ بول دیا' تو ایسی صورت میں شوہر پر مہر مثلی واجب ہو گا۔

مہر مثلی کی تعریف

یہ ہے کہ اس عورت کے دھدیال میں جو عورت اس کی ہم عمر اور صورت و شکل' حسن و جمال اور فضل و کمال میں اس عورت کی مانند ہو تو جو اس کا مہر باندھا ہو' وہ مہر

مثل ہے۔

مہر زیادہ کرنا

شوہر کو ہر وقت اختیار ہے کہ وہ اپنی بیوی کے مہر میں زیادتی کر دے۔ مثلاً بوقت نکاح طرفین کی رضامندی سے پانچ سو روپے مہر مقرر ہوا' شوہر نے پانچ سو اور زیادہ کر دیا تو اب مہر ایک ہزار روپے قرار پائے گا۔ مہر زیادہ کرنے کے لئے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں' البتہ یہ ضروری ہے کہ جو زیادتی کر رہا ہے' وہ معلوم معین ہو اور عورت اسی مجلس میں اس کو قبول کر لے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ عورت نکاح میں ہو (اگرچہ یہ شرط مختلف فیہ ہے)۔

حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا جائز ہے

حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا بھی جائز ہے' گناہ نہیں' کیونکہ دولت آنے جانے والی چیز ہے' ایک شخص اگر آج غریب ہے' تو کل امیر ہو سکتا ہے۔ مگر حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا مناسب نہیں' البتہ فی زمانہ مہر ایسی معقول رقم کا ہونا چاہیے کہ شوہر پر کچھ دباؤ ہو کہ وہ اگر غلط اور ظالمانہ قدم اٹھائے تو اسے یہ تو محسوس ہو کہ اتنی بڑی رقم مجھے مہر کی ادا کرنا ہو گی۔

بیوی کی وفات کے بعد مہر کی ادائیگی

بیوی کی وفات کے بعد مہر کی ادائیگی حسب قواعد شرعیہ اس کے وارثوں کو کی جانی ضروری ہے۔ ہاں اگر بیوی کے تمام وارثان' جب کہ عاقل بالغ ہوں' مہر معاف کر دیں تو معاف ہو جائے گا۔ اگر تمام وارثان عاقل بالغ ہوں' کچھ معاف کرتے ہیں اور کچھ نہیں کرتے ہیں' تو جو معاف کر دیں' ان کا معاف ہو جائے گا' جو معاف نہ کریں ان کا حصہ دینا شوہر پر لازم رہے گا۔ اسی طرح جو وارث نابالغ ہیں' ان کا حصہ بھی شوہر کو ادا کرنا لازم و واجب ہے۔

شریعت میں نکاح کی آسانی

مولانا محمد شہاب الدین ندوی

اسلامی قانون کی رُو سے نکاح ایک آسان اور سادہ ترین ضابطہ ہے، مگر وہ مختلف قوموں اور ان کے رسم ورواج کے باعث آج کل ایک مشکل اور پے چیدہ سماجی مسئلہ بن گیا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ اُمت جو اصلاح عالم کے لیے بھیجی گئی تھی وہ خود آج دیگر قوموں کے رسم ورواج سے متاثر ہو کر اسلامی قانون اور سنت رسول ﷺ سے دور ہو چکی ہے۔

قصور کس کا ہے؟

اس اعتبار سے شادی بیاہ کا معاملہ آج ایک مشکل اور پے چیدہ مسئلہ بن گیا ہے اور خاص طور پر لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ۔ کیوں کہ اوّل تو غیر قوموں کے میل جول کے باعث اس سلسلے میں ایسے بے شمار خرافات نے جنم لے لیا ہے جو خرچیلے تو ہیں ہی مگر نکاح سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے اور پھر جہیز اور جوڑے گھوڑے کے بھیانک رواج نے رہی سہی کسر بھی پوری کرتے ہوئے اچھے اچھوں تک کو دن میں تارے بھی دکھانے شروع کر دیے ہیں۔ چناں چہ جب شادی بیاہ کا نام آتا ہے تو متوسط ہی نہیں بلکہ بعض خوش حال لوگوں تک پر بھی اداسی چھا جاتی ہے اور وہ فکر مند ہو جاتے ہیں۔

اس سلسلے میں سارا قصور ہمارا ہے اور ہم پر جو مصیبت نازل ہو رہی ہے اس کے ذمہ دار

ہم خود ہیں، کیوں کہ یہ سارے غیر ضروری رسوم ورواجات خود ہمارے ہی ایجاد کردہ ہیں، جن کے چکر میں پڑ کر روپیہ پانی کی طرح بہانا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسلامی قانون وشریعت سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

اسلامی قانون تو دنیا بھر کے خرافات کو مٹانے اور نوع انسانی کو بوجھل زنجیروں سے آزاد کرانے کے لیے رحمت بن کر آیا تھا، مگر ہم نے اپنی نادانی یا دکھاوے کی خاطر اسلامی قانون سے ناتا توڑ کر اپنے آپ کو پھر ہزاروں سال پرانے دور میں پہنچا دیا ہے اور وہی بوجھل زنجیریں پھر سے پہن لی ہیں جنھیں کاٹ کر اسلام نے ہم کو آزاد کرایا تھا اور چین وسکون اور سلامتی کا راستہ دکھایا تھا۔ اگر آج ہم اس ناقابل برداشت بوجھ کی شدت سے بلبلا رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس میں قصور صرف ہمارا ہی ہے، کیوں کہ آج ہماری زندگی انتہائی مُسرفانہ اور ریاکارانہ بن گئی ہے اور ہم جادۂ حق سے نہ صرف ہٹ گئے ہیں بلکہ اپنے نمائشی طرزِ عمل کے ذریعے غریبوں کی زندگی بھی دوبھر کیے ہوئے ہیں۔

لہٰذا آیئے دیکھیں کہ اس سلسلے میں اسلام ہمارے لیے کیا رہنمائی پیش کرتا ہے اور ہم اپنی ناواقفیت کے باعث اپنی زندگی کو کس طرح ایک جہنم بنائے ہوئے ہیں۔

خلّاقِ عالم کا حسین تحفہ

عورت انسان ہونے کی حیثیت سے نہ صرف مرد کے برابر ہے، بلکہ وہ انسان کے لیے خلاقِ عالم کا سب سے زیادہ قیمتی اور حسین تحفہ ہے، جسے اس نے مرد کی تنہائی اور اس کی وحشت دور کرنے کی غرض سے پیدا کیا ہے۔ چناں چہ قرآن حکیم کی تصریح کے مطابق عورت مرد کی تسکین کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا﴾---[الاعراف:۱۸۹]

”وہی ہے جس نے تم کو ایک ہستی سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا ساتھی بنایا، تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے“---

ظاہر ہے کہ جو لوگ خداوند کریم کے اس انمول تحفہ کی قدر کرتے ہیں وہ خوش وخرم زندگی گزارتے ہیں اور جو اس کی ناقدری کرتے ہیں وہ بہت جلد اس کی سزا بھی پالیتے ہیں۔ اسی وجہ سے نکاح کر کے ازدواجی زندگی گزارنا انبیائے کرام کی سنت قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِکَ وَ جَعَلْنَا لَھُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّیَّۃً﴾---[الرعد:۳۸]

''ہم نے آپ سے پہلے یقیناً (بہت سے) رسول بھیجے اور انہیں بیویوں اور اولاد سے بھی نوازا تھا''---

نکاح کرنا بھی عبادت ھے

نکاح اگرچہ بظاہر ایک دُنیوی فعل ہوتا ہے، مگر وہ اسلام کی نظر میں درحقیقت ایک عبادت بھی ہے، کیوں کہ اس کے ذریعے بے شمار دینی و دُنیوی فوائد وابستہ ہیں۔ اسی وجہ سے اسے آدھا دین قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں مذکور ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص نکاح کرتا ہے تو وہ آدھے دین میں کمال حاصل کر لیتا ہے، تو اسے چاہیے کہ وہ بقیہ آدھے میں بھی اللہ سے ڈرے''---[ترغیب وترہیب، جلد۳، صفحہ۴۲]

نیز ایک اور حدیث کے مطابق جن لوگوں کا رزق اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے ان میں سے ایک وہ شخص بھی ہے جو نکاح کر کے گناہوں سے بچا رہنا چاہتا ہو۔ [ترمذی، جلد۴، صفحہ۱۸۴]

صحیح عورت کا انتخاب

اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ نکاح کا مقصد موج و مستی کرنا اور گلچھرے اڑانا نہیں ہے، بلکہ اس کا صحیح مقصد جنسی بے راہ روی سے بچنے کی غرض سے ایک پاکیزہ زندگی گزارنا، یعنی ایک صالح تمدن کی تعمیر کے لیے دل و دماغ کی یکسوئی، اپنی جانشینی کے لیے اولاد حاصل کرنا اور دیگر دینی اور دُنیوی فوائد ہیں۔ اسی بنا پر اسلام کی نظر میں نکاح کرنا بھی ایک عبادت ہے، کیوں کہ اس سے نسلِ انسانی کے تسلسل کے ساتھ ساتھ ایک صالح تمدن کا ارتقاء بھی مطلوب ہے، لہٰذا اس سلسلے میں ایسی عورت کا انتخاب کرنا چاہیے جو اِن مقاصد کے حصول کی راہ میں مرد کی جیون ساتھی بن کر اس کی معاونت کر سکے۔ مگر اس کے برعکس آج عام طور پر معیار پیسے اور حسن کا ہو گیا ہے، یعنی بجائے مذکورہ بالا فوائد کے سب سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ لڑکی جہیز میں اپنے ساتھ کتنا مال اور کتنا پیسہ لائے گی؟ تو ظاہر ہے کہ یہ ایک غلط معیار ہے، کیوں کہ مال و دولت تو ایک ڈھلتی چھاؤں ہے، جو زیادہ دن ساتھ نہیں دے سکتی۔ لہٰذا ایک فانی چیز کی خاطر ہمیشہ کے سکون و راحت کو قربان کر دینا دانش مندی سے بعید ہو گا، اس لیے عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ نکاح کے لیے دین دار اور اچھے

اخلاق والی لڑکی کو ترجیح دی جائے۔ جیسا کہ آقائے نام دار ﷺ نے فرمایا:

''کسی عورت سے چار باتوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے:

۱......اس کے مال کی وجہ سے ۲......اس کے خاندان کی وجہ سے

۳......اس کی خوب صورتی کی وجہ سے ۴......اس کی دین داری کی وجہ سے''

پھر فرمایا:

''تم دین دار عورت کو منتخب کرلو'' ---[بخاری، کتاب النکاح، جلد۶، صفحہ۱۲۳]

خیر و برکت والی عورت

عورت کی سعادت وخوش بختی یہ ہے کہ وہ دین دار ہونے کے ساتھ ساتھ کم بوجھ والی بھی ہو، یعنی ایسی شاہ خرچ نہ ہو کہ شوہر کو کنگال اور دیوالیہ بنا کر چھوڑ دے اور کسی کا دیوالیہ ہونا زیادہ تر فضول خرچی کی بنا پر ہوتا ہے اور فضول خرچیاں زیادہ تر شادی بیاہ کے موقعوں پر کی جاتی ہیں، لہٰذا اس معاملہ میں میانہ روی اور کفایت شعاری کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی عورتوں کی بہت تعریف کی ہے اور انہیں بہت بابرکت بتایا ہے جن کا نکاح نہایت درجہ کفایت شعاری کے ساتھ آسان طور پر واقع ہوا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''برکت کے اعتبار سے عظیم تر عورتیں وہ ہیں جو بوجھ کے اعتبار سے زیادہ آسان ہوں'' ---[مسند احمد، جلد۶، صفحہ۱۴۵]

واقعہ یہ ہے کہ کفایت شعاری کی وجہ سے خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے اور فضول خرچی کی وجہ سے خدا کا غضب نازل ہوتا ہے، کیوں کہ مال و دولت بھی خدا کی ایک امانت ہے۔

نوجوانوں کے بیاہ میں عجلت

کوئی لڑکا ہو یا لڑکی، جب بالغ ہو جائے تو اس کے نکاح میں جلدی کرنی چاہیے اور یہ بات شرعی و عقلی دونوں اعتبار سے ضروری ہے، ورنہ بعض صورتوں میں سنگین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ چناں چہ قرآن اور حدیث میں غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کا نکاح (بعجلت) کرا دینے کی تاکید اس طرح آئی ہے:

﴿وَ اَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ......﴾ ---[النور:۳۲]

''اور تم میں جو بے نکاح لوگ (مرد اور عورتیں) موجود ہیں، ان کے نکاح کرا دو'' ---

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ فرمایا:

''اے علی! تم تین باتوں میں تاخیر مت کرو:

۱...... جب نماز کا وقت ہو جائے ۲..... جب جنازہ حاضر ہو جائے

۳...... جب بے نکاح عورت یا مرد کے لیے موزوں رشتہ مل جائے''---

[ترمذی، جلد۱، صفحہ ۳۲۰]

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جب تمہاری اولاد بالغ ہو جائے تو اُن کا نکاح کر دو اور ان کے گناہ مت اٹھاؤ''---[مسند فردوس]

نکاح مشکل کیوں؟

نکاح میں اگر چہ بہت سے معاشرتی و تمدنی اور روحانی فوائد پوشیدہ ہیں مگر بنیادی طور پر وہ انسانی ضرورت کی ایک چیز ہے۔ یعنی خلاقِ ازل نے انسان کی فطرت میں اپنی جنسِ مخالف سے ملاپ کرنے کا داعیہ پوری طرح سمو دیا ہے تاکہ انسان کاروبارِ حیات سے اُکتا نہ جائے، بلکہ وہ ایک حسین سہارے کے ساتھ انسانی تمدن کو آگے بڑھائے اور اس میں نئے گل و گلزار پیدا کرتا رہے۔ چناں چہ انسان کو جس طرح بھوک پیاس لگتی ہے، اسی طرح اس میں جنسی خواہش بھی پیدا ہوتی ہے اور جس طرح بھوک پیاس مٹانے کا انتظام کیا جاتا ہے اسی طرح انسان کی جنسی خواہش پوری کرنے کی غرض سے بھی جائز اور آسان طریقوں کا اہتمام ضروری ہے، ورنہ اس کے بُرے نتائج بھی نکل سکتے ہیں اور بے جا قسم کی پابندیوں یا مشکلات سے کئی طرح کی خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

اسی وجہ سے اسلام نے تاکید کی ہے کہ نکاح نہایت سادہ طریقے سے ہو اور فضول خرچی سے بچا جائے، جو تمام خرابیوں کی جڑ ہے اور جہاں تک ہو سکے نکاح مسجدوں میں کیا جائے۔ ہمارے موجودہ رسم و رواج اور فضول خرچیاں تمام تر غیر قوموں کے میل ملاپ اور اندھی تقلید کا نتیجہ ہیں، جن کو ترک کر کے صحیح اسلامی طریقہ اپنانا چاہیے۔ اسلامی قانون ہر امیر و غریب کے لیے خیر و برکت کا باعث ہے، بلکہ وہ پوری دنیائے انسانیت کے لیے روشنی کی ایک کرن ہے۔ مگر ہم محض اپنی جہالت اور جھوٹی شان کی نمائش کی خاطر اس آسان ترین ضابطۂ حیات کو ترک کر کے معاشرے کو انتشار اور تباہی کے دہانے تک پہنچا چکے ہیں۔ لہٰذا اب ہمیں پوری طرح ہوش میں آ جانا چاہیے۔

نکاح کتنا آسان ہے!

اسلامی شریعت کی رُو سے نکاح کی کارروائی اس قدر آسان اور سیدھی سادی ہے کہ شاید

غیر مسلم اس پر یقین نہ کریں، بلکہ ہوسکتا ہے کہ خود مسلمان بھی اس پر مشکل ہی سے یقین کریں کیوں کہ موجودہ خرافات اور خود ساختہ رسوم و رواجات کے پے چیدہ شکنجے میں پھنس کر آج وہ اسلامی قانون سے اس قدر دور بلکہ بے گانہ ہو چکے ہیں کہ اب انہیں اس کی صحیح شکل دیکھ کر بھی اسے سچ ماننے میں شاید تامل ہو۔ بہر حال خواہ کسی کو یقین آئے یا نہ آئے مگر حقیقت واقعہ یہی ہے کہ اسلامی ضابطہ کی رُو سے صرف دو گواہوں کی موجودگی میں ایک مرد اور عورت یا ایک جوان لڑکا اور لڑکی بذاتِ خود یا بالواسطہ طور پر ایجاب و قبول کر لیں تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور کسی لمبی چوڑی کارروائی کی ضرورت ہی نہیں رہے گی اور اس طرح نکاح بیٹھے بیٹھے اور باتوں باتوں میں ہوسکتا ہے۔ صحیح اسلامی قانون کی رُو سے قاضی اور موجودہ رواج کے مطابق کسی باضابطہ ''وکیل'' کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ دورِ اسلام میں نکاح اسی طرح سادگی کے ساتھ ہوا کرتے تھے اور موجودہ دور کے مُسر فانہ اور پُر تکلف نکاح غیر مسلموں کی خرافات اور ان کی اندھی تقلید کا نتیجہ ہیں۔

دورِ رسالت کے چند نمونے

مختلف حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی دَور میں نکاح بالکل آسان طور پر اور بغیر کسی تیاری کے انتہائی سادگی کے ساتھ ہو جایا کرتا تھا۔ اِدھر رشتہ منظور ہوا، اُدھر فوراً اسی مجلس (بیٹھک) میں نکاح ہو گیا، نہ منگنی کی رسم ہے، نہ باراتیں، نہ زرق برق پوشاک ہے اور نہ دُور و نزدیک کے تمام رشتہ داروں کو اکٹھا کر کے میلہ ٹھیلہ کرانا، نہ بریانی کی دیگیں اتر رہی ہیں اور نہ ''سلامیاں'' وصول کی جارہی ہیں اور نہ بنیے کے پاس جائیداد رہن رکھی جارہی ہے، جس کے نتیجے میں ایک دن کا سلطان کہلانے کے بعد دوسرے دن پھر وہی فقیر کے فقیر ہی رہتے ہیں۔

بہر حال اس موقع پر اسلامی دور کے چند نمونے ملاحظہ ہوں، جن میں ہمارے لیے بہت سے اسباق موجود ہیں کہ نکاح اسلام میں درحقیقت کیا تھا اور اسے آج ہم نے کیا بنا کر رکھ دیا ہے؟

نکاح دو لفظوں میں

نکاح درحقیقت دو لفظوں کا نام ہے، چناں چہ دورِ رسالت ﷺ کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک خاتون نبی کریم ﷺ کی مجلس میں حاضر ہو کر کہتی ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو آپ ﷺ کے حوالے کر دیا (یعنی میں اپنے آپ کو آپ ﷺ کی زوجیت میں دیتی ہوں) تو آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ آج کے دن مجھے عورتوں کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ اس پر ایک صحابی ؓ عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! میرا اس عورت سے نکاح کرا دیجیے۔ آپ ﷺ

پوچھتے ہیں کہ تیرے پاس مہر میں دینے کے لیے کیا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، پھر آپ ﷺ پوچھتے ہیں کہ تمہیں قرآن کی کون کون سی سورتیں یاد ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں سورتیں۔ تب آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ قرآن کی جو سورتیں تمہارے پاس موجود ہیں اُن کے عوض میں نے تمہیں اس عورت کا مالک بنا دیا۔ [بخاری، کتاب النکاح، جلد ۶، صفحہ ۱۳۶]

بس اتنا کہنے سے نکاح ہوگیا، نیز اس حدیث میں ہمارے لیے ایک دوسرا سبق یہ بھی ہے کہ نکاح سے پہلے مہر کا انتظام کرنا چاہیے، یہ نہیں کہ لمبا چوڑا مہر تو باندھ لیا مگر ادا کرنے کی نوبت ہی نہ آئی۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا واقعہ

مشہور صحابی حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ دربارِ رسالت میں اس حال میں حاضر ہوئے کہ ان کے ہاتھ میں کچھ پیلا نشان (زعفران کا) موجود تھا، اس پر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اے عبد الرحمٰن! یہ زردی کیسی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ میں نے ایک انصاری عورت سے نکاح کرلیا ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ولیمہ کرو اگر چہ ایک بکری ہی کے ذریعے ہو۔ [بخاری، کتاب النکاح، جلد ۶، صفحہ ۱۱۸]

اس حدیث کے ذریعے جو سب سے بڑا سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ نکاح کے موقع پر دُور اور نزدیک کے تمام رشتہ داروں کو تو در کنار خود اپنے ''بزرگوں'' تک کو بلانا بھی ضروری نہیں ہے۔ ورنہ صحابی موصوف، رسول اکرم ﷺ کی شرکت کے بغیر نکاح نہ کرتے، جب کہ آپ ﷺ کو اِس کی اطلاع ان کے ہاتھ کی زردی دیکھ کر ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر اُن کے لیے بزرگ اور کون ہو سکتا تھا؟ مگر انہوں نے حصولِ برکت ہی کی نیت سے سہی، آپ ﷺ کی شرکت ضروری نہیں سمجھی۔ اس واقعہ سے اُس دَور کی معاشرت کی ایک واضح تصویر ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔

اس واقعہ میں دوسرا سبق یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے انہیں ولیمہ کرنے کے لیے کہا، چوں کہ صحابی مذکور ایک مال دار آدمی تھے، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ کم از کم ایک بکری کے ذریعے ولیمہ ہونا چاہیے۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ولیمہ کرنا دلہا کی ذمہ داری ہے، دلہن والوں کی نہیں۔ لہٰذا دلہن والوں سے دعوت کا مطالبہ کرنا اور اس پر اصرار کرنا ایک غیر شرعی حرکت ہے۔

نکاح کا ایک انوکھا واقعہ

اس سلسلے میں سب سے زیادہ عجیب و غریب اور انوکھا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک قبیلے میں (سلمان فارسی کے لیے) نکاح کا

پیغام لے کر گئے اور جس گھر میں رشتہ کرنا تھا اس میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ داخل ہوئے، جب کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ باہر ہی کھڑے رہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کیے کہ وہ کس طرح اسلام لائے اور اس سلسلے میں کیا کیا مشقتیں برداشت کیں، پھر ان کا پیغام گھر والوں کو پہنچایا کہ وہ آپ کی فلاں لڑکی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ہم اپنی لڑکی کا بیاہ سلمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہیں کر سکتے، البتہ تمہارے ساتھ کرنے کے لیے تیار ہیں، تو اُسی وقت گھر کے اندر فوراً نکاح ہو گیا، پھر وہ باہر نکلے اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس موقع پر ایک ایسی بات ہو گئی ہے کہ اس کا ذکر کرتے ہوئے شرمندگی محسوس کر رہا ہوں۔ انہوں نے پوچھا کہ آخر بات کیا ہے؟ تو ابودرداء رضی اللہ عنہ نے واقعہ سنایا۔ اس پر سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس بات کا زیادہ مستحق ہوں کہ میں تم سے شرمندگی محسوس کروں، کیوں کہ پیغام تو میں نے دیا تھا مگر وہ تمہارے مقدر کی چیز تھی۔ [مجمع الزوائد، جلد۴، صفحہ ۲۷۵]

یہ واقعہ اسلام میں رسم نکاح کی انتہائی سادگی کی ایک چھوٹی مثال ہے، جو اس دَور کے مسلم معاشرہ کی بھی ایک منہ بولتی تصویر پیش کر رہا ہے۔

ارباب ثروت کے لیے ایک لمحۂ فکریہ

اسلامی احکام ہر امیر و غریب کے لیے خیر و برکت کا باعث ہیں، اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو مال و دولت سے نوازا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ من مانے طور پر دولت لٹانا شروع کر دے اور نتیجے کے طور پر محتاج اور کنگال بن جائے۔ مال و دولت بھی اللہ کی ایک امانت ہے، جس کا حساب انسان کو دینا پڑے گا۔ جو لوگ مال و دولت کے نشہ میں خدا کے احکام کو بھول کر بے جا اسراف اور فضول خرچی کا مظاہرہ کرتے ہیں، وہ غلط مثال قائم کر کے غریبوں اور کم حیثیت لوگوں کا جینا دوبھر کر دیتے ہیں، لہٰذا اس راہ میں صالح نوجوانوں کو آگے بڑھ کر خرافاتی رسوم کو مٹانے کے لیے کمربستہ ہو جانا چاہیے، ورنہ اس میدان میں کوئی انقلابی تبدیلی نہیں آ سکتی۔

اگر صحیح اسلامی طریقے کے مطابق اس قسم کی چند شادیاں ہونے لگ جائیں تو پھر وہ دوسروں کے لیے ایک نمونہ ہو سکتی ہیں، لہٰذا اس نسخے کو آزمانے کی ضرورت ہے اور یہ عمل پورے مسلم معاشرے کی فلاح و بہبود کا باعث ہوگا اور اس سے مسلمانوں کا معاشی استحکام بھی ہو سکے گا۔ ظاہر ہے کہ ایک ٹھاٹ باٹ کی شادی پر جو رقم بے جا طور پر صرف کی جاتی ہے اگر وہی رقم کسی صنعت یا کاروبار میں لگائی جائے اور اس سے بے روزگار نوجوانوں کی مدد کی جائے تو مسلمانوں کی معاشی

پس ماندگی دور ہو سکے گی۔

سُنّتِ رسول ﷺ کا تاب ناک پہلو

بہر حال مذکورہ بالا واقعات ہمارے سامنے اسلامی معاشرہ اور اسلامی طرز حیات کی ایک صحیح اور سچی تصویر پیش کر رہے ہیں اور موجودہ تاریک اور گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ہمیں سنت رسول اور سیرتِ صحابہ ایک منارۂ نور کی طرح دکھائی دے رہے ہیں، جو موجودہ خرافات کی بوجھل زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کو آزاد کرا سکتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ نبیِ رحمت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سادہ ترین طرزِ عمل موجودہ سسکتی بلکتی انسانیت کے لیے آب حیات کا درجہ رکھتا ہے، مگر ضرورت ہے کہ سب سے پہلے اس نسخۂ کیمیا پر وہ اُمت عمل کرے جو اس دین سے اپنی وابستگی کا دعویٰ کرتی ہو۔ اگر آج مسلمان اپنے پیارے نبی ﷺ کی پیاری سنت پر سچے دل سے عمل کریں تو نہ صرف پوری ملت اسلامیہ کی کایا پلٹ سکتی ہے، بلکہ دنیائے انسانی اسلام کی معجزانہ ہدایت اور اس کی معجزانہ سچائی کا بھی بخوبی نظارہ کر سکتی ہے۔

مہر ادا نہ کرنا ایک بدترین جرم

خلاصہ یہ ہے کہ نکاح کی ضروری شرائط صرف دو ہیں: دو گواہوں کی موجودگی اور ایجاب و قبول۔ لیکن اگر نکاح کا اعلان عام ہو جائے تو یہ بات معاشرتی اعتبار سے زیادہ بہتر ہے، مگر وہ شرط نہیں ہے۔ اسی وجہ سے نکاح مسجد میں کرنا مسنون قرار دیا گیا ہے، کیوں کہ اس سے اعلان عام خود بخود ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ خطبۂ نکاح مستحب ہے، ضروری نہیں۔ اب رہا مہر، تو اس کے تعین کے بغیر بھی اگرچہ نکاح تو صحیح ہو جاتا ہے مگر مہر ساقط نہیں ہوتا، بلکہ مہر مثل دینا پڑتا ہے۔

مہر عورت کا ایک شرعی حق ہے، جو ہر حال میں فرض ہے، جو لوگ اسے ادا نہیں کرتے وہ گنہگار ہیں اور جو ادا کرنے کی سرے سے نیت نہ رکھے وہ از روئے حدیث زانی ہے۔ جیسا کہ متعدد حدیثوں سے یہ بات ثابت ہے۔ مثلاً ایک حدیث ملاحظہ ہو:

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی عورت سے کچھ مہر کے بدلے نکاح کرتا ہے، مگر وہ اسے ادا کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تو وہ زانی ہے“---[سنن کبریٰ، جلد ۷، صفحہ ۲۴۱]

موجودہ دور کے مسلمانوں پر افسوس ہوتا ہے کہ وہ غیر ضروری رسوم اور خرافات پر روپیہ پیسہ خوب پانی کی طرح بہاتے ہیں مگر اپنی بیوی کا شرعی حق ادا نہیں کرتے۔

ولیمہ اور نکاح کی دعوت

ولیمہ کرنا فرض یا واجب نہیں بلکہ صرف مستحب یا زیادہ سے زیادہ سنت ہے اور پھر ولیمے میں گوشت روٹی یا بریانی کھلانا بھی ضروری نہیں بلکہ سنت رسول ﷺ کے مطابق کھجور یا کوئی بھی چیز کھلا دینا یا صرف شربت پلا دینا بھی کافی ہو جائے گا اور اس قسم کا اہتمام لڑکے والوں کی طرف سے ہونا چاہیے نہ کہ لڑکی والوں کی طرف سے۔ مگر ہم سنت رسول ﷺ کو ترک کر کے ''سنت اغیار'' کی محبت میں لڑکی والوں کی دعوت زبردستی وصول کرتے ہیں اور وہ بھی کئی وقت اور طرح طرح کی غذاؤں کے ساتھ اور اگر اس میں کوئی کسر رہ جائے تو لڑکی والوں کو ہزار صلواتیں سنائی جاتی ہیں۔

نکاح تو نکاح، بعض لوگ اس قسم کے معاملات میں اتنی سختی برتتے ہیں کہ اگر لڑکی والے منگنی کے موقع پر بھی ڈھیر سارے مہمانوں کی دعوت کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو رشتہ توڑ دیا جاتا ہے، حالاں کہ لڑکی والے اس قسم کی دعوتیں کرنے اور باراتیوں کو کھانا کھلانے کے شرعاً ذمہ دار نہیں ہیں، لیکن ہم نے اپنی جہالت کی بنا پر شریعت کے مقابلہ میں ایک نئی شریعت ایجاد کر لی ہے، اگر ہمیں اللہ، اس کے رسول ﷺ اور آپ کی شریعت سے واقعی محبت ہے تو پھر ہمیں اپنے باپ دادا کے رسم و رواج اور غیر قوموں کی نقالی کو ترک کر کے خدا اور اس کے رسول کی مرضی کے مطابق صحیح طریقہ اختیار کرنا پڑے گا، جس میں ہم سب کی نجات ہے۔

معاشرے کے بچاؤ کا واحد راستہ

حاصل بحث یہ کہ نکاح کا بنیادی مقصد ایک نئے خاندان کی تشکیل ہے، لہٰذا اگر ایک نئے گھر کی بنیاد رکھنے کے لیے دوسرے خاندان کو برباد کر دیا جائے تو یہ ایک غیر معقول بات ہوگی اور شریعت کی نظر میں بھی اسے جواز حاصل نہیں ہو سکے گا، لہٰذا ضروری ہے کہ ہر شخص شادی بیاہ کے موقع پر اتنا ہی خرچ کرے جتنا کہ وہ کسی مشقت میں پڑے بغیر یا مقروض بنے بغیر خرچ کر سکتا ہو۔ غریب اور متوسط گھرانوں میں آج شادی رحمت نہیں بلکہ بہت بڑی زحمت بن کر آتی ہے، بلکہ شادی بیاہ کے نام ہی سے ان طبقات میں لوگوں کے پسینے چھوٹ جاتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ موجودہ سماج کا بگاڑ یا وہ نمائشی معیار ہے جسے خوش حال طبقے نے قائم کر کے عوام کا ذہن و مزاج ہی بدل کر رکھ دیا ہے۔

جب شریعت پر عمل کرنے کی بات آتی ہے تو ضروری ہے کہ ہم خدا کے احکام پر پورے خلوص اور صدقِ دل کے ساتھ عمل کریں اور اس کی مرضی میں اپنی مرضی کو ملا دیں۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ہم سے

مطالبہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے دین میں کامل طور پر اور پوری طرح داخل ہو جائیں۔ یہ نہیں کہ ہم نماز، روزے کی حد تک عبادت کریں، مگر اپنے معاشرتی وتمدنی معاملات میں "طاغوت" یا "غیر اللہ" کی اطاعت کرنے لگ جائیں، یعنی یہ بھی خوش رہے اور وہ بھی۔ تو ظاہر ہے کہ یہ خدائے واحد کی پرستش نہیں ہوئی بلکہ اس میں طاغوت اور اپنی نفسانی خواہش کا بھی حصہ لگ گیا۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ کا مطالبہ ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً﴾---[البقرہ:۲۰۸]

"اے اہل ایمان! تم اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ"---

امت مسلمہ کو اللہ تعالیٰ نے عالمِ انسانی کی قیادت کے لیے پیدا کیا ہے اور اس کا کام دنیا کو جگانا اور اس کے بگڑے ہوئے عقائد و اعمال کی اصلاح کرنا ہے۔ مگر عالمِ انسانی کی قیادت سے پہلے اپنے گھر کی اصلاح ضروری ہے، لہٰذا مسلمان غیر قوموں کی نقالی اور ان کے خرافات سے باز آئیں جن میں دین و دنیا دونوں کی تباہی ہے۔

آیئے عہد کریں کہ ہم

۱) نکاح مسجدوں میں اور پوری سادگی کے ساتھ انجام دیں گے۔

۲) لڑکی والوں کی دعوت نہیں کھائیں گے۔

۳) جوڑے جہیز کا غیر معقول مطالبہ نہیں کریں گے۔

۴) ولیمہ حسب استطاعت مختصر اور سادہ طور پر کریں گے۔

۵) دولت کی بے جا نمائش کر کے دوسروں کے لیے غلط مثال قائم نہیں کریں گے۔

۶) کسی بھی قسم کی غیر شرعی رسم کی ادائیگی پر اصرار نہیں کریں گے۔

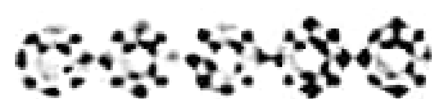
۷) جہاں تک ہو سکے غیر اسلامی رسوم سے بچنے کی کوشش کریں گے۔

۸) اسلامی شریعت کا احترام ہر حالت میں قائم رکھنے کی کوشش کریں گے۔

۹) اپنے تمام معاملات اسلامی شریعت کے دائرہ میں حل کریں گے۔

۱۰) اپنے باہمی قضیہ جات کو غیروں کے پاس نہیں لے جائیں گے۔

[بشکریہ ماہ نامہ میثاق، لاہور]

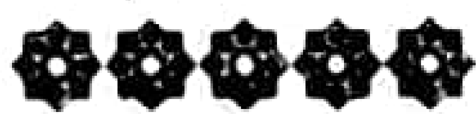


تعظیم بارگاہ شفیع امم کریں

یوں اہتمام مدحت سرکار ہم کریں — "اوراق دل پہ نعت پیمبر رقم کریں"
وصف نبی میں وقف زبان و قلم کریں — یوں خود کو بھی، کلام کو بھی محترم کریں
خلد نظر جریدۂ عالم کو ہم کریں — ہر صفحہ پر نقوش ثنا مرتسم کریں
نیچی رکھیں نگاہیں، جبینوں کو خم کریں — تعظیم بارگاہ شفیع امم کریں
ہے معطیٔ کنوز و نعم ذات کبریا — تقسیم مصطفیٰ بھی علوم و حکم کریں
پیہم خطا شعار و غلط کار ہم، مگر — وہ جانتے ہوئے بھی مسلسل کرم کریں
اس کے سوا مفید نہیں ہے کوئی علاج — ذکر نبی سے چارۂ ہر درد و غم کریں
اس کارزار دانش و تحقیق نو میں بھی — علم و عمل کا ان کے بلند ہم علم کریں
جو کچھ بھی اہل ذر کہیں، ہم دھریں نہ کان — بڑھ چڑھ کے ہم اطاعت شاہ حرم کریں

طارق نہیں ہے اور ہمیں کوئی اختیار
جو بھی کہیں وہ ہم سر تسلیم خم کریں

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم



قیام پاکستان

قرآنی مادہ تاریخ — "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ" — 1366ھ

قطعہ تاریخ

توحید و رسالت کے علو کے لیے حق سے — یہ ملک ملا ہم کو بہ تائید مدینہ
تاریخ قیام وطن پاک و مبارک — طارق نے کہی "عظمت توحید مدینہ"

۱۹۴۷ء

محمد عبدالقیوم طارق سلطان پوری

